PDFBOOKSFREE.PK
کاٹھ کا اُلو
ایم اے راحت

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

بیگم جہاں آرا ہدایت پور سے ملاقات کیا ہوئی ان کی تقدیر ہی کھل گئی۔ بیگم صاحبہ کچھ
ی لٹو ہوئی تھیں ان پر کہ بس عنایتوں پر عنایتیں ہو رہی تھیں۔ ڈی ڈی لمیٹڈ کا دفتر اس عمارت سے
ادیا گیا۔ شہر میں بیگم صاحبہ کی بے اندازہ جائیداد تھی۔ ایک شاندار پیمانے پر آراستہ دفتر، جس میں
نچ خوبصورت کمرے تھے، ان کے حوالے کر دیا گیا۔ بیگم صاحبہ نے ڈی ڈی لمیٹڈ کا بورڈ بھی خود
ی بنوا کر لگوا دیا تھا اور اس کے بعد ہی انھیں اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ وہ لوگ بڑے جز بز ہوئے
تھے لیکن بیگم صاحبہ خود ہی تشریف لائیں اور انھیں یہاں سے اٹھا لے گئیں۔ اس حسین دفتر کو دیکھ کر
ن کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ بیگم صاحبہ کی محبت بھری ڈانٹ کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی۔ ان
ے بعد محترمہ ثمن آراء ہدایت پور تھیں۔ ہفتے میں ایک بار یہاں کا دورہ ضرور کرتیں اور ہر بار ایک
پیکٹ ساتھ لاتیں جن میں ڈیکوریشن پیس ہوتے۔ ایک بار ایک جوکر قسم کے نوجوان کو ساتھ
لے آئیں۔ "یہ مٹھو ہے۔ جاسوسی کا شوقین۔ آپ لوگوں کے زیر تربیت رہے گا۔" ثمن آراء نے
رمایا۔

"سبحان اللہ! ہم تو اسے بھی کوئی ڈیکوریشن پیس سمجھے تھے۔ بہرحال شجرہ نسب کیا ہے
وصوف کا؟" ظفری نے پوچھا۔

"چھیمو کا للوا ہے۔ چھیمو ہمارا تیس سالہ پرانا ملازم ہے۔ بالکل قابل اعتماد۔ یہ اس کا

بیٹا ہے۔ دیوار کی مانند ہے' جس کے نہ کان ہوتے ہیں نہ زبان۔ جو کہیں گے اس سے زیادہ نہ کرے گا۔ میری ضمانت ہے۔ کم بخت کو پڑھانے کی بہت کوشش کی لیکن جاسوسی ناولوں کے سوا کچھ نہ پڑھ سکا۔ اس لیے اب یہ آپ کے سپرد۔"

"کسی بات پر ناراض ہوگئی ہیں ہم سے۔" ظفری نے عاجزی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ بس میں نے کہہ دیا۔" سمن آراء نے جواب دیا۔ اور یوں چھمو کا لاڈلا عرف ٹیٹو اس دفتر کا پانچواں فرد بن گیا۔ جس دن اس نے آفس جوائن کیا۔ مضطرب صاحب نے ایک درخواست پیش کردی۔ لکھا تھا:

حضور میں!

خدا دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (ہر چند کے دفتر رات کو نہیں کھلتا) فدوی عرصہ دراز سے دفتر کے منتظم سے لے کر چپراسی تک کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اب چونکہ ایک رنگروٹ آگیا ہے اس لیے فدوی اپنے عہدے میں ترقی کا خواہشمند ہے۔ فدوی کو دفتر کا رجسٹرار اور منیجر بنا دیا جائے۔ عین نوازش ہوگی۔"

نتیجے میں مضطرب صاحب کو طلب کر لیا گیا۔ سعدی نے پوچھا۔

"منیجر کے فرائض کیا ہوں گے؟"

"دفتر کی مکمل دیکھ بھال۔ اس کی ترتیب و تزئین۔ اس کی جملہ ضروریات کی تکمیل۔ جو بھی کیس آئے اس کے بارے میں مکمل کوائف رجسٹر کیے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔"

"لیکن مضطرب صاحب۔ دفتر کا فنڈ اس کی اجازت کہاں دیتا ہے۔ ہمارے اس چھوٹے سے دفتر کی بات اور تھی۔ اسے ہم اپنے بل بوتے پر چلا سکتے تھے۔ اس کے اخراجات کے بارے میں سوچ کر ہی۔۔۔۔"

"قطع کلامی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ اس دفتر کے اخراجات تو بالکل نہیں ہیں۔ بجلی کا بل ریاست ہدایت پورا ادا کرتی ہے۔ ٹیلی فون کا بل بھی وہیں سے جاتا ہے۔ وہی چائے پانی کی

تات رہ جاتی ہے۔ اور پھر فدوی کے منیجر بننے سے اخراجات پر کیا اثر پڑے گا۔ میں کوئی تنخواہ تو طلب نہیں کر رہا۔"

"ہوں۔ تب ٹھیک ہے۔ آپ کا عہدہ تبدیل کیا جاتا ہے۔ ویسے یہ مسٹر للوا کیسے آدمی ہیں؟"

"زبردست۔ چائے کافی سب کچھ بنا لیتا ہے۔ موٹر سائیکل اور کار ڈرائیو کر لیتا ہے۔ بس لائسنس نہیں ہے۔ توانا اور پھرتیلا جوان ہے۔ اور پھر بے عذر ہے جس کام کے لیے کہو انکار نہیں کرتا۔ منیجر کی پوسٹ حاصل کرنے کے بعد میں یہاں بہت سی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک آپ ذمہ دار ہیں ہر معاملے کے۔ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔"

"تین ماہ آزمائشی رکھ لیں۔ اگر اس لائق پایا جاؤں تو مستقل کر دیں ورنہ نہیں۔"

مضطرب صاحب کے جانے کے بعد سعدی نے ظفری اور شکیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بیگم صاحبہ جو کچھ کر رہی ہیں' ہمارے لیے اس سے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ان کے عنایتی ہو کر رہ گئے ہیں۔ جواب میں ہم کیا کریں گے ان کے لیے؟"

"تعلقات خراب کر لیں گے تاکہ کسی برے وقت کا امکان نہ رہے۔" ظفری پھٹ سے بولا۔

"یہ کام تم ذاتی طور پر کر سکتے ہو۔ ہم ایسے ناسپاس نہیں ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

بہر حال نیا دفتر کام کرنے لگا۔ کام ابھی کوئی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ مضطرب صاحب اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے دفتر کے لیے خریداری کر رہے تھے۔ درجنوں جاسوسی ناول خریدے گئے تھے۔ جو منیجر صاحب کے کمرے کے شیلف میں سجے ہوئے تھے۔ فن جاسوسی پر بے شمار کتابیں بھی مضطرب صاحب نے حاصل کی تھیں۔ سعدی ظفری نے اس سلسلے میں انھیں ٹوکا تھا لیکن آجکل وہ الجھن میں تھے۔ اس نئے دفتر میں ابھی تک کوئی کیس نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اخبار میں تین اشتہار آچکے تھے جن میں سے دو میں ڈی ڈی لمیٹڈ کے دفتر کی منتقلی کی اطلاع دی گئی تھی اور ایک اشتہار

حسب معمول تھا لیکن پہلا ہفتہ ختم ہونے کو تھا اور ابھی تک کوئی نہیں جھانکا تھا۔

ہفتہ ختم ہونے کا آخری دن تھا کہ مسٹر ٹیٹو منیجر صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"ٹلا۔ انھوں نے بکری جیسی آواز لگائی اور مضطرب صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر اچھل پڑے۔

"اے واہ واقعی ٹلا فٹ ہوتا ہے۔ بالکل درست' شعر مکمل ہو گیا۔ مگر تمہیں کیسے معلوم؟"

"باہر کھڑا ہے۔" مسٹر ٹیٹو نے جواب دیا۔

"کون باہر کھڑا ہے؟"

"ٹلا!" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"چھوٹا بھائی ہے تمہارا؟ میرا مطلب ہے (ٹ) کی مناسبت سے میں سمجھا تم نے میرا شعر مکمل کیا ہے۔ اس میں آخری لفظ ٹلا تھا۔ دوسرے مصرعے کا آخری لفظ۔ ابھی مضطرب صاحب اتنا کہہ پائے تھے کہ ایک پولیس کانسٹبل نے اندر جھانکا۔

"مجھے جلدی ہے جناب اندر آنے کی اجازت دیجئے۔" وہ بولا۔ پولیس کی وردی دیکھ کر مضطرب صاحب سخت مضطرب ہو گئے۔ آواز بند ہو گئی تھی کانسٹبل اندر داخل ہو گیا۔ "معافی چاہتا ہوں۔ اگر جلدی نہ ہوتی تو۔ یہ خط ہے ایس پی آفس سے۔ اگر آپ کوئی ذمہ دار آدمی ہیں تو اسے وصول کر لیں۔" اس نے ایک لفافہ پین بک میں رکھا اور مضطرب صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

"ہم منیجر ہیں ہم یہاں کے۔ کیسا خط ہے؟ کیا کریں اس کا؟" بمشکل تمام مضطرب صاحب نے کہا۔

"بس یہاں دستخط کر کے اسے وصول کر لیں۔"

کانسٹبل کے جانے کے بعد مضطرب صاحب دیر تک گریبان میں پھونکیں مارتے رہے۔ خط کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ لفافے پر مسٹر سعدی' ظفری اور مس شکیلہ لکھا ہوا تھا۔ بہر حال مضطرب نے خط انہیں پہنچا دیا۔ انوی ٹیشن کارڈ تھا۔ سالگرہ کی ایک تقریب میں ان

لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ سالگرہ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفتاب حسین کی صاحبزادی رخسانہ حسین کی تھی۔

"یعنی کمال ہے۔ اب ہم معمولی لوگ نہیں رہے۔" ظفری مسرت بھرے لہجے میں بولا۔ سالگرہ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ایک مشترکہ اور خوبصورت تحفے کے ساتھ وہ لوگ سالگرہ میں شریک ہوئے یہاں بیگم جہاں آراء اور سمن آراء بھی موجود تھیں۔

ایس پی صاحب گرمجوشی سے ان سے ملے۔ "بیگم صاحبہ نے آپ لوگوں کی اتنی تعریف کی کہ بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ ملاقات کا اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر چند کہ ہمارے یہاں پرائیویٹ جاسوسی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن آپ لوگوں کے بارے میں سب سن چکا ہوں۔ کسی بھی مسئلے میں تعاون کی پیشکش کرتا ہوں۔ جب بھی ضرورت محسوس کرو مجھے فون کر دینا۔ چہروں سے تم تینوں ذہین بچے لگتے ہو۔ اس کے علاوہ میں خود بھی تمہیں کچھ کیس بھجواؤں گا۔"

سالگرہ کی تقریب بہت دل چسپ اور خوشگوار رہی۔ دوسرے دن دفتر میں اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ مضطرب صاحب اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایک فارم ان کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے مضطرب صاحب؟" سعدی نے پوچھا۔

"ملاحظہ فرمائیے۔ مضطرب صاحب بولے۔ فارم پر نہایت خوبصورت الفاظ میں ڈی ڈی لمیٹڈ لکھا ہوا تھا' اس کے نیچے ایک باریک لائن تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا۔" ہر قسم کے قانونی اور سماجی مسائل کے حل کرنے کا واحد ادارہ۔ پھر اس کے نیچے کالم بنے ہوئے تھے۔ ایک کالم میں لکھا تھا۔ "الجھن کی نوعیت قانونی ہے یا غیر قانونی۔ دوسرے میں لکھا تھا کہ اگر نوعیت غیر قانونی ہے تو کیس نہیں لیا جا سکتا۔ تیسرے میں لکھا تھا۔ معاوضہ کیس درج کرنے کے ساتھ ساتھ لیا جائے گا اور اگر جائز حل میں ناکامی ہوئی تو پورا معاوضہ قابل واپسی ہوگا۔ اسی طرح کے چند اور کالم تھے اور سب سے نیچے کسی تفضل حسین صاحب کے دستخط تھے اس کے اوپر والی لائن میں لکھا تھا۔

''میں نے فارم ہذا کے تمام اندراجات پڑھ لیے ہیں۔ میں ان سے متفق ہوں اور اپنا کیس ڈی ڈی ڈی لمیٹڈ کے سپرد کرتا ہوں۔''

تفضل حسین! سعدی نے پرخیال انداز میں مضطرب صاحب کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں باہر موجود ہیں اور میں نے کیس رجسٹرڈ کر دیا ہے۔''

''وری گڈ وری گڈ اور معاوضہ بھی وصول کر لیا ہوگا آپ نے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''نہیں نہ ابھی میں نے کیس معلوم کیا' نہ معاوضہ وصول کیا' یہ فارم تو ابتدائی حیثیت رکھتا ہے۔ فارم بھر کر میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب آپ مؤکل کو طلب کر سکتے ہیں۔''

''بھئی واہ مضطرب صاحب' یہ فارم کب چھپوایا آپ نے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''اس کی تفصیل بعد میں عرض کر دی جائے گی۔ تفضل حسین حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔ مضطرب صاحب نے کہا۔ اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ اسے ہمارے پاس بھیج دیں۔''

مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ اور چند لمحات کے بعد اچھی خاصی شخصیت کا مالک ایک شخص جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' بال بکھرے ہوئے تھے اور شکل وصورت سے وہ کافی پریشان لگ رہا تھا اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہو کر اس نے جھجکتی ہوئی نگاہوں نے ان تینوں کو دیکھا اور لکنت زدہ لہجے میں بولا۔

''مم۔ میں تفضل حسین ہوں۔ ابھی منیجر صاحب سے۔۔۔۔''

''جی ہاں' جی ہاں تشریف لائیے' تشریف رکھیے۔'' سعدی نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور تفضل حسین کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ڈی ڈی لمیٹڈ کے تینوں اعلیٰ افسران آپ کے سامنے موجود نہیں۔ فارم پر لکھے کوائف سے آپ نے اتفاق کیا ہے۔ اب ہم آپ کے کیس کی نوعیت سننا چاہتے ہیں۔''

''میں آپ کے منیجر سے معلوم کر چکا ہوں کہ اگر آپ لوگ میرا کیس نہ لیں اور ہمارے

درمیان معاوضے وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہ ہو تو آپ میرے معاملات کو راز میں رکھیں گے؟''

''یقیناً یقیناً آپ کا مسئلہ جو کچھ بھی ہے' ہم اسے منظر عام پر کسی وقت پر نہیں لائیں گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے میں معاوضہ ساتھ لایا ہوں' نووارد نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی ڈھائی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں ظفری نے جلدی سے ہاتھ آگے بڑھا کر گڈیاں اٹھائیں اور میز کی دراز میں ڈال دیں۔

''اب آپ پورے صبر وسکون سے ہمیں اپنی پریشانی بتائیے' ہم آپ کو اس کا تسلی بخش حل تلاش کر کے دیں گے۔ ہاں یہ تو فرمائیے کیا پئیں گے آپ؟'' سعدی نے پوچھا۔

''کک' کچھ نہیں۔ براہ کرم تکلف نہ کریں۔ میرا کیس کسی الجھی ہوئی نوعیت کا نہیں ہے' لیکن جو کچھ ہوں صرف آپ کو بتا رہا ہوں۔ اور آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ کیس لینے یا نہ لینے کی صورت میں آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری شخصیت کو راز میں رکھیں گے۔'' تفضل حسین نے کہا۔

''ہاں ہاں وعدہ کر چکے ہیں اور اس کی پابندی کی جائے گی۔'' سعدی نے جواب دیا۔

نووارد نے چند لمحے گہری گہری سانسیں لیں' پھر اپنے کوٹ کی اسی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک خوبصورت لاکٹ نکالا اور ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ تینوں لاکٹ پر جھک گئے۔ عجیب ساخت کا لاکٹ تھا۔ سونے کی سنہری چین سانپ کی شکل کی تھی اور منہ کی جگہ سورج کا نشان بنا ہوا تھا بادی نگاہ میں بڑا پراسرار نظر آ رہا تھا یہ لاکٹ'

سعدی نے لاکٹ کو ہاتھ میں اٹھا کر دیکھا۔ دوسروں کو دکھایا اور پھر اسے سامنے رکھ دیا۔ ''جی فرمائیے۔ یہ لاکٹ کیسا ہے؟''

آنے والا چند گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر بھاری لہجے میں بولا۔

''یہ۔۔۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ میری تقدیر کا سب سے عجیب دھوکا ہے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ اس خوبصورت چیز نے میری زندگی وبال جان بنا دی ہے مجھے اس حد

تنگ پریشان کر دیا ہے کہ میں خودکشی پر آمادہ ہوں کیا تم یقین کرو گے میرے عزیز کہ جب سے یہ منحوس شے میرے پاس آئی ہے' میں اپنی زندگی کے بدترین نقصانات سے دوچار ہوتا رہا ہوں۔ میری رفیق حیات ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ میرے دو بچے مجھ سے بچھڑ گئے۔ مالی طور پر میں کنگال ہو کر رہ گیا۔

کیا تم یقین کرو گے میرے دوست کہ اس شئے نے مجھے زندگی سے اتنی دور لا پھینکا ہے کہ میں خودکشی کرنے پر تیار ہوں۔ میں اس بھری دنیا میں یکہ و تنہا رہ گیا ہوں اور یہ سب اس وقت سے ہوا ہے جب سے یہ منحوس شے میرے پاس آئی ہے۔" نو وارد کے لہجے میں کچھ ایسی بے چارگی اور یاس تھی کہ وہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سعدی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"لیکن محترم آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا کہ یہ خوبصورت ہار آپ کی ان مصیبتوں کی وجہ بنا ہے؟"

"مجھ سے زیادہ اس کے بارے میں اور کون جان سکتا ہے۔ میں آپ سے پہلے ہی یہ اقرار لے چکا ہوں محترم کہ اگر آپ میری مدد کرنے پر نہ بھی آمادہ ہوں تو بہرطور ایک اچھے انسان کی طرح مجھے سینہ راز میں رکھیں گے اور میری تشہیر نہ کریں گے۔ اگر آپ خود کسی اچھے جذبے کے تحت مجھے تلاش کر لیتے تو پھر آپ کو یہ حق پہنچتا تھا کہ میرے بارے میں جسے چاہتے بتاتے' لیکن اب تو میں آپ کے اور آپ کے معزز پیشے کے درمیان ایک اعتماد کی حیثیت رکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس اعتماد کو زخمی نہ کریں گے۔

"ٹھیک ہے آپ یقین رکھیں کہ آپ کو ہماری ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

"میں جیب تراش ہوں۔ طویل عرصے سے یہ کاروبار کر رہا ہوں۔" میں جیب تراش کیوں بنا اس کی ایک لمبی تفصیل ہے' جس کا تعلق ان معاملات سے نہیں ہے' بہرطور ایک تعلیم یافتہ انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے اعتراف ہے کہ میں اس معاشرے کا ایک اچھا فرد نہیں ہوں لیکن مجبوریاں انسان کو کون کون سے راستوں پر لا ڈالتی ہیں اس کا تھوڑا بہت اندازہ آپ لوگوں کو بھی

ہوگا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں ایک جیب تراش ہوں اور اپنے پیشے کے ذریعے اپنے اہل خاندان کا پیٹ بھرتا تھا۔ میں بھول چکا ہوں اس بات کو کہ وہ شخص جس کے لباس سے میں نے یہ نیکلس نکالا تھا کس شکل و صورت کا مالک تھا' کیا حلیہ تھا اس کا' ایسی باتیں کون یاد رکھتا ہے اور نہ ہی اس کی جیب کاٹتے وقت مجھے علم تھا کہ اس کی جیب سے کوئی ایسی چیز برآمد ہو سکتی ہے۔ بہرطور میں نے دوسری چیزوں کے ساتھ اسے بھی رکھ لیا' اور اس کے بعد میری زندگی میں تبدیلیاں ہونے لگیں۔ مجھے بے شمار نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ جیل جاتے جاتے بچا' زخمی ہو گیا' اس کے بعد حالات بگڑتے چلے گئے۔

زخمی ہونے کی وجہ سے مجھے اپنا یہ کاروبار بھی بند کرنا دینا پڑا۔ لیکن میں اتنا آسودہ حال تھا کہ مجھے چار چھ ماہ یا سال دو سال کے لیے کاروبار بند کر دینے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اسی دوران جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میری بیوی ایک حادثے کا شکار ہو گئی' میرے دونوں بچے گم ہو گئے۔ میں کیا بتاؤں آپ لوگوں کو کہ مجھے کس کس الجھن کا شکار ہونا پڑا' اس کی آواز رندھ گئی اور وہ ناک سے شوں شوں کرنے لگا۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ' دل چسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہر چند کہ اس کی کہانی دلگداز تھی' لیکن جیب تراشی کا معاملہ ایسا تھا کہ اس نے ان کے دلوں سے یہ گداز ختم کر دیا تھا۔ بہرطور وہ اس کی کہانی سن رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچا' بہت تجزیہ کیا کہ میرے ساتھ آن کی آن میں یہ سب کچھ کیسے ہو گیا اور کیوں ہو گیا' تب مجھے احساس ہوا کہ جب سے یہ منحوس شے' میرے پاس آئی' میرے حالات میں تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہو گئیں۔ یہ لاکٹ میری بیوی کے پاس تھا اور وہ نہ جانے کیوں اس سے خوف کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ کئی بار اس نے کہا تھا کہ مجھے اس سے ڈر محسوس ہوتا ہے' جب بھی اس لاکٹ کو دیکھتی ہوں' میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے وسوسے بیدار ہونے لگتے ہیں۔ میں نے اس وقت تو توجہ نہیں دی تھی اس بات پر' لیکن جب پے در پے حادثات رونما ہوئے

تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں کوئی بہت ہی خوف ناک شے اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ میں چاہتا تو اسے کہیں بھی پھینک دیتا' لیکن میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے معاملات بے حد پراسرار ہوتے ہیں' میں اسے اس کے مالک تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے کسی بھی طرح اس کے مالک کو تلاش کر کے اس کی یہ امانت اسے واپس کر دیں' نجانے اس کی بددعا مجھے لگی ہے یا پھر یہ شے اس کے لیے کوئی خاص حیثیت رکھتی ہے۔ میرے ذہن میں ایسے ہی خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں' کوئی میرے کانوں میں سرگوشیاں کرتا ہے کہ اس لاکٹ کو اس کے مالک تک پہنچا دو۔ تمہارے حالات بہتر ہو جائیں گے۔ اس مصیبت بھری زندگی سے چھٹکارہ پا لو گے' لیکن میں کس طرح اس کے مالک کو تلاش کروں' اور پھر میری اپنی یہ حیثیت۔ میں کسی اور مصیبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا۔ براہ کرم آپ میری مدد کریں۔ میں اخبار میں آپ کا اشتہار دیکھ کر حاضر ہوا ہوں۔"

سعدی' ظفری اور شکیلہ دل چسپ نگاہوں سے اس لاکٹ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر سعدی نے اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کا نام یقیناً تفضل حسین نہیں ہوگا۔ آپ نے یہ دستخط جعلی کیے ہوں گے؟"

"یہی سمجھ لیجیے۔ لیکن میں اپنا اصل نام آپ کو کبھی نہیں بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے تفضل حسین صاحب' لیکن ہم اس کے مالک کو کہاں تلاش کریں گے۔"

"میں آپ کے پاس اسی لیے تو حاضر ہوا ہوں' آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے عہدے داران ہونے کی حیثیت سے میرے لیے کام کریں اور مجھ سے معاوضہ وصول کریں۔"

"اگر ہم اس لاکٹ کی تشہیر کریں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا؟" سعدی نے پوچھا۔

"جو دل چاہے کریں' بس اب یہ مسئلہ مجھ سے منسلک نہیں رہنا چاہیے۔ میں اسے آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تفضل حسین صاحب' لاکٹ اس کے مالک کو واپس پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر اتفاق سے اس کا مالک نہ مل سکا تو ہم آپ کو اس کے بارے میں کہاں اطلاع دیں گے؟"

"خدا کے لیے نہیں۔ خدا کے لیے نہیں مجھے اس بارے میں اطلاع مت دینا۔ میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں گا۔ میں اس ملک سے ہی چلا جاؤں گا۔ میں اس منحوس شے کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتا۔ میرا یہاں رہا ہی کون ہے۔" تفضل حسین نے جواب دیا۔ اور سعدی گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے آپ کا کام ختم۔ اب آپ مطمئن ہو سکتے ہیں۔"

تفضل حسین چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ڈائرکٹرز لاکٹ میز پر پھیلا کر اس پر جھک گئے۔ شکیلہ نے لاکٹ ہاتھ میں اٹھایا۔ اس کی چین کھولی اور اسے گلے میں ڈال لیا۔

"کیسا لگ رہا ہے ظفری؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ تم قدیم مصر کے فرعونی دور کی ملکہ معلوم ہو رہی ہو۔ واقعی شکیلہ تمہارے چہرے کے خدوخال بدلتے جا رہے ہیں۔ اوہ تمہاری آنکھوں میں دریائے نیل بہ رہا ہے اور اس کے اطراف میں اہرام پھیلے ہوئے ہیں' سعدی۔ سعدی پلیز ان آنکھوں میں جھانکو۔ دیکھو تو سہی ان آنکھوں میں۔ ظفری نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"بس بس بکواس بند کرو' تمہارے کپڑے بھیگ جائیں گے۔" شکیلہ نے لاکٹ اتار کر دوبارہ میز پر رکھ دیا۔

"غیر سنجیدگی ختم' کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں کیا اس کے بیان میں صداقت ہو سکتی ہے؟"

"پچیس ہزار روپے اور سونے کا یہ لاکٹ بہرطور صداقتوں کی جانب اشارہ تو کرتا ہے' لیکن حقیقت کیا ہے' یہ معلوم کرنا ذرا مشکل ہے۔ ویسے وہ شخص شکل وصورت سے اداکار نہیں معلوم ہوتا تھا۔" ظفری نے کہا۔

"شکل وصورت کے بارے میں تو اس دور میں کچھ کہا نہیں جا سکتا ظفری' ہم لوگوں نے عہد کیا ہے کہ شکل وصورت سے انسان کی شخصیت کا اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے' تم

اس عہد کو بھول رہے ہو۔"

"نہیں نہیں یہ سو فیصد تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"تو پھر یہ سوچو وہ شخص ہم سے کیا چاہتا ہے۔"

"حماقت ہوگی۔ سو فیصدی حماقت؟"

"کیوں؟"

"وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ بھلا ہمیں اس مسئلے میں سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تو بقراط اعظم۔ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"بھائی سیدھا سادا راستہ اختیار کرو۔ لاکٹ کی تصویر اخبار میں چھپواؤ اور اس کے مالک کی تلاش کا اشتہار دے دو۔"

"کیا خوب۔ میرے خیال میں کل صبح ہمارے دفتر کے سامنے جم غفیر لگا ہوگا لاکٹ کے مالکوں کا۔"

"لگنے دو۔ اصل مالک کو ان میں سے بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اسے لاکٹ کی تاریخ بتانی ہوگی۔ اب اس سے یہ تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ لاکٹ کس جیب تراش نے اس کی جیب سے نکالا ہے۔ یہ بات تو اصل مالک ہی بتا سکے گا۔"

"ہوں" خیال ٹھیک ہے۔ کیوں شکیلہ؟"

"ہاں سیدھا راستہ ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا اور مضطرب صاحب کو طلب کر لیا گیا مضطرب آموجود ہوئے تھے۔

"اس لاکٹ کی تصویر ایک مضمون کے ساتھ اخبار کر دینی ہے' ہمیں اس کے مالک کی تلاش ہے۔"

"کیوں؟" مضطرب صاحب نے متجسس انداز میں لاکٹ کو ہاتھ میں اٹھا لیا اور پھر

حیرت سے بولے۔ "ارے یہ آپ کو کہاں سے ملا' یہ تو میری والدہ کی نشانی ہے جو مرحومہ نے۔۔۔۔"

"مضطرب' یہ ایک قتل کی واردات میں ملوث ہے۔ سوچ لیں آپ۔" ظفری بولا۔

"ارے کمال ہے۔ آپ تو مذاق بھی نہیں سمجھتے۔ لائیے میں کاروائی مکمل کر لوں۔" مضطرب جلدی سے بولے اور لاکٹ لے کر باہر نکل گئے۔

"ہیلو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔ شکیلہ نے ریسیور میں کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ "ہیلو" شکیلہ دوبارہ بولی۔

"میں کسی ذمہ دار شخص سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ایک پروقار نسوانی آواز سنائی دی۔

"جی فرمائیے۔"

"بہری ہو تو۔ میں نے کہا ہے کہ میں کسی ذمہ دار شخص سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"میں آپ کو مطمئن کر دوں گی خاتون۔ کیا تکلیف ہے آپ کو؟"

"تکلیف کی بچی۔ میں بیگم شکور رانا ہوں۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ اب کیا موت پڑی ہے تم پر۔ کیوں میری زندگی کے گاہک بنے ہوئے ہو؟ جینے دو گے یا نہیں؟" دوسری طرف سے بولنے والی برس پڑی۔

"ہمیں آپ کی زندگی پر کوئی اعتراض نہیں ہے خاتون۔ لیکن آپ کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتی ہیں؟"

"غلط فہمی۔ تم مجھ سے تین لاکھ وصول کر چکے ہو۔ زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تم نے میری۔ اس سے زیادہ میری حیثیت نہیں ہے۔ میں اب تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ مجھے جان دے دوں گی لیکن تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گی۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تم دفعان ہو چکے ہو۔ چار سال کے بعد تم کہاں سے آمرے؟"

"کیا نام بتایا آپ نے اپنا' بیگم شکور رانا؟"

"بکواس مت کرو۔ میرے بارے میں معلوم کر کے ہی تم نے یہ حرکت کی ہوگی؟"

"کون سی حرکت؟"

"میں اخبار میں تمہاری منحوس شکل دیکھ چکی ہوں۔ سانپ نما لاکٹ کے مالک کی تلاش۔"

"اوہ! شکیلہ ایک دم چونکی ہوگئی۔ "بیگم صاحبہ آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تشریف لا سکتی ہیں؟"

"سودے بازی کرنی ہے نا؟ کہاں ہے تمہارا یہ دفتر' میں نے وہ جگہ نہیں دیکھی۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور شکیلہ انہیں دفتر کا جائے وقوع بتانے لگی۔ بیگم صاحبہ نے جھٹکے سے فون رکھ دیا تھا۔ شکیلہ نے بھی ریسیور رکھ دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پھر اس نے پیڈ اٹھا کر وہ جملے یاد کیے جو بیگم شکور رانا نے کہے تھے اور پھر انہیں نوٹ کر لیا۔ تفضل حسین نے جو کچھ کہا تھا وہ ابھی تک ان لوگوں کی نگاہوں میں مشکوک تھا اور اس شک کی تصدیق بہت جلد ہوگئی تھی لاکٹ کا اشتہار اخبار میں آ گیا تھا اور آج پہلا دن تھا۔ سعدی اور ظفری کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ لیکن شکیلہ پُر اعتماد تھی وہ خود بھی بیگم شکور رانا سے گفتگو کر سکتی تھی۔

سامنے رکھے ہوئے پیڈ کی تحریر سے وہ نتائج اخذ کرتی رہی' سیدھا سادا بلیک میلنگ کا کیس تھا اور تفضل حسین یا جو کچھ اس شخص کا نام تھا' بلیک میلر تھا۔ لیکن اس بلیک میلر نے یہ عجیب راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔ وہ خود بھی یہ اشتہار دے سکتا تھا۔ بہرحال وہ تقدیر کو بھی مانتی تھی' پچیس ہزار روپے جو آئے تھے۔ ان کے پاس۔

دفعتاً اسے کچھ خیال آیا۔ اور اس نے مضطرب صاحب کو آواز دے لی۔ مضطرب صاحب اس کے پاس پہنچ گئے۔ "کیا ہو رہا ہے مضطرب صاحب؟"

"مقابلے کی تیاریاں۔ ایک ایسا کارنامہ انجام دے رہا ہوں کہ بس شعر کی دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔"

"اوہ کوئی غزل ہو رہی ہے؟"

"ہاں جاسوسی غزل۔ ہر مصرعہ سسپنس فل' اسرار و رموز سے پر۔ دیکھتا ہوں حضرت مطلق اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔"

"بہرحال یہ تو بعد میں دیکھیں گے۔ ایک بیگم صاحبہ آنے والی ہیں۔ ابھی ان کا فون آیا ہے۔ آتش فشاں ہوں گی۔ ذرا خیال رکھیے گا۔"

"شوہر سے جھگڑا کر کے آ رہی ہوں گی؟"

"خدا جانے۔ وہ للوا کہاں ہے؟"

"باہر موجود ہے۔ ویسے اسے للوا نہ کہا کریں۔ وہ خود کو ٹیٹو کہلوانا پسند کرتا ہے۔"

"شکل سے تو للوا ہی لگتا ہے۔ بس جائیے آپ میرے خیال میں وہ خاتون پہنچنے والی ہیں۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر سے کچھ تیز تیز آوازیں سنائی دیں اور شکیلہ تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ دراز قامت اور بھرے بھرے بدن کی مالک تھیں۔ خدوخال جاذب نگاہ تھے۔ غصے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور یہ سرخی ان کے حسن میں چار چاند لگا رہی تھی۔

"ہیلو۔ شکیلہ نے مسکراتے ہوئے ان کا خیر مقدم کیا۔

"فون پر تمہاری ہی آواز تھی میں نے؟" خاتون درشت لہجے میں بولیں۔

"جی ہاں یہ گستاخی مجھ سے ہی ہوئی تھی؟"

"مجھے جانتی ہو میں کون ہوں؟"

"فی الحال تو آپ آتش فشاں کی بھتیجی معلوم ہو رہی ہیں۔ سلیقہ اپنائیے تشریف رکھیے۔" شکیلہ کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"میں ایک اہم سماجی کارکن بیگم شکور رانا ہوں۔ شہر کی آدھی درجن ویمن سوسائیٹیوں کی سربراہ ہوں۔ میرے تعلقات اس قدر وسیع ہیں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"آپ اہم بھی ہیں؟ کمال ہے۔ بہرحال اس وقت میری مہمان ہیں۔ اس لیے صبر و سکون سے تشریف رکھیے۔ کچھ پئیں گی آپ؟ شکیلہ نے خشک لیکن نرم لہجے میں کہا۔

"میں۔ میں خون پینا چاہتی ہوں تم لوگوں کا۔ تم نے۔ تم نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ تم نے مجھے ایک طویل عرصہ سے خوف و ہراس کا شکار کر رکھا ہے۔ بعض اوقات تو میں خودکشی پر غور کرنے لگتی ہوں۔"

"عمل کر ڈالیں تو بہتر ہے۔ غصہ کرنے سے کیا حاصل۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ تم لوگ تو یہی چاہتی ہو کہ۔۔ کہ میں مر جاؤں۔ کیا ملے گا تمہیں میری موت سے۔ سوچو۔ کیوں دشمن بنے ہو میری جان کے؟" بیگم شکور رانا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اور پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ اس طرح رو رو کر ہمارا خون پئیں گی۔ کیوں؟ محترمہ خود کو سنبھالیے۔ میں فون پر بھی آپ سے کہہ چکی ہو کہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بجائے اس کے کہ آپ قاعدے سے گفتگو کریں۔ اس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔ اب آپ خود بتایئے اس ماحول میں گفتگو کیسے ہو سکے گی۔"

"ہاں ہاں کہو۔ اب کیا چاہیے تمہیں۔ اب اور کیا چاہیے؟ جواب دو مجھے تم۔ اب تو تم نے ایک باقاعدہ ادارہ کھول لیا ہے بلیک میلنگ کا۔ بتاؤ کس طرح میری گردن کاٹو گی؟" بیگم شکور رانا نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے آخری بار عرض کر رہی ہوں کہ ذہن سے غلط فہمی نکال دیجیے۔ ہم لوگ آپ کو بالکل نہیں جانتے کہ آپ کون ہیں۔ نہ ہی ہمارا مقصد آپ سے کچھ حاصل کرنا ہے۔ کسی بھی قسم کی سودے بازی نہیں کرنا چاہتے ہم لوگ آپ سے جہاں تک اشتہار کا تعلق ہے تو وہ ایک صاف ستھرا اشتہار تھا' اور اس میں کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں تھی جو آپ کو اس قدر چراغ پا کر دے۔

براہ کرم خود کو سنبھالیے اور مجھے اپنے بارے میں تفصیلات بتایئے۔"

"تو تم خود کو بلیک میلر تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو؟"

"محترمہ ہم خود کو بلیک میلر کہنے والے کو جیل بھجوانے میں ذرا بھی تردد نہیں کریں گے۔ آپ چونکہ خاتون ہیں اور شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اس لیے آپ کے ساتھ اب تک نرم رویہ اختیار کیا جا رہا ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ایک باعزت ادارہ ہے' لوگوں کے مسائل حل کرنے کا ادارہ' آپ اگر چاہیں تو اپنی بہت بڑی شخصیت سے کام لے کر پولیس کو اس ادارے کے بارے میں بتا سکتی ہیں۔ آپ تو بہت اہم سماجی کارکن ہیں۔"

"طنز نہ کرو مجھ پر' میں جتنی پریشان ہو' تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پریشانیاں دور کرنے کا ہی ادارہ ہے۔ آپ اگر کسی مشکل میں گرفتار ہیں تو ہماری خدمات حاصل کریں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔"

"اخبار میں اشتہار تمہاری طرف سے ہی ہے نا؟"

"سو فیصدی۔"

"کیا مقصد ہے اس کا؟"

"وہی جو اس اشتہار میں درج ہے۔" "یعنی اس کے مالک کی تلاش۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"بکواس۔ فراڈ۔ جھوٹ بول رہی ہو تم۔ یہ انداز۔ یہ انداز ہمیشہ اس کی آمد کا رہا ہے۔ وہ اس طرح مجھے اپنی آمد کی اطلاع دیتا ہے اور پھر۔ اور پھر مجھ سے رقوم وصول کرتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"کیا میں اسے جانتی ہوں؟" بیگم شکور رانا پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

"ہوں۔ تو یہ کسی بلیک میلر کا نشان ہے؟ اور اس سے قبل بھی وہ اسی طرح اشتہار بازی کرتا رہا ہے؟"

"سو فیصدی۔"

"بیگم شکور رانا۔ صبر و سکون سے آپ میری بات سنیں۔ اخبار میں اشتہار ہم نے ہی چھپوایا ہے۔ لیکن اس کا مقصد قطعی طور پر یہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔ یہ ادارہ لوگوں کی خدمت کرتا ہے اور اس کا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ ایک صاحب نے اس سلسلے میں ہماری خدمات حاصل کی ہیں' ان کی خواہش ہے کہ یہ لاکٹ اس کے مالکان تک پہنچا دیا جائے اور ہم نے اس کی خواہش کی تکمیل کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے۔"

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ میں ثبوت کے طور پر آپ کو وہ فارم دکھا سکتی ہوں جو ادارے کے اصولوں کے مطابق ہر اس شخص کو پر کرنا ہوتا ہے جو ادارے سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔"

"دکھایئے۔" بیگم شکور رانا نے کہا۔ اور شکیلہ نے مضطرب صاحب کو آواز دے لی۔

چند لمحات کے بعد بیگم شکور رانا فارم دیکھ رہی تھیں۔

"تفضل حسین! وہ زیر لب بولی "یہ نام جعلی بھی ہو سکتا ہے۔"

"ان حالات میں سو فیصدی جعلی ہے۔ بشرطیکہ آپ سچ بول رہی ہوں۔"

"آپ مجھے اس شخص کا حلیہ بتا سکتی ہیں؟"

"جی نہیں۔ یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں درست ہے۔"

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میں بڑی پریشان ہوں۔ آپ یقین کریں میں۔۔۔۔میں۔۔۔۔" بیگم شکور رانا پھر رونے لگی۔

"آپ نے فارم میں دیکھ لیا ہوگا کہ ہم لوگ کوئی ایسا کیس نہیں لیتے جو کسی طور پر غیر قانونی ہو۔ یہ لاکٹ ہمارے پاس اس لیے لایا گیا ہے کہ کوئی ہمارے ذریعے کسی کو بلیک میل کرلے تو یہ سو فیصد۔ ایک غیر قانونی حرکت ہے اور ان حالات میں ہم اس شخص کی مدد کرنے کی بجائے آپ کی مدد کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اب آپ اپنے ذہن سے ہر قسم کا خوف نکال کر ہمیں

ان حالات کے بارے میں بتائیں۔"

"میں۔۔۔میں بلیک میل ہو رہی ہوں۔ مجھے طویل عرصے سے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ اس وقت سے جب سے میں نے شکور رانا سے شادی کی' میں ایک بے سہارا لڑکی تھی' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اور ایک اچھے خاندان سے میرا تعلق ہے تقریباً چار سال قبل میں ایک اور شہر میں رہتی تھی اور ایک بہت بڑی فرم میں پروڈکشن منیجر کے عہدے پر فائز تھی۔ شکور رانا اس فرم کے شیئر ہولڈر تھے۔ انہوں نے مجھ سے متاثر ہو کر مجھے شادی کی دعوت دی اور میں نے اسے قبول کرلیا۔ لیکن شادی کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد مجھے کچھ دھمکیاں ملیں اور میری ایک ایسی کمزوری کو میرے سامنے لایا گیا جو اگر شکور رانا کے سامنے آجاتی تو میرے اور شکور رانا کے تعلقات خراب ہو سکتے تھے۔ بلیک میلروں نے مجھ سے ایک لاکھ روپے طلب کیے۔ شکور رانا سے شادی کیے ہوئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم میرے لیے ناقابل حصول تھی لیکن مجھے اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ میں مجرمانہ طور پر یہ رقم حاصل کرنے پر تیار ہو گئی۔ ایک لاکھ روپے کی وصولیابی کے بعد مجھ سے پچاس ہزار روپے مانگے گئے اور تیسری بار ڈیڑھ لاکھ۔ میں اپنے مستقبل کی بقاء کے لیے شکور رانا سے کسی نہ کسی طرح یہ رقومات حاصل کرتی رہی۔ آخری بار مجھ سے ڈیڑھ لاکھ روپے طلب کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ یہ آخری رقم ہے۔ اس کے بعد مجھ سے کچھ نہ مانگا جائے گا۔ اور میں نے اس بات کو سچ سمجھ لیا۔ پھر میں شکور رانا کے ساتھ یورپ چلی گئی اور ایک سال تک وہاں رہی۔ شکور رانا باہر اپنا کاروبار پھیلا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ اسی وقت سے ملک سے باہر ہیں۔ سال کے سال آتے ہیں۔ میں نے اپنا شہر چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کرلی ہے۔ چار سال کے بعد مجھ پر یہ افتاد پھر آپڑی ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں۔ اب تو میری سماجی حیثیت بھی ہے۔ اگر۔۔۔اگر۔۔۔۔" وہ پھر سسکنے لگی۔

"ہاں۔ ہاں۔ براہ کرم خود کو قابو میں رکھیں۔ مجھے مزید تفصیلات درکار ہیں۔" شکیلہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ بیگم شکور رانا رومال سے آنسو خشک کرنے لگی۔ "آپ کا نام کیا ہے؟"

"عالیہ رانا۔"

"بیگم صاحبہ اس ہار کا کیا قصہ ہے؟"

"یہ اس کی آمد کی نشانی ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح یہ تصویر اخبار میں چھپواتا ہے اور پھر ٹیلی فون کرتا ہے اور اپنا مطالبہ دہراتا ہے۔ اس نے خود ہی بتایا ہے کہ یہ نیکلس اس کا نشان ہے۔"

"گویا جو رقومات آپ سے وصول کی گئیں ان کے درمیان وقفہ تھا؟"

"ہاں۔"

"اور جب آپ سے دوبارہ رقم کی فرمائش کی گئی تو پہلے یہ تصویر اخبارات میں چھپی؟"

"ہاں۔"

"وقفہ کتنا تھا؟"

"تقریباً چھ ماہ۔"

"رقم کس طرح وصول کی گئی؟"

"ہر بار مختلف انداز میں۔ ایک دفعہ میں یہ رقم لے کر بازار گئی وہاں میرے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا گیا۔ دوسری دفعہ میرے گھر کے پائیں باغ سے اور تیسری دفعہ ایک پارک میں۔"

"آپ نے رقم وصول کرنے والے کو دیکھا؟"

"نہیں بازار میں جس نے بریف کیس لیا وہ ایک گداگر تھا اور مجھے اس کے بارے میں فون پر اطلاع دے دی گئی تھی۔"

"فون پر آپ سے کئی بار رابطہ قائم کیا گیا۔ کیا ہر بار ایک ہی آواز تھی؟"

"نہیں۔ دو بار نسوانی آواز سنائی دی تھی اور ایک بار مردانہ۔"

"ہوں۔"

"آخری سوال کروں گی بیگم صاحبہ۔ بلیک میلنگ کی وجہ کیا تھی؟"

"بس میری لغزش۔ جو جرم نہیں ہے۔ لیکن لیکن۔"

"تفصیل بتانا پسند کریں گی؟"

"بس اتنا بتا سکتی ہوں کہ میرے کچھ خطوط اس کے پاس ہیں جو شکور رانا کو مجھ سے برگشتہ کر سکتے ہیں اور سوسائٹی میں میرا مقام کھو سکتے ہیں۔"

شکیلہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحات سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"شاید آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی طرف مطمئن ہو گئی ہوں گی بیگم صاحبہ ہم وہ نہیں ہیں جو آپ کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں اشتہار کی اشاعت کا کام ہمارے ذریعے ضرور کیا گیا ہے اور اس حد تک یہ کام غیر قانونی نہیں ہے۔ آپ اس کی رپورٹ پولیس میں کر سکتی ہیں۔ باقی مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اس سلسلے میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ ادارہ آپ کو اس بلیک میلر سے نجات دلا سکتا ہے۔ ہمارا کام یہی ہے۔"

"خدا کے لیے ایسا کر دو۔ خدا کے لیے میری مدد کرو۔ میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ ادا کروں گی۔ میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ میری مدد کرو۔"

"ہمارا معاوضہ پچیس ہزار روپے ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں تیس ہزار روپے دے سکتی ہوں۔ مجھے اس سے نجات دلا دو۔" بیگم رانا نے کہا۔

"صرف پچیس ہزار بیگم صاحبہ۔ وہ بھی کام ہونے کی شکل میں۔ رقم ہم پیشگی لے لیتے ہیں۔ لیکن اگر کام نہ ہو سکے تو وہ رقم واپس کر دی جاتی ہے۔"

بیگم رانا نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس کھولا اور اس میں سے پچیس ہزار روپے کے نوٹ نکال کر شکیلہ کے سامنے ڈال دیے۔ غالباً وہ بلیک میلر کے لیے یہ رقم لے کر چلی تھی۔

شکیلہ نے مضطرب صاحب کو بلا کر فارم پر کرایا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیگم شکور رانا وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد شکیلہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

سعدی اور ظفری ابھی دفتر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ باہر سے عجیب سی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی دھڑام سے نیچے گرا۔ ایک کراہ سنائی دی اور پھر ایک گھٹی گھٹی سی چیخ۔

دونوں بوکھلا کر باہر نکل آئے لیکن باہر کے منظر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئی تھیں۔ عمدہ تراش کے سوٹ میں ملبوس ایک شخص چاروں شانے چت پڑا تھا اور اس کے چند فٹ کے فاصلے پر مسٹر للوا ہاتھ میں پستول پکڑے اسے شکاری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے منہ میں چیونگم تھی اور چہرے پر سفاک تاثرات۔ مضطرب صاحب نے دروازہ کھول کر جھانکا۔ اور پھر غڑاپ سے گردن اندر کر لی۔ لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ مالکان بھی باہر موجود ہیں تو دوبارہ باہر جھانکنے لگے۔

"کیا ہو رہا ہے مسٹر ٹیٹو؟ یہ کیا حرکت ہے؟"

"کچھ نہیں باس ایک گیدڑ شیروں کی کچھار میں گھس آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ دیکھ لوں گا تم سب کو دیکھ لوں گا۔ میں بھی زندگی سے بیزار ہوں۔ گولی مار دو مجھے۔ گولی مار دو۔ مارو۔ مارو۔"

زمین پر پڑا ہوا شخص اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر جنون کے آثار نظر آ رہے تھے۔ دیکھنے میں وہ اچھا خاصا مہذب آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن صورت حال سب کی سمجھ سے باہر تھی۔ مسٹر للوا ہی کو اس سلسلے میں زحمت دی گئی۔

"یہ پستول کیسا ہے ٹیٹو؟ اور یہ سب کچھ کیا ہے؟ بتاتے کیوں نہیں؟"

"اوہ باس۔" ٹیٹو نے زبان حلق میں پھیراتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص پستول لے کر یہاں داخل ہوا تھا اور دھمکیاں دے رہا تھا کہ سب کو مار دے گا۔ ہلاک کر دے گا سب کو۔ تو باس میں تمہارا خادم یہاں اس لیے نہیں ہے کہ ایک جھینگا دھمکیاں دیتا ہوا دفتر میں گھسے اور پستول اس کے

ہاتھ میں ہو۔ کرٹیو کے ایک ہاتھ نے پستول اس کے ہاتھ سے نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا اور اس کے بعد میں نے اسے دھوبی پاٹ مار دیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" ٹیٹو نے دونوں شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیریٹو؟" مضطرب صاحب بڑبڑائے۔

"ہاں ائیر مارشل آرٹسٹ میں سے ہوتا ہے۔" ٹیٹو یا للوا نے جواب دیا۔

"بس بس فضول باتوں سے گریز کرو۔ کیوں مسٹر کیا اس کا کہنا درست ہے؟" سعدی نے زمین پر بیٹھے ہوئے خوش پوش آدمی سے پوچھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں ہیجان کے آثار تھے۔ دانت بھینچ کر اس نے سب کو دیکھا اور پھر پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"ہاں ہاں، دس بیس کو اور بلوا لو تنہا ہوں نا۔ مار ڈالو، ہلاک کر ڈالو مجھے، ختم کر دو مجھے، ذلیل کتو! تم لوگوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ فنا کر دوں گا تمہیں یا خود فنا ہو جاؤں گا۔ کہہ دیا ہے میں نے۔"

"شاعری کرنے آئے ہیں آپ، اگر شعر و شاعری کا موڈ ہے تو ہمارے مضطرب صاحب فی الوقت حاضر ہیں اور اگر کوئی کام کی بات کرنی ہے تو شریف آدمیوں کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ یہ بتائیں کہ پریشانی ہے آپ کو؟ اور کیا تکلیف پہنچی ہے ہم سے۔"

"تکلیف۔ صرف تکلیف کی بات کرتے ہو۔ ہلاک کر دیا ہے تم نے مجھے۔ زندہ درگور کر دیا ہے۔ خدا تمہیں غارت کرے۔" اس شخص نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

عقب میں شکیلہ بھی نکل آئی تھی۔ اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ظفری ان حضرت کو اندر لے آؤ۔ میں ان کے مرض سے واقف ہوں۔ ابھی ایک زندہ درگور خاتون یہاں سے تشریف لے گئی ہیں۔ لے آؤ۔ لے آؤ۔"

"ایں۔" سعدی اور ظفری کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"اٹھالاؤ۔ خود نہیں اٹھ پا رہے تو اٹھالاؤ۔ مسٹر ٹیٹو پستول منیجر صاحب کے پاس جمع کرا دو۔" شکیلہ

واپس مڑ گئی۔ سعدی اور ظفری چند لمحات تو حیران رہے۔ پھر انہوں نے زمین پر بیٹھے ہوئے شخص کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے سہارا دیتے ہوئے اندر لے آئے۔ شکیلہ کی ہدایت پر اسے آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا تھا۔

"پانی۔" شکیلہ نے کہا اور چند لمحوں کے بعد پانی آ گیا جسے نو وارد نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ پھر وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھنے لگا۔

"کتنی رقم وصول کی جا چکی ہے آپ سے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ملعونو، بدبختو۔ چھ لاکھ اسی ہزار روپے دے چکا ہوں۔ چوپٹ کر دیا ہے تم نے مجھے۔ سارا کام ختم ہو گیا ہے میرا۔ قرض سے خود کو سنبھالے ہوئے ہوں اور تم اور تم۔ اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔"

"پچیس ہزار روپے ہوں گے تمہارے پاس؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ لیکن اس بار یہ رعایت کیوں؟ اس کے بعد کیا مانگو گے۔"

"کچھ نہیں۔ صرف پچیس ہزار۔ شکیلہ پراسرار انداز میں بولی۔

خدا تمہیں غارت کرے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے ہمارا۔ لیکن کان کھول کر سن لو۔ اس کے بعد ایک پیسہ بھی میں نہیں دوں گا۔ کچھ بھی ہو جائے۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ خدا کی قسم میں خودکشی کر لوں گا۔"

"کیش پلیز۔" شکیلہ نے ظالمانہ انداز میں کہا۔ اس شخص سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی جبکہ سعدی اور ظفری کی کھوپڑیاں ہوا میں اڑی جا رہی تھیں۔ یہ سارا ہنگامہ ذرا بھی جوان کی سمجھ میں آیا ہو۔ وہ مظلومانہ انداز میں شکیلہ کو دیکھنے لگا۔ پھر نڈھال لہجے میں بولا۔

"میں اس وقت رقم نہیں لایا۔ لیکن اگر پچیس ہزار روپے ہی کی بات ہے تو میں یہ رقم تمہیں شام تک بھجوا دوں گا۔ اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ہم آپ پر اعتماد کرتے ہیں مسٹر۔ کیا نام لیا جائے آپ کا۔" شکیلہ نے

پوچھا۔ اور نو وارد کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔

"تم میرا نام نہیں جانتیں؟"

"جی نہیں۔ نام بتائیے۔"

"سلام۔" اس نے جواب دیا۔ اسی وقت مضطرب صاحب اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے لفظ سلام سنا تھا۔ چنانچہ بڑے خشوع و خضوع سے انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور نو وارد انہیں گھورنے لگا۔ پھر شکیلہ کی طرف رخ کر کے بولا۔ "میرا نام سلام احمد ہے۔"

"گڈ۔ آپ سلام احمد ہی کے نام سے مشہور ہیں؟"

"ہاں لوگ مجھے سیٹھ سلام کہتے ہیں۔" لیکن تم نے مجھے وہ نہیں رہنے دیا جو میں تھا۔ اب میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں قلاش ہو چکا ہوں سمجھے تم لوگ میں قلاش ہو چکا ہوں۔"

"بہت بہتر سیٹھ سلام۔" مضطرب صاحب براہ کرم فارم لے آئیے۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ فارم لیے اندر داخل ہو گئے۔ اور فارم سیٹھ سلام کے سامنے رکھ دیا گیا۔

"یہ کیا ہے؟ کوئی نئی چال ہے تمہاری؟" سیٹھ سلام پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے آپ کے لیے ایک گلاس پانی اور منگوایا جائے۔ اس کے بعد آپ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے۔

"فضول بکواس مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔ سیٹھ سلام بولا۔

"تو پھر یہ فارم ملاحظہ فرمائیے۔ اور پھر اس پر دستخط کر دیجیے۔"

"کوئی دستخط وستخط نہیں کروں گا۔ تم لوگ مجھے کسی نئے جال میں پھانس رہے ہو۔"

"پھانس نہیں رہے سیٹھ صاحب۔ آپ کو جال سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔ میں دستخط نہیں کروں گا۔"

"آپ کی مرضی ہے سیٹھ صاحب۔ قانون آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ آپ یقیناً

سانپ نما نکلس کا نشان دیکھ کر تشریف لائے۔"

"ہاں کیا کیا جائے۔ قانون آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ تم لوگوں کو ہر طرح کی آزادی ہے۔ جو دل چاہے کرو۔ برباد کر دو کسی کو۔ قتل کرو۔ جو دل چاہے کرو۔"

"آپ کو ذرا بھی یہ یقین دلانے کی کوشش نہیں کی جائے گی مسٹر سلام کہ اس اشتہار سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اشتہار ہمارے ایک کلائنٹ نے شائع کرایا ہے لیکن ہمارے لیے یہ بات نئی ہے کہ وہ اس کے ذریعے کسی کو بلیک میل کرنا چاہتے ہے۔ ہماری صورت حال دوسری ہے۔"

شکیلہ نے سیٹھ سلام کو بڑی مشکل سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات سمجھائیں اور بڑی ہی مشکل سے سیٹھ سلام نے اس بات پر یقین کیا۔ اور جب اسے یقین آیا تو وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔ سعدی اور ظفری خاموشی سے اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے حالانکہ ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ یہ سب کچھ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن شکیلہ کام کر رہی تھی وہ مطمئن تھے۔

بہرحال سیٹھ سلام کافی دیر بعد اعتدال پر آسکا۔ اس کی بھی کوئی لغزش بلیک میلر کے علم میں تھی۔ حالات ویسے ہی تھے جیسے بیگم رانا کے ساتھ پیش آئے تھے۔ بالآخر اس نے فارم پر دستخط کیے اور چلا گیا۔ رقم اس نے شام تک بھجوانے کا وعدہ کیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد سعدی اور ظفری نے مسکراتے ہوئے شکیلہ کی طرف دیکھا۔

"پیرومرشد' کچھ ارشاد ہو جائے۔" ظفری بولا۔

"تقدیر کے دروازے کھل گئے ہیں بچو۔ کھاؤ' پیو' عیش کرو۔ یہ لو پچیس ہزار روپے۔ شام تک پچیس ہزار روپے اور پہنچ جائیں گے۔ اور ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ کل کے اخبار میں اشتہار ریپیٹ ہونا چاہیے۔ شکیلہ نے دراز سے پچیس ہزار کے نوٹ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ معجزے ہو رہے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے پیرومرشد۔ اس دوران جو گفتگو ہوئی ہے اس سے تھوڑا بہت اندازہ تو ہم نے بھی لگایا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ پیرومرشد تفصیل سے اپنے ارشاد عالیہ سے نوازیں گے۔"

"جو کچھ تم سمجھ چکے ہو وہی ہے۔ حضرت تفضل حسین مبلغ پچیس ہزار روپے ادا کر کے ہمارے لیے خوشی کے دروازے کھول گئے ہیں۔ موصوف کسی طور بلیک میلر ہیں اور یہ اشتہار انہوں نے اپنے کلائنٹس کے لیے چھپوایا تھا۔ چار سال کے بعد کہیں سے تشریف لائے ہیں جن لوگوں کو انہوں نے بلیک میل کیا تھا۔ ان سے چار سال قبل انہوں نے رقومات وصول کی تھیں اور یہ سانپ نما لاکٹ یا لاکٹ نما سانپ درحقیقت ان کا نشان ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص فراڈ تھا۔"

"نہ نہ بھئی۔ اس کا نام احترام سے لو۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم ہمارے لیے بڑا منافع بخش ثابت ہوا ہے۔ اس کی تلاش کے لیے ہمیں ابھی تک پچاس ہزار روپے اور مل چکے ہیں۔"

"مگر پیرومرشد یہ معاملہ خاصا سنگین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے ہم اس بلیک میلر کو کیسے گرفتار کر سکیں گے۔ اس کے خلاف ثبوت کیسے بہم پہنچا سکیں گے۔ شکل وصورت سے تو وہ شخص عجیب سا لگتا تھا۔ مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا۔ کیا آپ یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں پیرومرشد کہ وہ بلیک میلر تھا۔"

"اس سلسلے میں کچھ اور کوائف میں نے نوٹ کیے ہیں۔" شکیلہ نے اپنے سامنے رکھا ہوا پیڈ آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔

"بھلا کیا؟" سعدی نے پوچھا۔

"چار سال قبل محترمہ بیگم شکور رانا اس شہر میں نہیں تھیں' کسی اور شہر میں تھیں وہ۔ وہاں ان سے تین بار رقومات وصول کی گئیں۔ آخری بار ان سے ڈیڑھ لاکھ روپے وصول کیے گئے تھے اور اس کے بعد انہیں آزادی نصیب ہو گئی تھی لیکن چار سال کے بعد یہ سنہرا سانپ انہیں دوبارہ نظر آیا

ہے۔ وہ بے تاب ہو کر میرے پاس دوڑی آئیں۔ انداز ان کا بھی یہی تھا' پستول وغیرہ تو ساتھ نہیں لائی تھیں' لیکن آنکھوں کے تیروں سے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ بشرطیکہ تم لوگ ہوتے۔ بہرطور نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس ہزار روپے ادا کر کے چلی گئیں اور میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ بلیک میلر کو پوری توجہ کے ساتھ تلاش کیا جائے گا اس کے بعد یہ موصوف تشریف لائے۔ اور ممکن ہے ابھی کچھ لوگ اور بھی آئیں۔ بہرصورت لوگ آتے جاتے رہیں' لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ تفضل حسین صاحب دراصل بلیک میلر ہیں اور اب بس یہ سوچنا ہے کہ انہوں نے ہماری معرفت یہ اشتہار کیوں دیا؟ پچیس ہزار روپے خرچ کرنے کے بجائے وہ خود بھی چند سو روپے خرچ کر کے اخبار میں اشتہار دے سکتے تھے۔ بس الجھن صرف یہی ہے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اس سلسلے میں کیوں استعمال کیا گیا؟"

"ہوں۔" سعدی اور ظفری گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر سعدی نے کہا۔

"پیرومرشد مجھے ایک کمی کا اس وقت شدید احساس ہو رہا ہے۔"

"وہ کیا؟" شکیلہ نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

"ہمارے اسٹاف میں کچھ اور لوگوں کو شامل ہونا چاہیے۔ کچھ ایسے پراسرار قسم کے لوگ جو ہمارے اشارے پر اس قسم کے لوگوں کا تعاقب کریں اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کے سامنے ڈیرے جمائیں ان کے پاس اپنا کنوینس ہونا چاہیے اور ہمارے اشارے پر یہ اس قسم کے کلائنٹس کا تعاقب کریں۔ یہ بات صرف اس وقت کی نہیں ہے بلکہ پہلے بھی ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ چکا ہے جن کے لیے بعد میں ہمیں احساس ہوا کہ ان کا تعاقب ضروری تھا!

"ہوں خیال تو درست ہے' لیکن ایسے لوگوں کا انتخاب آسان نہیں ہوگا اور پھر ظاہر ہے ہم انہیں ملازم ہی کر لیں گے اور ان کے اخراجات وغیرہ بھی اچھے خاصے ہوں گے۔"

"ویسے پیرومرشد! اگر اسی انداز میں ہمیں کیس ملتے رہے تو میرا خیال ہے ہم کافی بڑا

سٹاف رکھ سکیں گے۔ یہ سب کچھ تو ہماری توقع سے کہیں زیادہ ہے۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ بہرطور اس بارے میں سوچنے کی بجائے اب آپ حضرات یہ سوچئے کہ تفضل حسین کو کس طرح ٹریس آؤٹ کیا جائے۔ ان سے ملاقات ضروری ہے اور یہ معلوم کرنا بھی بے حد ضروری ہے کہ اس بار وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہوں۔ معاملات خاصے الجھے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے۔"

"بھلا وہ کیا؟" شکیلہ بولی۔

"تفضل حسین نے یہ اشتہار اپنے کلائنٹس کے لیے دیا ہے۔ ظاہر ہے اب وہ ان سے رابطہ بھی قائم کرے گا' اگر وہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرے تو یہ ہمیں اس بارے میں اطلاع دیں۔ کیا تم نے بیگم شکور رانا سے یہ بات نہیں کی۔"

"نہیں' یہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔" شکیلہ نے اعتراف کیا۔

"ظاہر ہے' ظاہر ہے' ہم لوگوں میں ابھی تھوڑی سی کمی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے بیگم شکور رانا اپنا ایڈریس تو ضرور دے گئی ہوں گی۔ جس طرح تم نے سیٹھ سلام سے ان کا ایڈریس اور فون نمبر لے لیا ہے۔"

"ہاں ہاں' بیگم شکور رانا کا فون نمبر اور ایڈریس میرے پاس موجود ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"بس تو تم ان ہر دو حضرات کو یہ اطلاع دے دو۔ اس کے بعد دوسری گفتگو ہو گی۔" سعدی نے کہا۔ اور شکیلہ گردن ہلا کر ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بیگم شکور رانا تو اس وقت نہ مل سکیں۔ سیٹھ سلام دفتر میں موجود تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ جونہی بلیک میلر نے ان سے رابطہ قائم کیا وہ ان لوگوں کو اطلاع دیں گے۔"

سعدی اور ظفری یہ گتھی سلجھانے میں مصروف تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد شکیلہ نے بیگم

رانا سے دوبارہ رابطہ قائم کیا تو وہ مل گئی۔ شکیلہ نے اس سے اپنا مقصد بیان کیا تو وہ بول پڑی۔

"آپ نے اپنا نام شکیلہ بتایا تھا نا؟"

"جی ہاں۔"

"شکیلہ صاحبہ آپ کے دفتر سے میرے گھر تک میرا تعاقب کیا گیا ہے۔ ایک ٹیکسی مسلسل میرے پیچھے لگی رہی۔ اس میں کون تھا یہ تو میں نہیں دیکھ سکی لیکن وہ میرے گھر تک آئی اور جب میری کار اندر داخل ہوگئی تو ٹیکسی سیدھی نکل گئی تھی۔"

"اوہ۔ گڈ۔" شکیلہ کے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "بہرحال بیگم رانا۔ آپ میری ہدایت پر عمل ضرور کریں۔"

"بہتر۔ میں اپنا مستقبل آپ کے ہاتھ میں دے چکی ہوں۔ بڑی آس ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ خدا کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔"

"آپ مطمئن رہیں بیگم صاحبہ۔ اب یہ معاملہ آپ کا نہیں' ہمارا ہے۔" شکیلہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سعدی صاحب اب کام کچھ بنتا نظر آ رہا ہے۔"

"ارشاد۔ ارشاد پیر و مرشد۔" سعدی بولا۔

"کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے بات۔ بیگم شکور رانا کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ذریعہ اشتہار دلوانے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ بلیک میلر اگر اپنے طور پر اشتہار دیتا تو ان لوگوں کے لیے ان سے رابطہ قائم کرنا مشکل ہوتا۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ بلیک میلر ان دنوں یا تو ملک میں نہیں تھا یا کسی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے ان شکاروں کی موجودہ سکونت سے ناواقف تھا۔ ممکن ہے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ وہ اسی شہر میں ہیں اور وہ ان کی رہائش گاہوں سے واقف ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لیے اس نے یہ کھیل کھیلا۔ ہماری معرفت اس نے اشتہار دلوایا۔ یہ لوگ بلبلاتے ہوئے ہم تک پہنچے اور جب یہاں سے واپس ہوئے تو اس نے ان کا تعاقب کر لیا۔ کیا یہ ممکن نہیں۔"

"سو فیصدی ممکن ہے۔" سعدی نے پرجوش انداز میں کہا۔

مسز رانا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ہمارے دفتر سے ان کے گھر تک ایک ٹیکسی ان کے تعاقب میں رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ اور اس ٹیکسی میں وہ بدبخت میرا چشمہ بھول آیا ہے۔ پورے ایک سو ساٹھ روپے کا خریدا تھا میں نے۔" مضطرب صاحب جو کافی دیر سے ایک ریک سے کاغذات نکال رہے تھے' بول پڑے سب چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ شکیلہ نے کہا۔

"یہ آپ کی جاسوسی غزل کا کوئی مصرعہ تھا مضطرب صاحب۔"

"جی نہیں۔ ایک حقیقت تھی۔ ٹیکسی میں حضرت للوا عرف ٹیٹو تھے' جو مسز رانا کے تعاقب میں گئے تھے۔"

"للوا میرا چشمہ ساتھ لے گئے تھے۔ تا کہ شکل بدل جائے لیکن اسے ٹیکسی ہی میں چھوڑ آئے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"مگر۔ مگر وہ ٹیکسی میں مسز رانا کے پیچھے کیوں گیا تھا؟"

"اس وقت مسٹر سلام کے پیچھے گیا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں پہنچا۔"

"مضطرب صاحب براہ کرم تفصیل۔" سعدی بولا۔

"منیجری پکی کر رہا ہوں ان دنوں۔ ایک جاسوسی ادارے کے منیجر کو بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ للوا کی موجودگی سے میری یہ مشکل حل ہو گئی ہے۔ اب میں ہر اس شخص کا تعاقب کرتا ہوں جو کسی طور ہم سے معاملات طے کر کے جاتا ہے۔ بیگم شکور رانا کا مکمل پتا میرے پاس درج ہے اور تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ سلام۔۔۔۔"

"اوہ مضطرب صاحب' مضطرب صاحب۔ زندہ باد۔ براہ کرم جلدی سے بتایئے یہ انتظام آپ نے کب سے کیا ہے؟ ظفری نے مضطرب صاحب کی بات درمیان سے کاٹ دی۔

"جب سے مجھے منیجری کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔"

"آپ نے تفضل حسین کا تعاقب بھی کرایا تھا؟" ظفری بولا۔

"جی ہاں۔ ۱۲۷ گوہر کالونی' چھپرا روڈ۔ ریس کا شوقین ہے۔ اور شاید ریس کورس میں گھوڑوں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا سعدی اور شکیلہ بھی خوشی سے اچھل پڑے تھے۔

"اتنی تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟"

"بس وہی احمق انسان' میرا مطلب ہے للوا۔ آدھا دن خرچ کر کے واپس آیا تھا۔ مجھے تو تشویش لاحق ہو گئی تھی لیکن وہ حضرت پہلی پہلی جاسوسی کرنے نکلے تھے اس لیے اس کا شجرہ نسب ہی معلوم کرنے پر تل گئے۔ ویسے اس شخص کا نام بھی تفضل حسین نہیں بلکہ رحمت خان ہے۔ آئندہ کے لیے میں نے ٹیٹو کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ صرف اتنا کام کرے جتنا اس سے کہا جائے۔"

"واہ مضطرب صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے پہلے اسے یہ ہدایت نہ کی۔ ویسے یہ شخص' میرا مطلب ہے للوا واقعی کام کا آدمی نکلا اس سے یہ امید نہیں تھی۔"

"کہہ رہا تھا کنوینس میں وقت ہوتی ہے اگر کنوینس مل جائے تو اسے اپنے کام میں آسانی ہو۔"

"اس نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس پر اسے انعام میں موٹر سائیکل بھی دی جا سکتی ہے مضطرب صاحب۔ بشرطیکہ اس کی معلومات صحیح ہوں۔"

"بالکل صحیح ہیں لیکن آپ یہ بھول گئے کہ وہ میری ڈائرکشن میں کام کر رہا ہے۔"

"آپ نے منیجر بن کر واقعی کام کیا ہے۔ مضطرب صاحب۔ بس ایک آخری کام اور کر دیں۔"

"ارشاد۔"

"عمدہ سی کافی کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ آپ کو تکلیف نہیں دی جا سکتی۔"

"ابھی پیش کرتا ہوں۔" مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی شکیلہ نے کہا۔ "سعدی بھیمو کا للوا۔ عرف ٹیٹو۔"

"واقعی زندہ باد۔" سعدی نے کہا۔

"۱۲۷ گوہر کالونی۔ درمیانہ درجے کے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں غالباً فلیٹ زیادہ ہیں۔ چند مکانات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ریس کورس سے بھی رحمت خان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" ظفری پرخیال انداز میں بولا۔

"یقیناً۔ لیکن اس طرح ہمارا پہلا خیال غلط ثابت ہو گیا۔ یعنی بلیک میلر نے اس لیے یہ اشتہار ہمارے ذریعے شائع نہیں کرایا۔"

"ہاں۔ لیکن اب اس پر زیادہ دماغ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تفضل حسین خود ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اب وہ براہ راست ہی سب کچھ بتا دیں گے۔"

"پھر اب پروگرام بتاؤ۔ کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟" شکیلہ بولی۔

"اشتہار کل دوبارہ دینا ہے۔"

"ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی اور آ پھنسے۔"

"تو پھر انتظار کر لو ایک دو روز اور۔ اس دوران اگر چاہو تو حضرت للوا کی ڈیوٹی وہاں لگا دو۔"

"مناسب نہیں ہوگا۔ رحمت خان ایک باقاعدہ بلیک میلر ہے تو اتنا احمق نہیں ہوگا۔ ممکن ہے اس نے اپنی دوہری شخصیت بنا رکھی ہو اور اس کی اصلیت یہ نہ ہو۔"

"ہاں۔ اس کے امکانات ہیں۔"

"خیر مضطرب صاحب کو کل کے اشتہار کے لیے ہدایت کر دو۔ مضطرب صاحب کافی لے کر واپس آ گئے تو انہیں اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی گئیں۔

دوسرے دن کے اخبار میں بھی اشتہار موجود تھا۔ آج اس اشتہار پر زیادہ توجہ دی گئی تھی۔ سب سے پہلا فون کسی بچی کا ملا۔ مضطرب صاحب نے فون وصول کیا تھا۔ "دیکھیے۔ ہماری امی صاحبہ کی بہن کی شادی سے واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں ان کا نکلس گر پڑا ہے۔ آپ ہمارا

نکلس واپس کر دیں۔"

"کہاں فون کیا ہے تم نے؟" مضطرب صاب نے پوچھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔"

"یہ حاجی الٰہی بخش کی دکان ہے۔" مضطرب صاحب نے فون بند کر دیا۔ اس وقت تک جب تک سعدی، شکیلہ اور ظفری دفتر آتے تقریباً دس افراد نکلس کے مالک ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ ان میں بھانت بھانت کے لوگ تھے۔

گیارہ بجے کے قریب ایک صاحب ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں داخل ہوئے۔ مخصوص طرز کے لباس میں تھے۔ شکل پر یتیمی برس رہی تھی۔ مضطرب صاحب نے انہیں ریسیو کیا۔ "جی فرمائیے۔"

"گے ہاپن رحیم بکس ہے بھابھا۔ گریب لگتا پڑا۔ گے ہاپن کا گھر والی ساس کا آنکھ ایک دم پھوپھڑ لگتا پڑا بھابھا۔ گے نکلس گرا دیو تھیو اور گھر آ کر بے ہوس تھیو گے ہا بھی تک بے ہوس لگتا پڑا۔ گے بھابھا ہاپن کا نکلس دے دیو تمہارا بھوت مہربانی بھابھا۔"

"اوہ تو وہ آپ کا نکلس ہے؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"گے تو کسی ہور کے باپ کا تھیو بھابھا۔ ہاپن کا ہی ہے۔"

"ہوں۔ یہ فارم بھر دو۔" مضطرب صاحب بولے۔

"گے ہاپن پڑھو لکھو نا تھیو بھابھا۔ انگوٹھا لگوا لو۔"

"ٹھیک ہے انگوٹھا لگا دو۔ مضطرب صاحب نے کہا اور فارم پر انگوٹھا لگوا لیا۔ "اب دو سو بیس روپے نکالو۔"

"ہے کیا بولتا پڑا ہے بھابھا؟"

"دو سو بیس روپے۔"

"گے ہاپن کے پاس یک سو بارہ روپیہ ہے بھابھا۔ یہ لے لو اور ہمارا نکلس دے دو۔"

رحیم بخش نے ایک سو بارہ روپے نکال کر سامنے رکھ دیے اور مضطرب صاحب نے وہ فوراً جیب میں ڈال لیے۔ پھر انہوں نے الماری سے نکلس نکال کر رحیم بخش کو دکھایا۔ "یہی ہے نا تمہارا نکلس۔"

"تو اور کون سا ہے بھابھا۔ ہاپن اسے بمبئی سے خریدا تھا۔ گے لاؤ نا بھابھا ہاپن کی گھر والی بے ہوس پڑیلا۔"

"ایک منٹ منٹ۔ ایک منٹ۔ میں ذرا پولیس کو فون کر دوں۔"

"گے پولیس کو کیوں پھون کرنا پڑا بھابھا؟"

"پولیس کو یہ لاکٹ لاش کے پاس پڑا ملا ہے۔ اور پولیس کی ہدایت ہے ہمیں اگر کوئی اسے اپنا کہے تو فوراً اس کی اطلاع دی جائے۔ وہی شخص قاتل ہے جو اس کا مالک ہے۔"

رحیم بخش صاحب بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ "گے کیا بولتا پڑا بھابھا گے کیا بولتا بھابھا۔ ابی ٹھیرو۔ گے پھون مت کرو بھابھا۔ گے رک جاؤ تھیو ہاپن کا گھر والی سالا پھراڈ کیا۔ گے یہ ہاپن کا نکلس نہیں ہے بھابھا۔"

لیکن مضطرب صاحب نے ریسیور کانوں سے لگا لیا تھا۔ "ہیلو پولیس اسٹیشن۔ جی ہاں قاتل پکڑا گیا ہے۔ جلدی آئیے۔ جی ہاں جلدی۔"

"گے بھابھا ہاپن کا پیسہ دے دو۔ گے ہاپن۔" رحیم بخش دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"جلدی آئیے وہ بھاگ رہا ہے۔ مضطرب صاب چلائے اور رحیم بخش نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور پھر اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

مضطرب صاحب نے اطمینان سے ریسیور رکھ دیا۔ جیب سے ایک سو بارہ روپے نکالے اور پھر مسکرا کر انہیں دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ اسی وقت ایک خوبصورت سی لڑکی اندر داخل ہو گئی۔

"تشریف لائیے۔ تشریف لائیے۔ فرمائیے کیا خدمت کی جائے آپ کی؟" مضطرب

صاحب بولے۔ لیکن لڑکی کا چہرہ دیکھ کر چونک پڑے۔ اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے روتی رہی ہو۔ "کیا بات ہے خیریت؟" مضطرب صاحب نے کہا۔ لڑکی نوعمر تھی چہرے سے معصومیت ٹپکتی تھی۔

"تم لوگ۔ تم لوگ درندے ہو۔ وحشی ہو۔ آہ کتنے کمینے ہو تم۔" وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"سبحان اللہ' سبحان اللہ۔ تمہارے اندر تو شاعری کے جراثیم معلوم ہوتے ہیں بیٹی۔ شعر کہہ رہی ہو یا نثر میں بول رہی ہو؟" مضطرب صاحب دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"مذاق اڑا رہے ہو میرا۔ تم نہیں جانتے کہ میں۔ میں کن حالات میں گزارا کر رہی ہوں۔ کیا ہو گیا ہے ہم لوگوں کے ساتھ' تمہیں کیا معلوم۔ تم تو بس انسانوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہو۔ خدا غارت کرے تمہیں۔ بلیک میلر کہیں کے۔"

"آہم۔" مضطرب صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ "تو تم مجھ سے کسی بلیک میلر کے دھوکے میں بات کر رہی ہو؟"

"دھوکا؟ کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے؟"

"ہے تو وہی' مگر بی بی جو کچھ تم کہہ رہی ہو اس کا ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا اخبار میں اشتہار تمہاری طرف سے نہیں ہے؟"

"ہے' سو فیصدی ہے' مگر اس میں یہ درج نہیں ہے کہ تم اس طرح ہمارے دفتر میں آ کر ہمیں گالیاں دو۔ یہ بات قطعی غلط ہے۔"

"ڈیڈی اتنے سخت بیمار ہیں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ اگر وہ مر گئے تو میرا کیا ہوگا؟ ڈیڈی کے سوا میرا اس دنیا میں کون ہے۔ تم کیوں ان کی زندگی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"ہوں ہوں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ کیا کیس ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور پھر وہ لڑکی کو ساتھ لیے ہوئے سعدی' ظفری اور شکیلہ کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ بی بی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ سن لیجئے۔" مضطرب صاحب نے کہا اور واپس پلٹ گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے متحیرانہ نگاہوں سے لڑکی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں نے انہیں متاثر کر دیا تھا۔ سعدی نے نرمی سے کہا۔

"بیٹھو' کیا بات ہے بی بی؟"

"تم بھی۔ تم بھی اسی ادارے سے متعلق ہو؟" لڑکی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ تم بیٹھو ہمارا تعلق اسی ادارے سے ہے۔ کوئی کام ہے تمہیں ہمارے ادارے سے؟"

"تو۔ تو تم بھی بلیک میلر ہو۔ کیوں؟" لڑکی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ بیٹھ جاؤ بی بی' بیٹھ جاؤ۔" شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔ تم لوگ' سب کے سب لوگ وحشی ہو۔ وحشیوں کا ٹولہ ہے یہ۔ تم ہی میرے ڈیڈی کو بلیک میل کر رہی ہو نا' کیوں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ ضد نہیں کیا کرتے۔ بیٹھ جاؤ۔" شکیلہ کسی قدر تحکمانہ لہجے میں بولی۔ لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"میرے ڈیڈی بیمار ہیں۔ اگر وہ مر گئے تو سوچ لینا' یا تو میں اپنی جان دے دوں گی یا تم لوگوں کو قتل کر دوں گی۔"

"کیوں بیمار ہیں تمہارے ڈیڈی؟"

"تمہارے اسی اشتہار کی وجہ سے' جب سے انہوں نے وہ اشتہار پڑھا ہے' ان پر دورے پڑ رہے ہیں۔ ان کا دل پہلے کافی کمزور ہے۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ انہیں اپنے دل کا علاج کرانا چاہیے۔ لیکن وہ سنتے ہیں کسی کی۔ اور اب جب سے انہوں نے یہ اشتہار پڑھا ہے ان کی حالت مزید خراب ہو گئی ہے۔"

"ہوں تم نے معلوم کیا تھا بی بی کہ ان کی حالت کیوں خراب ہو گئی ہے؟"

"ہاں، وہ مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھے لیکن میں بھی بہت ضدی ہوں۔ میں نے اوپری منزل کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر ان سے پوچھا۔ بتایئے کیا بات ہے ورنہ میں نیچے چھلانگ لگا دوں گی۔ ڈیڈی جانتے ہیں کہ میں اتنی ہی ضدی ہوں۔ اگر وہ مجھے اس وقت بھی کچھ نہ بتاتے تو خدا کی قسم میں کھڑکی سے کود پڑتی۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"صبا۔"

"اور تمہارے ڈیڈی کا کیا نام ہے؟"

"عابد علی۔"

"کیا کرتے ہیں وہ؟"

"پہلے ہماری کپڑے کی بہت بڑی دکان تھی۔ اب چھوٹی سی دکان ہے۔ ہمارے مالی حالات بہت خراب ہیں۔ بہت قرض ہے ہم پر۔ ڈیڈی پہلے ہی بہت پریشان تھے اور اب۔ اب تم ان کی جان ہی لینے پر تلے ہوئے ہو۔"

"پتا کیا ہے تمہارا؟"

"نہیں بتاؤں گی، کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ تم بتاؤ تمہیں کتنے پیسے چاہئیں؟ میرے پاس دس ہزار روپے ہیں صرف۔ یہ میں نے ڈیڈی سے چھپا کر جمع کیے تھے اپنے اکاؤنٹ میں۔ اب صرف دس روپے چھوڑ کر یہ سب لے آئی ہوں۔ خدا کے لیے یہ لے لو اور اب یہ اشتہار اخبار میں مت چھپوانا۔ ورنہ۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔ بے بی۔ تم سے وعدہ کہ اب یہ اشتہار اخبار میں نہیں چھپے گا لیکن اس کی ایک شرط ہو گی۔" سعدی نے کہا۔

"کیا شرط ہے؟" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤ گی۔" سعدی بولا۔ اور لڑکی کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر

بولی۔

"تم لوگ ڈیڈی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤ گے؟"

"اگر انہیں ہمارے ذریعے کوئی نقصان پہنچے تو تم ہمیں گولی مار دینا۔"

"تمہارا رویہ بہت اچھا ہے۔ پھر نہ جانے تم بلیک میلنگ کیوں کرتے ہو۔ یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔ بہر حال یہ دس ہزار روپے قبول کر لو۔"

"نہیں بے بی۔ یہ واپس اپنے اکاؤنٹ میں ڈال دو۔ اب ہم تمہارے ڈیڈی کو بلیک میل نہیں کریں گے۔"

"کیا میں اس بات پر یقین کر لوں۔"

"ہاں صبا۔ تمہیں یقین کر لینا چاہیے۔" سعدی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اور لڑکی ایک بار پھر آنکھیں خشک کرنے لگی۔

"رحیم بخش ہارڈ ویر اسٹورز۔ چوڑی بازار۔ نہایت ہی بے ایمان اور جھگڑالو آدمی ہے۔ پڑوس کے تمام لوگ اس سے بیزار ہیں۔ ایک بیوی اور چودہ بچے ہیں جن میں آٹھ لڑکیاں اور چھ لڑکے ہیں۔ تمام لڑکیاں لڑکوں سے بڑی ہیں۔" ٹیٹو نے مضطرب صاحب کو رپورٹ پیش کر دی اور مضطرب صاحب منہ پھاڑ کر رہ گئے۔

"تم اس کے پیچھے لگ گئے تھے؟"

"حسب ہدایت جناب!" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"اوہ بھائی اشارے کا انتظار کیا کر۔ اب چائے والا آئے گا تو اس کا حسب نسب معلوم کرنے چل پڑے گا۔ صفائی کرنے والا آئے گا تو۔۔۔"

"اشارہ کیا ہو گا جناب؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"وہ بعد میں طے کریں گے۔"

"بہتر۔ انیس روپے ساٹھ پیسے عنایت فرما دیں۔"

"ایں۔ وہ کس سلسلے میں؟"

"نو روپے ساٹھ پیسے بنے تھے رکشے کے۔ دس روپے دیے کھلا نہیں تھا اس لیے رکشہ والے نے چالیس پیسے واپس نہیں دیے۔ واپسی میں صرف نو روپے بنے۔ ساٹھ پیسے کی چائے۔ کل میزان انیس روپے ساٹھ پیسے۔"

"چائے بھی پی ڈالی؟" مضطرب صاحب نے کہا۔

"چوڑی بازار میں ہوٹل والے سے ہی معلومات حاصل ہو سکی تھیں اس لیے یہ پیسے بھی حساب میں۔"

"اچھا۔ اچھا۔ یہ لو بیس روپے۔"

"کھلا نہیں ہے جناب۔ چالیس پیسے قرض۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جاؤ۔ اور وہاں اشارے کے بغیر اب کسی کے پیچھے مت جانا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ٹیٹو واپس چلا گیا۔

تمام لوگ مصروف ہو گئے تھے۔ شکیلہ صبا کے ساتھ چلی گئی تھی ظفری ریس کورس روانہ ہو گیا تھا۔ سعدی البتہ دفتر ہی میں موجود تھا' لیکن وہ بھی مصروف تھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ دوپہر کے بعد سے کسی قدر امن رہا تھا۔ ورنہ دوپہر تک ٹیلی فون ہی آتے رہے تھے۔ سعدی نے مضطرب صاحب کو منع کر دیا تھا کہ کل کے اخبار میں اشتہار نہ دیا جائے۔ بہر طور تقریباً تین بجے شکیلہ واپس آئی۔

چہرے سے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا لیکن آنکھوں میں چمک تھی اور آنکھوں کی چمک بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ سعدی نے مسکراتے ہوئے شکیلہ کو دیکھا اور شکیلہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا رہا؟" اس نے پوچھا۔

"بس بلیک میلنگ کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم ہو گئیں۔"

ویسے عابد علی واقعی مظلوم آدمی ہے۔ ممکن ہے کچھ ایسے واقعات ہوئے ہوں جو مجرمانہ ہوں اور اسے انہی کی وجہ سے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ لیکن اب اس شخص کی حالت قابل رحم ہے۔ بہت اچھا وقت گزار چکا ہے لیکن آجکل کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ بس ساکھ سے چل رہا ہے۔ لاکھوں روپے کا کاروبار اب ہزاروں میں رہ گیا ہے اور وہ شدت سے محرومیوں کا شکار ہے۔ یہ ایک ہی بیٹی ہے اس کی جسے بہت اچھی طرح رکھتا ہے۔ رہائش گاہ عمدہ ہے کیوں کہ اچھے وقتوں کی یادگار ہے' ویسے کوآپریٹو آدمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی ہم سے تعاون کرے گا۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"تم کس حیثیت سے اس سے ملیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے کی حیثیت سے۔ میں نے اسے تمام تفصیلات بتا دیں اور اس نے مجھ پر یقین کر لیا۔ اس نے مجھے یہ تو نہیں بتایا کہ اسے کس لیے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ لیکن صورت حال وہی ہے سعدی۔ یعنی چار سال قبل اس نے بھی اچھی خاصی ادائیگیاں کی ہیں اس بلیک میلر کو' اور اس کے بعد اس نے یہ سمجھا تھا کہ جان چھوٹ گئی' یہی معاملہ یہاں بھی ہے' یعنی یہ کہ وہ کسی اور شہر سے یہاں منتقل ہوا ہے اور اس طرح اسے تلاش کیا گیا ہے؟"

"ہوں' ٹھیک ہے شکیلہ' اب معاملہ ظفری پر رہ گیا ہے۔"

"ظفری واپس نہیں آئے ابھی تک؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ تفضل حسین صاحب کو تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔" ابھی یہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور سعدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف ظفری ہی تھا۔

"ہیلو ظفری بول رہا ہوں۔"

"ہوں بولو بولو بھائی' کیا رہا' کیا کر چکے ہو؟"

"جناب تفضل حسین یا رحمت خان آپ حضرات کے منتظر ہیں۔ میں انہیں زیرو

پوائنٹ پر لے آیا ہوں۔"

"اوہ کس طرح؟ کیا اغوا کر کے؟" سعدی نے پوچھا۔

"نہیں بھائی بڑی ذلیل چیز ہے۔ دھمکیاں دے کر لایا ہوں۔ گردن سے پکڑ لیا تھا میں نے اسے ورنہ وہ شاید یہاں نہ آتا۔ اب یہ فیصلہ تم لوگ خود آ کر کرو کہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ؟"

"ٹھیک ہے ہم دونوں پہنچ رہے ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شکیلہ اس گفتگو سے ہی سمجھ گئی تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ زیرو پوائنٹ وہ عمارت تھی جو بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے اس کے حوالے کی تھی' اور انہوں نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے درحقیقت اس ادارے کو ایک نیا رنگ بخش دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں زیرو پوائنٹ کی طرف جا رہے تھے۔

رحمت خان بڑے اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "گویا ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کورم پورا ہو گیا ہے۔ اب جلدی میری گلوخلاصی ہونی چاہیے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" سعدی نے پوچھا۔

"تفضل حسین' رحمت خان' محفوظ بخش یا اور کچھ ناموں سے کیا فرق پڑتا ہے جناب۔"

"بلیک میلنگ کے سلسلے میں تمہیں لمبی سزا بھی ہو سکتی ہے؟"

"نہیں ہو گی بابو صاحب۔ اس لیے کہ میں بلیک میلر نہیں ہوں۔ اور آپ لوگ شریف آدمی ہیں خواہ مخواہ کسی بے گناہ کو پھانسنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا بکواس ہے۔" سعدی غرایا۔

"بڑے بھائی سے میری تفصیلی بات ہو چکی ہے زیادہ قصور وار نہیں ہوں کسی چیز کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو پھر انسان بے قصور ہوتا ہے۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بڑے بھائی کا کہنا ہے۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کہ میں بلیک میلر نہ سہی اس کا ساتھی ضرور ہوں۔ ایسی بات بھی نہیں ہے صاحب۔ میں ٹرینر ہوں۔ گھوڑوں کو تربیت دیتا ہوں اور ریس کورس کی دنیا بڑی عجیب ہوتی ہے۔ یہاں آنے والوں میں اور کوئی دوستی اور یگانگت ہو نہ ہو ایک قدر مشترک ہے۔ ایک چیز سے یہاں قدم رکھنے والے شدید نفرت کرتے ہیں اور وہ ہے سچائی۔ یہاں داخل ہو کر کوئی سچ نہیں بولتا اور ہم یہاں سچ کو تلاش بھی نہیں کرتے اس جگہ۔ جہاں سچائی نہ ہو وہاں اس کائنات کی تمام برائیاں جمع ہو جاتی ہیں اب یہ برائیاں مختلف شکلوں میں پھیلتی رہتی ہیں۔ کوئی کیا کرے۔"

"فلاسفر بننے کی کوشش مت کرو۔ وہ بلیک میلر کون ہے اس کا جواب دو۔" سعدی نے کہا اور رحمت خان ہنس پڑا۔

"سچی بات کہوں صاحب۔ وہ لاکٹ واقعی منحوس ہے۔ اب وہ آپ کو پریشان کر رہا ہے۔"

"رحمت خان ہمارا تعلق پولیس سے بھی ہے۔ تم واقعی مصیبت میں پھنس جاؤ گے ورنہ ہمیں صحیح بات بتا دو۔"

"یقین کر لو گے صاحب صحیح بات پر۔ تو سنو میں نہیں جانتا کہ وہ بیگم صاحبہ کون ہیں' عمر تیس بتیس سے زیادہ نہ ہو گی۔ قد لمبا اور بدن بھرا بھرا ہے۔ کافی خوبصورت اور پروقار ہیں۔ ریس کی شوقین ہیں اور گھوڑوں پر گہری نگاہ رکھتی ہیں۔ کئی مرتبہ انہوں نے مجھے ٹپ دی اور میں جیتا۔ اس طرح میری ان سے شناسائی ہو گئی۔ یہ شناسائی اس طرح تھی جیسی ایک بڑے آدمی اور چھوٹے آدمی میں ہوتی ہے۔ اکثر میں ان کے دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیتا تھا۔ ایک دن ریس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے یہ کام میرے سپرد کیا اور میں نے دوسرے کاموں کی طرح یہ بھی کر دیا۔" رحمت خان نے جواب دیا۔

"اتنے ہی شریف ہو کہ تم نے اس کام کی نوعیت بھی نہ معلوم کی۔"

"ہاں صاحب اتنا ہی شریف ہوں۔ آپ مجھ سے دوستی کر کے دیکھ لیں۔"

"کیا نام تھا ان کا؟"

"بیگم صاحبہ۔"

"کیا مطلب؟"

"میں یہی کہتا تھا انہیں۔ نہ میں نے ان سے نام پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔"

"کار میں آتی تھیں؟"

"یقیناً کار میں آتی ہوں گی۔"

"کیا نمبر تھا ان کی کار کا؟"

"کبھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"گویا تم کچھ نہیں بتاؤ گے اس کے بارے میں؟"

"جتنا جانتا تھا بتا دیا صاحب۔ اس سے زیادہ کچھ جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔" رحمت خان بولا۔ سعدی جانتا تھا کہ واقعی اس سے زیادہ اس شخص سے معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اس آدمی کا ٹائپ یہی بتاتا تھا۔ وہ نہایت لاپرواقسم کا آدمی تھا۔ ان حالات کی بھی اسے کوئی فکر نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"کم از کم اتنا بتا دو رحمت خان کہ اب بھی وہ ریس کورس آتی ہیں یا نہیں؟"

"آتی ہیں صاحب۔ نہ آتی ہوتیں تو یہ کام کیسے ہوتا میرا۔ ظاہر ہے انہوں نے یہ بات مجھ سے ریس کورس میں کہی تھی۔"

"ریس کب ہے رحمت خان؟"

"کل ہے صاحب۔" رحمت خان بولا۔ اور سعدی کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دیکھو رحمت خان تم نے اس عورت کا کام صرف ایک دوستانہ جذبے کے تحت کیا تھا۔ لیکن اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کام کی نوعیت سو فیصدی غیر قانونی ہے۔ یہ بلیک میلنگ کی ایک

چھوٹی سی کوشش تھی جس کی وجہ سے چند انسانی زندگیاں ضائع ہو گئیں۔ تو کیا تم انصاف کو بھول کر صرف دوستی نبھاؤ گے؟"

"دیکھو صاحب' اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بڑے جذباتی طور پر آپ سے کہیں کہ نہیں صاحب انصاف زندہ باد' قانون زندہ باد اور قانون کی مدد کرنا تو ہر شریف شہری کا فرض ہے تو پھر آپ یہ سمجھ لو کہ ہم شریف شہری نہیں ہیں۔ جہاں تک معاملہ ہماری دوستی کا ہے تو ہم نے دوستی نبھائی ہے اور اگر اس کی وجہ سے کوئی ایسی ویسی گڑبڑ ہو گئی ہے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اگر قانون ہمیں اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے تو سزا بھگت لیں گے۔ لیکن ہم سے یہ بات مت کہلواؤ کہ ہم کوئی بہت اچھے آدمی ہیں اس کے بعد جو چاہتے ہو وہ بتاؤ۔" رحمت خان نے جواب دیا اور سعدی اس کی شکل دیکھنے لگا پھر بولا۔

"رحمت خان پولیس تمہیں اس بلیک میلر کی معاونت کے الزام میں گرفتار کر کے بند بھی کر سکتی ہے' نادانستہ ہی سہی' تم بہرصورت اس کے آلۂ کار بنے ہو۔"

"ٹھیک ہے صاحب' ہم تو کہہ چکے ہیں کہ ہم سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔"

"مگر میں تمہیں ایک دوسرا مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ کل جب وہ ریس کورس میں آئے تو تم ہمیں اس سے روشناس کرا دو۔"

"ہوں۔" رحمت خان کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے صاحب اس بیگم صاحب نے بھی ہمیں صورت حال نہیں بتائی تھی اور ہم سے اپنا کام لے لیا تھا۔ آپ بھی ہم سے کہہ رہے ہو ہم آپ کا بھی کام کرا دیں گے۔ ہم بتا دیں گے بیگم صاحبہ کو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس انہوں نے ہمیں بھیجا تھا۔ اب وہ اگر ہم سے یہ کہتیں کہ ہم آپ کو ان کے بارے میں نہ بتائیں تو شاید نہ بتاتے۔ لیکن یہ ہم کوئی بہت بڑا ثواب کا کام نہیں کر رہے ہیں صاحب' یہ ہم پہلے کہہ دیتے ہیں۔ نہ ہمیں اس سے کچھ لالچ تھا نہ آپ سے کچھ لالچ ہے' نہ ہم نے اس سے کچھ لیا ہے نہ آپ سے کچھ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے رحمت خان' مگر کل تک تمہیں ہمارا یہیں مہمان رہنا پڑے گا۔" سعدی نے

جواب دیا۔

"مہمان رہنا پڑے گا کہ قیدی؟" رحمت خان نے پوچھا۔

"نہیں اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہو تو پھر خود کو مہمان ہی سمجھو دراصل ہم نہیں چاہتے کہ اس بیگم صاحبہ کو یہ شبہ ہو سکے کہ ہم اس کے پیچھے ریس کورس آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے صاحب' ہم زیادہ بحث نہیں کرتے نہ ہی ہم جھگڑے میں پڑنے والے لوگوں میں سے ہیں' حالانکہ باہر ہمارے بہت سے کام ہیں' گھوڑوں کو بھی دیکھنا ہے لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہو تو پھر ہم رہ جاتے ہیں۔" رحمت خان نے جواب دیا۔

عجیب و غریب انسان تھا' اپنی ذات سے سارے ماحول سے لاپرواقسم کا' پتا نہیں فراڈ کر رہا تھا یہ درحقیقت اتنا ہی سادہ فطرت تھا بہرطور سعدی' ظفری اور شکیلہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رحمت خان کو زیرو پوائنٹ پر ہی قید رکھا جائے اور اس کے لیے انہوں نے مضطرب صاحب اور للوا کی ڈیوٹی لگادی' ظفری نے خود بھی یہاں رہنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ اس کے بعد سعدی اور شکیلہ واپس چلے آئے۔ دفتر آ کر مضطرب صاحب اور للوا کو بھی صورت حال بتا دی گئی اور ان دونوں کو پوائنٹ بھیج دیا گیا۔

دوسرا دن ریس کورس میں گزارا۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ویسے بھی انہیں احساس تھا کہ یہ طریق کار ٹھوس نہیں ہے۔ اگر رحمت خان نے انہیں بتا بھی دیا کہ وہ عورت ہے تو وہ کیا کریں گے۔ ظاہر ہے اس کی پیشانی پر تو نہیں لکھا کہ وہ بلیک میلر ہے۔ وہ رحمت خان ہی کو پہچاننے سے انکار کر دیتی۔

رحمت خان کو ریس کورس میں چھوڑ کر وہ واپس آ گئے۔ تینوں الجھے ہوئے تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ دفتر پہنچ کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ لیکن کوئی حل نہ مل سکا۔

دوسرے دن صبا نے ٹیلی فون کیا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ "ہیلو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟"

"جی فرمایئے۔" سعدی نے فون ریسیو کیا تھا۔

"میں صبا بول رہی ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیا بات ہے صبا؟ میں سعدی ہوں۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے اس بلیک میلر کا فون ملا ہے۔ کوئی عورت بول رہی تھی۔ اس نے ہم سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر یہ رقم ایک ہفتے کے اندر اندر نہیں ادا کی گئی تو۔ ڈیڈی کہیں کے نہ رہیں گے۔ میں بہت پریشان ہوں سعدی صاحب۔ اگر ڈیڈی اس فون کو سن لیتے تو۔۔۔۔ تو شاید ان کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔"

"اس نے تم سے کس حیثیت سے بات کی تھی صبا۔"

"میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں ان حالات کے بارے میں جانتی ہوں۔"

سعدی کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"صبا میں تمہارے ڈیڈی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔"

"آپ۔ آپ یہاں آ سکتے ہیں سعدی صاحب۔"

"میں آ رہا ہوں صبا۔" سعدی سنجیدگی سے بولا۔ اور پھر رسمی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

صبا نے اپنے مکان کے برآمدے میں سعدی کا استقبال کیا تھا۔ خوبصورت مکان کے معمولی فرنیچر اور سادہ سے آرائشی سامان سے صبا کی باتوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ بہرحال وہ صبا کے ساتھ عابد علی سے ملا لیکن اس کے بعد اس نے صبا کو وہاں سے ہٹا دیا۔ بمشکل تمام وہ عابد علی کو اپنے ڈھب پر لا سکا اور پھر اس سے حقیقت حال معلوم کر کے سعدی کا ذہن کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔

"اب سوال میرا نہیں ہے سعدی میاں۔ صبا کا مستقبل میرے سامنے ہے۔ کہیں میں اپنی معصوم بیٹی کی تباہی کا باعث نہ بن جاؤں' آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔۔"

"میں۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ لیکن ایک بات کا خواستگار ہوں آپ سے۔"

"کیا؟"

"جس طرح میں کہوں کریں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اس جال سے نکال لوں گا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" عابد علی نے کہا۔

سعدی دفتر پہنچا تو شکیلہ اور ظفری اس کے لیے وہی اطلاعات لیے بیٹھے تھے۔ بلیک میلر نے اپنے باقی دو شکاروں سے بھی مطالبے کر ڈالے تھے۔

"میں نے ایک تدبیر سوچی ہے شکیلہ۔ اگر یہ دونوں بھی میرے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے تو سمجھو کام بن گیا۔ ظفری تم فوراً جواد سے ملو۔ اور اسے ایک کام پر آمادہ کر لو۔ اس کے لیے اسے دو چار ہزار روپے کی پیشکش بھی کر دینا۔"

"جواد وہ اخباری رپورٹر تھا جس سے ان کی دوستی تھی اور جو ابتداء میں ان کے اشتہار ادھار چھاپتا رہا تھا۔ اب وہ اس اخبار کا چیف رپورٹر بن گیا تھا۔

"کیا کام ہے؟" ظفری نے پوچھا اور سعدی اسے کام کی تفصیل بتانے لگا۔

شکیلہ اور ظفری اچھل پڑے تھے۔ پھر شکیلہ آہستہ سے بولی۔ "کاش یہ سب کچھ اسی طرح ہو جس طرح ہم چاہ رہے ہیں۔" شکیلہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بلاشبہ اس سے عمدہ ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"بشرطیکہ وہ دونوں بھی تعاون کریں۔"

"تم اگر کہو تو میں بیگم شکور رانا اور سیٹھ سلام کو فون کر کے ان سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کروں؟"

"ہاں ٹھیک ہے کر لو۔ پہلے بیگم شکور رانا سے ملوں گا۔ اور اس کے بعد سیٹھ سلام سے۔"

سعدی نے جواب دیا اور شکیلہ، بیگم شکور رانا کا فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔ بیگم شکور رانا اور سیٹھ سلام دونوں ہی نے سعدی کو ملاقات کا ٹائم دے دیا تھا۔

ملک کے کثیر الاشاعت اخبار کا درمیانی صفحہ سماجی، معاشرتی اور شہری سرگرمیوں کا صفحہ تھا۔ ہفتے میں دو دن اس کے نمبر نکلتے تھے اور ان نمبروں میں اہم خبروں کے علاوہ تفریحی مضمون اور دوسری دل چسپ تحریریں بھی شامل اشاعت ہوتی تھیں۔ پتا نہیں یہ کسی کتاب کا اشتہار تھا یا پھر اخبار ہی کی طرف سے عوام کے لیے ایک دل چسپ مضمون۔ عنوان تھا "غیر ادیبوں کا ادب۔"

بڑے بڑے ادیب افسانہ نگار، کہانی کار اخبارات و رسائل میں ہر موضوع پر کہانیاں لکھتے ہیں۔ ان کے ناول اور افسانے عوام میں بھی مقبولیت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے کچھ ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کیا جو اپنے ذہن میں کوئی کہانی تو رکھتے ہیں لیکن تحریر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

ایسے لوگوں کی کہانیاں ہمارے خیال میں تفریحی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ قرار پا سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کے لیے تگ و دو کی اور اپنے چند کرم فرماؤں سے درخواست کی کہ وہ اپنے ذہن میں مقید خیالات یا اپنی زندگی کے دل چسپ واقعات قلمبند کریں۔ بڑے بڑے ادیبوں کی افسانہ طرازیاں عام ہیں اور وہ ہر موضوع کو قلم کی زینت بناتے رہتے ہیں۔ تو کیوں نہ وہ لوگ جو تحریر کی دنیا سے دور کے آدمی ہیں اپنی خواہشات کی تکمیل اس طرح کریں کہ جو کچھ ان کے ذہن میں ہو اسے لکھ دیں اور ہم اس کی تراش خراش کر کے اسے تفریحی معیار کے مطابق پیش کریں اس سلسلے میں چند کہانیاں مختصراً پیش خدمت ہیں۔ مثلاً سیٹھ دولت علی جن کی ساری زندگی دولت کے حصول میں صرف ہوئی۔ تحریر کی دنیا میں لائے گئے تو انہوں نے اپنی داستان یوں سنائی۔

بچپن میں وہ سیٹھ دولت علی نہیں تھے بلکہ دولت کباڑیئے تھے۔ پھر کباڑ کے سامان میں ان کی تقدیر کے ستارے چھپے ہوئے نکلے اور انہوں نے ترقی کر کے خود کو سیٹھ دولت علی بنا لیا۔

یا پھر ہم نے ایک مشہور سماجی کارکن بیگم شکور رانا سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ نوجوانی کی عمر میں ان کے ذہن میں عجیب سی اختراعات ہوتی تھیں۔ ان کا دل چسپ مشغلہ ایک فرضی محبوب کو عاشقانہ خطوط لکھنا تھا اور وہ ایسے خطوط لکھا کرتی تھیں، جن کا محور ان کا فرضی محبوب ہوتا تھا اور وہ ان خطوط میں بڑے سچے جذبوں کا اظہار ہوتا تھا۔ نمونے کے طور پر چند خطوط پیش کیے جا رہے ہیں۔ چند چھوٹے چھوٹے خطوط بیگم شکور رانا نے منصور نامی کسی شخص کو مخاطب کر کے لکھے تھے اخبار میں شامل اشاعت تھے۔ یہ خطوط رومانی چاشنی بھی رکھتے تھے اور ایک کنواری دوشیزہ کے احساسات کے مظہر بھی تھے۔

اس کے بعد سیٹھ سلام جیسے کاروباری شخص سے درخواست کی گئی تو انہوں نے ایک چھوٹا سا مضمون ہمیں دیا۔ یہ مضمون بھی پیش خدمت ہے۔

مضمون بہت دل چسپ تھا۔ سیٹھ سلام نے لکھا تھا۔

نوجوانی کی عمر بھی عجیب عمر ہوتی ہے۔ جوانی کی آمد حالات سے ماحول سے ایک خوف کا سا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ ہر بات پر دل دھڑکتا ہے۔ ایک شکل نگاہوں میں آجائے تو سینکڑوں ہوائی قلعے بن جاتے ہیں۔ میں نے پہلی بار شمسہ کو دیکھا وہ میری ملازمہ تھی۔ بے حد خوبصورت بہت ہی دل کش۔ اور میں اس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ میں نے عالم تصور میں اس سے عشق کیا اور بہت سی فلمی کہانیاں میری نگاہ میں آگئیں۔ شمسہ میرے بچے کی ماں بن گئی۔ اس نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی اور میں گھر سے بھاگ گیا۔ میں نے ان احساسات کو نوجوانی کی عمر میں مسودے کی شکل دی لیکن یہ مسودہ کبھی شائع نہ ہو سکا' شمسہ بے چاری کی شادی ہوگئی ہوگی۔ نہ جانے اس کے کتنے بچے ہوں گے۔ یہ صرف میرے احساسات تھے جو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ آج بھی ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو خود پر ہنسی آتی ہے۔

عابد علی نامی ایک کاروباری آدمی نے لکھا تھا۔

مجھے کہانی لکھنا نہیں آتی' لیکن دل چاہتا ہے کچھ لکھوں۔ مثلاً ایک کہانی یوں ہے۔ میرا ایک دوست تھا جس کا نام عظیم الدین تھا۔ کچھ لوگ نام کے عظیم ہوتے ہیں اور کچھ واقعی عظیم۔ عظیم الدین کاروباری تھا اور لندن میں اس نے کچھ کاروبار کیا تھا۔ طویل عرصہ بعد اس کا دل وطن آنے کو چاہا تو اس نے مجھے لکھا کہ وہ وطن میں کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دی اور وہ یہاں آگیا۔ ہم دونوں نے مل کر کاروبار شروع کر دیا۔ عظیم الدین بہت سادہ لوح انسان تھا وہ مجھ پر پورا بھروسہ کرتا تھا لیکن میری نیت صاف نہ تھی۔ میں نے اپنی دولت محفوظ کر لی اور اس کی دولت سے تجربات کرتا رہا' لیکن یہ اتفاق تھا کہ میرے تجربات ناکام ہوتے رہے اور میں عظیم الدین کے سرمائے کو ڈبو بیٹھا۔ میرے عظیم دوست نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ اور اپنی تباہی پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے

خودکشی کر لی۔ مجھے اس کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ آج بھی جب وہ مجھے یاد آتا ہے تو میرا دل لرزنے لگتا ہے۔

پھر کچھ اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں تھیں۔ اور اس کے بعد ایک نوٹ۔

یہ سلسلہ کافی دل چسپ ہے اور ہم نے طے کیا کہ اسے جاری رکھیں گے۔ بشرطیکہ ہمیں ایسی کہانیاں ملتی رہیں۔ بعد میں ہم اسے کتابی شکل میں چھاپیں گے۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمیں ہر وہ کہانی بھیجیں جو آپ کے ذہن میں ہو۔ ہم اسے تراش خراش کر کے قابلِ اشاعت بنائیں گے۔ امید ہے آپ لوگ ہم سے تعاون کریں گے''۔

اس اشاعت کے تیسرے دن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں ایک شعلہ بداماں خاتون داخل ہوئیں۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے ان کا استقبال کیا تھا۔

''تو تم لوگ ہو وہ شیطان۔ تم نے مجھے تباہ کر دیا۔ برباد کر دیا۔ میں۔۔۔۔ میں تم سے انتقام لوں گی۔ سمجھے تم؟ میں۔۔۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔۔''

''ہم سمجھے نہیں خاتون۔ غالباً آپ کسی پریشانی کا شکار ہیں۔''

میں جانتی ہوں' اخبار میں ان لوگوں کی کہانیاں تم نے شائع کرائی ہیں۔ اس طرح تم نے میرے پاس ان کے خلاف جو مواد تھا' وہ بیکار کرا دیا۔ کیوں یہی بات ہے نا؟ تم نے ان خطوط کو بے حقیقت کر دیا جو بیگم شکور رانا نے نوجوانی کی عمر میں اپنے عاشق کو لکھے تھے۔ تم نے وہ تحریر ضائع کرا دی جو سیٹھ سلام نے اعتراف کے طور پر لکھی اور تم نے عابد علی کا اپنے دوست عظیم الدین سے فراڈ صرف ایک کہانی قرار دے دیا۔ افسوس میرے اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں ان تحریروں کی حقیقتوں کو منظر عام پر لے آؤں۔ اس طرح۔۔۔ اس طرح۔۔۔''

''اوہ تو آپ وہ بلیک میلر خاتون ہیں۔ بہرحال فارم بھر دیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا۔ ہماری فیس پچیس ہزار ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان تحریروں کی حقیقت ثابت کر دیں۔''

''بکواس مت کرو۔ میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ لیکن میں' میں ایک نہ ایک دن تم سے اس کا انتقام لے لوں گی۔ سمجھے تم؟ میں تمہیں۔ یہی بتانے آئی تھی۔''

"اطلاع کا شکریہ۔ ویسے کسی بلیک میلر سے ملنے کا یہ ہمارا پہلا اتفاق ہے۔ کیا آپ ہمیں کچھ وقت دیں گی خاتون؟ ہم آپ کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں۔ آپ بلیک میلر کیسے بنیں۔ وغیرہ وغیرہ۔" ظفری نے کہا۔

"کاش' کاش میں تمہیں گولی مار سکتی۔ کاش؟" خاتون نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور پھر جس طرح آئی تھیں' اسی طرح واپس چلی گئیں۔"

سعدی اور ظفری نے قہقہہ لگایا تھا۔ شکیلہ بھی مسکرانے لگی اور مضطرب صاحب اندر داخل ہو گئے۔

"فارم لایا ہوں میں۔ کیا کوئی کیس تھا؟"

"فارم واپس رکھ کر کافی کا بندوبست کیجئے مضطرب صاحب۔ اس وقت کافی بہت لطف دے گی۔" سعدی بولا۔

"جی بہتر۔" مضطرب صاحب واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی لے آئے۔

"یہ چھمو کا للو واحد سے زیادہ ذہین ہو گیا ہے۔ اشارہ کرو' نہ کرو' ہر ایک کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اب غائب ہے۔ میرا خیال ہے وہ ان خاتون کے پیچھے لگ گیا۔"

"اوہ کیا واقعی؟" دیکھیے کیا خبر لاتا ہے۔" سعدی دل چسپی سے بولا۔ للو عرف ٹیٹو دو پہر کو دو بجے آیا تھا۔ اس نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"یہاں سے سیدھی ائیر پورٹ گئیں اور پھر فلائٹ نمبر پی۔ کے ایک سو بائیس سے لندن کے لیے پرواز کر گئیں۔ میں جہاز کی روانگی کے بعد آیا ہوں۔"

"جیتے رہو۔ جاؤ آرام کرو۔ ظفری بزرگانہ انداز میں بولا اور ٹیٹو باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آرا ہدایت پور کی شخصیت ہی اتنی شاندار اور پر رعب تھی کہ اگر وہ تنہا بھی آ جاتیں تو شاید منیجر ان کی خواہش سے انحراف نہ کرتا لیکن اس وقت تو ان کے ساتھ ایک اہم افسر بھی تھا جسے منیجر اچھی طرح جانتا تھا۔

"کوئی حرج نہیں ہے بیگم صاحبہ اگر آپ کی خواہش ہے تو سر آنکھوں پر۔ بس ذرا ہوٹل کی ریپوٹیشن کا سوال تھا، لیکن مجھے یقین ہے کہ......." منیجر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کہاں کی ہانک رہے ہو منیجر یہ ہزار ہزار پانچ پانچ سو کے ملازم نوابی آداب کے واقف ہو سکتے ہیں۔ کوئی تربیت گاہ ہے تمہارے ہوٹل میں۔ کیا معیار ہے تمہارے ملازموں کا۔"

"یقیناً یقیناً بیگم صاحبہ........ میں۔"

"تمہیں علم ہے ہمارے ہاں ہر نئے ملازم کی تین سال تک تربیت ہوتی ہے اس کے بعد اسے حویلی کی خدمات سپرد کی جاتی ہیں۔ اگر کنور جلال الدین قدامت پرست نہ ہوتے تو..... ہم ان کی عارضی قیام گاہ کے لیے ایک محل تعمیر کرا دیتے یہاں۔"

"مجھے پورا یقین ہے بیگم صاحبہ بس میں تو......" منیجر نے کھیسیں نکالتے ہوئے کہا۔

"منیجر۔ تم میرے سامنے بھی بولنے کی جرأت کر رہے ہو۔" سرکاری افسر نے درشت لہجے میں کہا۔

"کہاں جناب۔ میری یہ جرأت ہو سکتی ہے۔ لیجئے میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" منیجر نے کہا۔

"تمہارے ملازم اِن تینوں کے زیرِ ہدایات کام کریں گے۔ دوسری منزل کے دونوں کمرے ان کے لئے مخصوص رہیں گے۔ ان کی اپنی مشغولیات میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی سمجھ گئے۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" منیجر نے عاجزی سے کہا۔

دونوں ملازم خاموشی سے گردن جھکائے کھڑے تھے۔ دونوں خوش شکل اور خوبصورت نوجوان تھے۔ سیاہ پتلونیں اور سفید کوٹ پہنے ہوئے تھے اور شکلوں سے کسی طور ملازم نہیں نظر آتے تھے۔

"اور کوئی بات جس پر تمہیں اعتراض نہیں ہے۔" بیگم صاحبہ نے پر رعب لہجے میں پوچھا۔

"بیگم صاحبہ آپ یقین فرمایئے، میری یہ مجال ہرگز نہیں کہ میں آپ کی کسی خواہش کے احترام میں سر نہ جھکادوں، میں نے جتنے الفاظ کہے ان میں آپ سے کوئی انحراف نہیں تھا۔ بس چند چیزیں بتائی تھیں میں نے جن کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

"اگر تمہیں کسی طرح سے کوئی نقصان پہنچا تو اس کے مکمل ذمہ دار ہم ہوں گے، اور لو یہ سادہ چیک موجود ہے۔ ہماری اس خواہش کے احترام کے طور پر تم جتنا معاوضہ وصول کرنا چاہو، اس چیک میں درج کرلو اور اسے کیش کرالو۔" بیگم صاحبہ نے پرس سے چیک بک نکالتے ہوئے کہا اور سرکاری افسر نے احترام سے گردن جھکادی۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ آنے کے باوجود اگر یہ سب کچھ ہوا تو مجھے از حد شرمندگی ہوگی۔"

"نہیں محفوظ صاحب ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"مگر بیگم صاحبہ میں بصد ادب معافی کا خواستگار ہوں۔ درحقیقت ہوٹل کی اپنی بھی ایک حیثیت ہے اور ہم اس سلسلے میں کوئی معاوضہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں' اپنی اس گستاخی پر میں معذرت خواہ ہوں' یہ دونوں افراد۔ بلکہ تینوں جو یہاں رہیں گے ان کی خدمت گزاری بھی میرا فرض ہوگا' اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" منیجر نے کہا۔

"شکریہ منیجر۔ ہم تمہارے اخلاق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے یاد رکھیں گے اب ہمیں اجازت دو۔۔۔۔"

"بہت بہتر محترمہ۔" منیجر نے جواب دیا' اور پھر وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا نیچے تک آیا تھا' جہاں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کی عالی شان کار کھڑی تھی۔ بیگم جہاں آراء اور سرکاری افسر کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

دونوں ملازم اب بھی منیجر کے پیچھے تھے۔ منیجر دور جاتی ہوئی کار کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں سے کچھ بڑبڑاہٹ کی سی آواز نکلی تھی' لیکن پھر ان میں سے ایک ملازم کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔

"آپ نے کچھ فرمایا تھا جناب۔۔۔۔" خوش پوش ملازم نے گردن خم کر کے پوچھا۔ اور منیجر کے ہونٹوں پر خواہ مخواہ کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے نہیں نہیں' میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ کتنی کتنی۔۔۔ کتنی شاندار کار ہے۔"

منیجر نے جواب دیا اور دونوں ملازموں نے مسکرا کر گردن ہلادی۔

"اب مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔" منیجر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں جناب' ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچا دیجئے۔ اور اس کے بعد آرام فرمایئے۔ ابھی تو چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔" ملازموں میں سے ایک نے کہا۔

"آپ تینوں کو ایک ہی کمرہ درکار ہوگا یا دو۔۔۔۔"

"اگر کوئی دقت ہے تو پھر ایک ہی رہنے دیں۔ دو ہو جاتے تو بہتر تھا۔"

"نہیں کوئی دقت نہیں ہے۔ دوسری منزل کے کمرہ نمبر بارہ اور تیرہ تمہارے لیے مخصوص ہیں۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق ان لوگوں کا انتظام کروں گا جو تمہیں اسسٹ کریں گے۔" منیجر نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہم شکر گزار ہیں۔ منیجر صاحب۔"

دونوں پر رعب ملازموں نے گردن جھکا کر کہا۔ اور پھر دوسری منزل کی جانب چل پڑے۔

"تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمروں میں تھے۔ ان کمروں میں آسائش زندگی کی تمام ضروریات موجود تھیں۔ ملازمین نہایت اطمینان سے فروکش ہو گئے۔

بات ریاستوں اور نوابوں کی تھی۔ گو ریاستیں بھی ختم ہو چکی تھیں اور نوابی بھی۔ لیکن دولت کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ زر و جواہر کے ڈھیر ریاستوں کی تخلیق کرتے ہیں اور ریاستیں ان کے مالکوں کی تشکیل کرتی ہیں جو نواب کہلاتے ہیں۔

ریاست ایک نام ہے' نوابی ایک شان' اور ان دونوں کا روپ نکھارنے والی شے دولت ہے۔ الفاظی طور پر ریاستیں ختم کر دی جائیں۔ نوابی ختم کر دی جائے' لیکن دولت جس کے پاس ہے وہ رئیس ہے' نواب ہے' سب کچھ ہے۔ لفظوں سے کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور آج بھی بیگم صاحبہ تھیں ہر چند کہ ہدایت پور اب سرکاری تحویل میں تھا۔ لیکن سارے ہدایت پور میں بیگم صاحبہ کا سکہ چلتا تھا۔ نواب آف ہدایت پور ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو کر اب سے تقریباً سولہ سال قبل اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے تھے۔ لیکن بیگم صاحبہ بڑی منتظم تھیں۔

حویلی کا نظام جوں کا توں تھا' کاروبار کی وسعت کا اندازہ لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ سرکاری طور پر وظیفے بھی ملتے تھے۔ چنانچہ نوابی شان میں ذرہ برابر فرق جو آیا ہو۔ ملازموں کی وہی پوری فوج کی فوج موجود تھی جو کبھی ریاست کے خود مختار ہونے پر تھی۔ حویلی کے چپے چپے کی شان جوں کی توں تھی۔ قدیم روایات کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ گو بعض معاملات

میں یہ پابندی ممکن نہیں رہی تھی۔ جیسے پردہ یا جدید دنیا کے تعلقات وغیرہ۔ پارٹیاں اور میٹنگیں ہوا کرتی تھیں' جنہیں پہلے جشن کہا جاتا تھا۔ ساری باتیں تھیں لیکن بیگم ہدایت پور کا ایک جلال تھا جس کا احترام سب ہی لوگ کرتے تھے۔

کنور جلال اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ گو رشتہ داری ذرا دور کی تھی لیکن خود بھی کبھی کسی ریاست کے نواب تھے۔ البتہ ریاست ختم ہونے کے بعد وہ اپنی دولت سمیٹ کر اس ملک سے نکل گئے تھے۔ غالباً یہاں جی نہیں لگتا تھا چنانچہ انہوں نے یورپ میں سکونت اختیار کی اور سنا یہ گیا تھا کہ لندن کے جس علاقے میں انہوں نے اپنا نگر آباد کیا تھا وہ ایک عجوبہ بن کر رہ گیا تھا۔ ایشیائی روایتوں کے رسیا اس علاقے میں جا کر ایشیا کے نقوش دیکھ لیا کرتے تھے۔

کنور جمال الدین کنور جلال کے اکلوتے صاحبزادے تھے اور شروع ہی سے ان اساتذہ کی نگرانی میں رہے تھے۔ جن کی پشتیں تک اس نوابی خاندان کی تربیت کرتی چلی آئی تھیں۔ چنانچہ کنور جمال الدین کو یورپ کی رنگین فضاؤں کی ہوا چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ وہ ہمیشہ لندن کو اجنبی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور نیم برہنہ لڑکیوں کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتے تھے۔ مشرقی روایات ان کے ذہن میں زندہ رکھی گئی تھیں اور چھوئی موئی کے درخت تھے وہ۔ قصے اور کہانیوں کے رسیا' خوابوں میں سنہرے پروں والی پریوں کو دیکھنے والے اور خوفناک بھوتوں کو دیکھ کر راتوں کو سہم کر چیخ پڑنے والے۔

خیر سے جوان ہو چکے تھے۔ اور عمر کی چھبیسویں منزل میں قدم رکھ دیا تھا۔ چنانچہ کنور جلال الدین نے فیصلہ کر لیا کہ بس اب جا کر بھابی صاحبہ سے آخری گفتگو کر لی جائے اور شادی کے مراحل طے کر لیے جائیں۔ عام حالات میں تو کوئی بات نہیں تھی' جب بھی کبھی وطن واپس آئے' حویلی میں ہی ٹھہرے لیکن اس وقت سمدھیانے کا معاملہ تھا اور بیٹے کے رشتے کی بات پکی کرنے آ رہے تھے اس لیے قدیم روایات کے مطابق یہ ممکن نہیں تھا کہ حویلی میں قیام کرتے یا بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے کسی احسان کے زیر بار ہوتے یعنی شہر میں بھی انہوں نے یہ پسند نہیں کیا تھا کہ

بیگم جہاں آراء کی منتخب کی ہوئی جگہوں پر قیام کریں۔

ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی تھی اور بیگم صاحبہ نے پیشکش کی تھی کہ بھائی صاحب کہاں پریشان ہوتے پھریں گے۔ وطن سے آپ کا رابطہ برسوں سے منقطع ہے۔ چنانچہ میں یہاں آپ کی پسند کے مطابق کوئی انتظام کیے دیتی ہوں۔ سو کنور جمال صاحب نے فرمایا کہ دیکھیں بھابی صاحبہ ہر چند کہ ہم اب اپنی روایات سے محروم ہو چکے ہیں اور وہ نہیں رہے جو تھے' لیکن چند ایک چیزیں جو اپنی جھولی میں پڑی ہوئی ہیں اور کم از کم اپنے ذہن کو یہ تقویت بخشتی رہتی ہیں کہ کبھی ہم بھی نواب تھے' انہیں رہنے دیں۔ ہم اس بار سب کچھ اسی انداز میں کریں گے جیسے بزرگ کرتے آئے ہیں' آپ چنداں فکر نہ کریں' ہم کچھ نہ کچھ انتظام کرلیں گے۔ اور بیگم جہاں آراء کے شدید استفسار پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ہوٹل نور محل میں انتظام کر لیا ہے' بیگم صاحبہ خاموش ہوگئیں۔ کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔ نور محل معیاری ہوٹلوں میں تھا اور پھر جب کنور صاحب یہاں آجائیں گے تو وہ سمجھا بجھا کر انہیں اس بات پر آمادہ کرلیں گی کہ کم از کم پرانی اور فرسودہ روایات میں اتنی سی کمی کر ہی لیں کہ گھر ہوتے ہوتے ہوٹل میں قیام نہ کریں۔"

ویسے اتنا وہ جانتی تھیں کہ یقینی طور پر نواب صاحب بیگم کے ساتھ نہ آرہے ہوں گے۔ تنہا ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ کنور جمال ان کے ساتھ ہوں گے۔ ملازموں کی بات دوسری تھی' وہ تو ساتھ ساتھ چلتے ہی تھے۔ ممکن ہے دو چار دوستوں کو بھی ساتھ لائیں۔

بہر صورت انہوں نے اپنے طور پر حویلی میں بھی انتظامات کر لیے تھے۔ لیکن اس کے بعد جو حالات ہوئے انہوں نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور جیسی آہنی خاتون کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ بس ایسے ہی معاملات تھے کہ انہیں اپنی زندگی میں پہلی بار ایک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور انہیں نواب صاحب مرحوم کی وہ بات یاد آگئی کہ بیگم انسان ساری دنیا میں سرخرو رہ سکتا ہے سوائے اپنے گھر کے۔ اگر کبھی بات بگڑتی ہے تو گھر سے۔ اور یہی ہوا تھا۔

بات گھر سے ہی بگڑی تھی جس کی وجہ سے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو عجیب وغریب

حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا اور یہ تقدیر کی گردش ہی تھی کہ وہ ایک چھوٹے سے کام کے لیے بنفس نفیس چل کر شہر آئی تھیں۔ اپنی شہری قیام گاہ میں قیام کیا تھا اور اس کے بعد پولیس کے ان افسر اعلیٰ کو ٹیلی فون کیا تھا جن سے اس کے شوہر سے ذاتی مراسم تھے۔ چنانچہ محفوظ الحق ایک ٹیلی فون پر اس کے پاس پہنچ گئے۔ اور بیگم جہاں آراء آف ہدایت پور نے انہیں مختصراً بتاتے ہوئے کہا۔

"دراصل محفوظ صاحب وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ نئی نسل ہم پرانے لوگوں کو احمق سمجھنے لگی ہے' لیکن کیا کیا جائے ابھی بزرگ زندہ ہیں اور صاحب اقتدار ہیں۔ چنانچہ ان روایات کا توڑنا ممکن ہیں جو ہماری خاندانی روایات ہیں۔ شاید کبھی مرحوم نواب صاحب نے زندگی میں آپ سے مشورہ کیا ہو کہ حسن آراء کو کنور جلال کے بیٹے کنور جمال سے ایک سال کی عمر میں منسوب کر دیا گیا تھا اور اس خاندان میں جو بات ایک دفعہ طے کرلی جاتی ہے اسے آخری وقت تک نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے' چنانچہ یوں تو سب کچھ ٹھیک تھا' لیکن اب کنور جلال بیٹے کی شادی کی بات پکی کرنے آرہے ہیں اس لیے وہ ہمارے ہاں قیام نہیں کریں گے' بلکہ انہوں نے یہاں ہوٹل نور محل میں ایک منزل بک کرائی ہے' یہیں وہ قیام کریں گے۔ ہر چند کہ ہوٹل کے انتظامات لاجواب ہوں گے' لیکن اس کے باوجود یہ ہماری آن کا مسئلہ ہے۔ کنور جلال تو اس ملک کو چھوڑ چکے لیکن یہ ہمارے ملک کا مسئلہ ہے اور ہم یہیں کے رہنے والے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنور جلال کو ہوٹل کی طرف سے جو اسٹاف ملے وہ اتنا تربیت یافتہ ہو کہ انہیں کسی شکایت کا موقع نہ مل سکے۔ مجھے ہوٹل کے اسٹاف اور نظام پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں چاہتی ہوں کہ کم از کم دو یا تین افراد حویلی سے وہاں منتقل کر دوں اور اس طرح کہ کنور جلال کو اس کا احساس بھی نہ ہو سکے۔ وہ تینوں افراد۔ کنور جلال اور کنور جمال کے ساتھ رہیں گے اور ان کی فرمائشات کی تکمیل کریں گے۔ باقی ہوٹل کا اسٹاف ان کے ساتھ کام کرے گا آپ میری اتنی مدد کریں کہ ہوٹل کے منتظمین کو میری بات ماننے پر مجبور کر دیں۔"

محفوظ الحق صاحب فوراً تیار ہو گئے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ سارے معاملات طے

پائے تھے' لیکن اصلیت کچھ اور ہی تھی معاملہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا بالکل ذاتی تھا۔ اتنا ذاتی کہ وہ اس میں اپنے شوہر کے دیرینہ دوست کو بھی شریک نہیں کر سکتی تھی۔ کسی کو بتانے کی بات ہی نہ تھی' وہ تو تقدیر مہربان تھی کہ کچھ ایسے سہارے مل گئے تھے جنہوں نے اپنے شانوں پر یہ بار سنبھال لیا تھا ورنہ بیگم جہاں آراء شاید ان گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا نہ دے پاتیں جو ان کی عزت و وقار کے تھے۔

لمبی کار اس عالیشان کوٹھی میں داخل ہو گئی جس کے باہر مسلح چوکیدار کھڑا ہوا تھا اور ایک بہت بڑی پلیٹ پر نواب آف ہدایت پور لکھا ہوا تھا۔ کوٹھی کے پورچ میں پولیس افسر کی کار موجود تھی۔ محفوظ صاحب نے نیچے اترتے ہوئے بیگم جہاں آراء سے اجازت مانگی۔

"بہت بہت شکریہ محفوظ صاحب۔۔۔ میں نے آپ سے جس تعاون کی درخواست کی تھی۔ آپ نے بھرپور طور پر میرے ساتھ کیا۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی مشروب وغیرہ پی کر جایئے۔"

"محترمہ بھابی صاحبہ تکمیل حکم ضرور کرتا لیکن اوّل تو کسی چیز کی حاجت نہیں ہو رہی۔ دوئم یہ کہ مجھے جا کر کچھ خاص کام بھی کرنے ہیں' امید ہے کہ آپ خیال نہ فرمائیں گی۔" پولیس افسر نے کہا اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔۔۔ بیگم جہاں دو خادماؤں کی معیت میں اپنے کمرۂ خاص میں پہنچیں۔ ملازماؤں کو باہر رکنے کا اشارہ کیا اور اندر پہنچ کر کمرہ بند کر لیا۔ اس کے فوراً بعد وہ ٹیلی فون کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ ٹیلی فون پر انہوں نے نور محل کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگایا۔

"منیجر کو دو۔۔۔" انہوں نے آپریٹر سے کہا اور چند ساعت کے بعد منیجر سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"کہیے منیجر صاحب' ہمارے ان دونوں ملازمین کو کمرے دے دیے گئے۔۔۔"

"جی ہاں جی ہاں بیگم صاحبہ وہ اپنے کمروں میں موجود ہیں۔"

"فون تو ہو گا ان کے پاس۔"

"یقیناً۔۔۔"

"براہ کرم ان کی لائن ڈائریکٹ کر دیں۔"

"جی بہت بہتر میں ہدایت جاری کیے دیتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور چند ساعت کے بعد بیگم جہاں آراء کا رابطہ قائم ہو گیا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد انہوں نے کہا۔

"ہاں بیٹے تم دونوں کو کوئی تکلیف۔۔۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی نہیں بیگم صاحبہ سب ٹھیک ہے آپ بالکل مطمئن رہیے۔ قطعی مطمئن' جب آپ نے ہمیں بیٹا کہا ہے تو پھر ہماری بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں جنھیں ہم پورا کریں گے۔"

"خداوند تمہیں سرخرو کرے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

مطلق صاحب کے پڑوسی توفیق صاحب نے دروازے کی گھنٹی بجائی اور بیگم صاحبہ نے دروازہ کھول دیا۔ پھر توفیق صاحب کو انہوں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر مطلق صاحب کو اطلاع دی۔ اور مطلق صاحب سہم گئے۔ توفیق صاحب پہلوان نما آدمی تھے پتہ نہیں آدمی زیادہ تھے یا پہلوان زیادہ تھے۔ بہرحال مطلق صاحب سہمے سہمے ان کے سامنے پہنچ گئے۔

توفیق صاحب نے زوردار سلام داغا اور پھر مطلق صاحب کے نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر دو تین زوردار جھٹکے دیے اور مطلق صاحب کی کراہ نکل گئی۔ انہوں نے گرنے سے بچنے کے لیے توفیق صاحب کا سہارا ہی لیا تھا۔

"اوہو ہو۔ اوہو ہو۔ بھئی مطلق صاحب کچھ کھایا پیا کریں جان ہی نہیں ہے ہاتھوں میں۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ تت تشریف رکھیے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔۔۔؟" مطلق صاحب نے اپنے شانے کو دباتے ہوئے کہا۔ اور توفیق صاحب بیٹھ گئے۔ مطلق صاحب خود بھی سہمے سہمے بیٹھ گئے تھے۔

"بھئی ہم تو بے لوث آدمی ہیں' کبھی کسی کے پاس کسی کام سے نہیں جاتے اس لیے کسی

خدمت وغیرہ کا سوال ہی نہیں ہے۔ آپ کے ریٹائرمنٹ کی خبر سنی تھی بیگم سے۔ سوچا ملاقات کے لیے جاؤں گا۔"

"جی ہاں خدا کا شکر ہے کہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا۔ اور سرخرو ہوا۔ کوئی الجھن نہیں ہوئی زندگی میں۔"

"بڑا فضل ہے جی خدا کا۔۔۔ ویسے اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔ بچوں نے کچھ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ ورنہ میں کہاں بیٹھنے والا تھا۔ مطلق صاحب بولے۔

"اوہو۔ بچے۔ ہاں مگر وہ بے چارے کیا کما لیتے ہوں گے۔ مجھے تو آج ہی معلوم ہوا کہ وہ ہوٹل کے بیرے ہیں۔ ورنہ اس سے قبل تو آپ کے گھر سے معلوم ہوا تھا کہ وہ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔"

"کیا فرمایا آپ نے۔۔۔؟" مطلق صاحب اکھڑ گئے۔

"یہ دوسری بات ہے کہ بہت بڑے ہوٹل میں۔۔۔"

"وہ بیرے نہیں ہیں توفیق صاحب اپنا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ارے نہیں مطلق صاحب۔ ہم تو اپنے ہیں ہم سے کچھ چھپانے سے کیا فائدہ۔ اور پھر صاحب زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے نوجوانوں کو ڈھنگ کی نوکریاں نہ ملیں تو وہ کیا کریں۔ یہ پیٹ کا دوزخ تو بھرنا ہی ہوتا ہے۔ دیکھیے میں ان کے لیے کسی بہتر ملازمت کی کوشش کروں گا۔" توفیق صاحب نے کہا۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ بیرے ہیں؟" مطلق صاحب کی ذہنی کیفیت خراب ہونے لگی تھی۔ کسی بھی کام کو وہ خراب نہیں سمجھتے تھے لیکن بس یہ احساس عجیب تھا کہ ایسے خوبصورت اور تعلیم یافتہ بچے ایسی ملازمت کر کے ان کی پرورش کر رہے ہیں۔

"بھئی یہ سوال ہم سے نہ کرو۔ ہماری سوسائٹی بہت اونچی ہے۔ اکثر بڑے بڑے

ہوٹلوں میں لنچ اور ڈنر ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی کل شام ہی نور محل چلے گئے تھے وہاں ان دونوں کو دیکھا۔"

"بیروں کی وردی میں۔"

"ہاں بھئی اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔"

توفیق صاحب نے تو مطلق صاحب سے اور کوئی بات نہیں کی بس وہی بولتے رہے۔ لیکن ان کے جانے کے بعد مطلق صاحب بے حد افسردہ ہو گئے تھے۔ بیگم صاحبہ کو صورت حال معلوم ہوئی تو وہ بھی غمزدہ ہو گئیں۔

"میں سمجھتا ہوں۔ صورت حال سمجھتا ہوں۔ خوددار بچے ہیں۔ بے کاری برداشت نہ ہو سکی ہو گی۔"

"مگر یہ شکیلہ۔ یہ بھی تو ان کے ساتھ جاتی ہے۔"

"ہاں اللہ جانے وہ کیا کرتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ مناسب نہیں۔ میں ان بچوں کو یہ سب نہ کرنے دوں گا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ جب تک انہیں اچھی ملازمت نہ مل جائے۔ وہ گھر بیٹھیں۔ نوکری کی تلاش میں اگر کچھ وقت بھی لگ جائے تو ہم بھوکے تو نہیں مریں گے۔"

"مگر انہوں نے ہم سے یہ بات چھپائی کیوں۔"

"اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ہم انہیں یہ سب کچھ کرنے نہ دیں گے۔"

"ہائے ہائے بچی ہوٹل میں کیا کرتی ہو گی۔"

"برتن صاف کرتی ہو گی اور کیا کرتی ہو گی۔ تم میرے کپڑے نکالو جی ابھی جا کر پکڑتا ہوں سسروں کو۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔" مطلق صاحب بولے۔ اور بیگم صاحبہ نے گردن ہلا دی۔

ہوٹل نور محل عالی شان ہوٹل تھا۔ سینکڑوں ویٹر وہاں موجود تھے سب کے سب ایک جیسی وردی میں ملبوس۔ ان میں چہروں کی شناخت بھی کافی مشکل کام تھا۔ بے چارے مطلق صاحب

ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل گھورتے پھر رہے تھے۔ کئی بیروں پر انہیں سعدی کا شبہ ہوا اور کئی پر ظفری کا' لیکن جب قریب سے دیکھا تو یہ وہ نہ تھے مجبوراً انہوں نے ایک بیرے کو اشارہ سے قریب بلایا اور وہ گردن جھکا کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"جناب والا۔۔۔۔!"

"بھئی کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"یہاں دو ویٹر اور کام کرتے ہیں' ایک کا نام سعدی ہے دوسرے کا ظفری۔" مطلق صاحب نے سوال کیا اور ویٹر داہنا گال کھجانے لگا' پھر گردن ہلا کر بولا۔

"نہیں صاحب اس نام کے ویٹر یہاں نہیں ہیں۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"جی ہاں میں بارہ سال سے یہاں کام کر رہا ہوں' ویٹروں میں کوئی اس نام کا ویٹر نہیں ہے۔" ویٹر نے جواب دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

مطلق صاحب کا دل کسی قدر ٹھہرا تھا۔ ممکن ہے توفیق صاحب کو غلط فہمی ہی ہوئی ہو۔ وہ سوچنے لگے۔ ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر ہوٹل کی بہار دیکھ رہے تھے۔ کیا اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا دولت کے بے مثال مظاہرے یہاں ہو رہے تھے۔ کہیں پارٹیاں ہیں اور کہیں جشن منایا جا رہا ہے۔ چاروں طرف خوب ہی رونق تھی دفعتاً ان کی نگاہ ایک بیرے پر پڑی اور ایک بار پھر ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر یہ غلط فہمی نہیں تھی تو یہ ظفری ہی تھا۔

مطلق صاحب نے اس کی طرف دوڑ لگائی اور چند لمحات کے بعد اس کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کیا۔ بلاشبہ یہ ظفری ہی تھا۔ مطلق صاحب اسے گھورنے لگے۔

سامنے کھڑا ہوا آدمی صرف ایک لمحے کے لیے چونکا تھا اور پھر اس نے پر اخلاق انداز

میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"فرمائیے جناب میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو۔۔۔۔" مطلق صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

"جی۔۔۔۔" بیرہ حیرت سے بولا۔

"سعدی کہاں ہے ظفری۔۔" مطلق صاحب اسی انداز میں بولے۔

"میں نہیں سمجھا جناب' آپ کن سعدی صاحب کی بابت فرما رہے ہیں۔"

"جی نہیں میرا نام خدا بخش ہے جناب۔۔" بیرے نے جواب دیا اور مطلق صاحب ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئے۔ پھر پھیکے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولے۔

"جناب والا آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ کیا میری شکل آپ کے کسی جاننے والے سے ملتی جلتی ہے۔ میرا نام خدا بخش ہے۔ آپ ہوٹل کے رجسٹر سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہیں لیکن بڑی دلچسپ بات ہے کہ کوئی شخص اتنا زیادہ ہمشکل ہے میرا کہ آپ کو اس پر شبہ ہو گیا ہے۔"

"ظفری بیٹے حالات بعض اوقات انسان کو ہر قسم کی ملازمت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہم اتنے پریشان حال نہیں ہیں۔ ابھی بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔ اتنا ہے کہ اگر تم سال دو سال بیٹھ کر ملازمت تلاش کرو اور کھاؤ پیو۔ تب بھی ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ یہ وقتی چیزیں ہوتی ہیں۔ بالآخر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی اچھی ملازمت مل ہی جائے گی۔ بیرہ گری کی کیا ضرورت ہے۔ اور یوں بھی میں اتنا بے اختیار بھی نہیں ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو تمہارے لیے کوئی بہتر ملازمت تلاش کر ہی لوں گا۔ چلو واپس چلو۔ اور وہ نامعقول کہاں ہے اسے بھی بلا لو۔"

"یعنی سعدی صاحب۔" بیرے نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"محترم اگر آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں' یہ ملازمت چھڑوانا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں' لیکن افسوس میں کسی سعدی صاحب کو پیدا نہیں کر سکوں گا' مجھے خود بھی یہ پسند نہیں

ہے۔فرمایئے چلوں آپ کے ساتھ۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" مطلق صاحب ایک بار پھر متزلزل ہو گئے۔

"مقصد صرف یہ ہے کہ خادم کو خدا بخش کہتے ہیں۔کوئی خدمت ہو تو فرمایئے۔میں مصروف ہوں۔"

"یعنی تم ظفری نہیں ہو۔"

"جی نہیں۔۔۔۔میں صرف خدا بخش ہوں اور میرے والدین نے جو میرا نام رکھا ہے مجھے وہی پسند ہے۔شکریہ۔" بیرے نے کہا اور تیز قدموں سے ایک طرف چلا گیا۔

مطلق صاحب حیران کھڑے رہ گئے تھے۔دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ان کا ذہن چکرا رہا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بیرے کی آواز بدلی ہوئی تھی' لیکن چہرہ ہو بہو ظفری ہی کا تھا۔اور پھر سعدی' بھی اس کے ساتھ موجود نہیں تھا' بدلی ہوئی آواز' سعدی کی غیر موجودگی۔۔۔اور۔۔۔اور اس کا نام۔ان چیزوں نے مطلق صاحب کے ذہن میں ایک خوشگوار سی کیفیت پیدا کر دی۔کافی دیر تک وہ نور محل میں چکراتے رہے لیکن اس کے بعد نہ انہیں' ظفری نظر آیا نہ سعدی۔اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس چل پڑے۔خواہ مخواہ ذہنی طور پر پریشان کر کے رکھ دیا۔بھلا ایسے تعلیم یافتہ اور نستعلیق بچے بھی ایسی ملازمت کر سکتے ہیں۔ناممکن' ناممکن۔توفیق صاحب آپ کا جسم ہی موٹا نہیں آپ کی عقل بھی موٹی ہے۔لاحول ولاقوۃ۔مطلق صاحب مسکراتے ہنستے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور بیگم صاحبہ کو تمام تر صورتحال بتائی۔تب بیگم صاحبہ بھی ہنسنے لگیں۔

"اے میں نہ کہتی تھی' ان بچوں کی شکل وصورت سے پتہ نہیں چلتا۔وہ معمولی بچے نہیں ہیں۔بھلا ایسی ملازمت وہ کریں گے ارے توبہ توبہ چھی چھی۔اور رہے توفیق صاحب۔ان کو تو بس خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی عادت ہے۔میں تو کہتی ہوں' تم ان سے ملا ہی نہ کرو۔"

"خیر قصور ان کا بھی نہیں ہے۔وہ بیرا واقعی ظفری کا اتنا ہمشکل تھا کہ میں خود بھی ششدر رہ گیا تھا۔اگر آواز میں ہلکی سی تبدیلی نہ ہوتی تو تم یقین کرو کہ میں کسی طور پر تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ظفری نہیں ہے۔اس کے بعد سعدی بھی نہیں ملا۔ممکن ہے توفیق صاحب کو بھی دھوکا ہوا ہو۔بہرصورت ان بچوں سے معلوم تو کیا جائے کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ذرا اس سلسلے میں تھوڑی بہت چھان بین کرنی پڑے گی۔" مطلق صاحب نے کہا۔اور بیگم صاحبہ نے گردن ہلا دی۔

ظفری کا سانس پھول گیا تھا۔وہ دوڑتا ہوا سعدی کے پاس پہنچا تھا۔سعدی جو اپنے کمرے میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا ظفری کو اس حال میں دیکھ کر چونک پڑا۔"خیریت تو ہے' کیا بات ہے؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے!"

"کیوں' کیا ہوا۔۔۔؟ کیا نواب جلال الدین صاحب تشریف لے آئے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"نواب کمال الدین صاحب تشریف لائے ہیں۔"

"اوہو' یہ کون ہیں بھئی۔" سعدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔

"جناب مطلق۔" ظفری نے جواب دیا اور سعدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو' کہاں ہیں بھئی' کیا' کیا یہاں آ گئے؟"

"جی ہاں تشریف لائے تھے اور یقیناً ہماری ہی تلاش میں آئے تھے۔کسی مخبر نے مخبری کر دی شاید۔"

"کمال کی بات ہے' کون ہو سکتا ہے۔تم پورا واقعہ تو بتاؤ۔" سعدی نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں پوچھا اور ظفری اسے تفصیل بتانے لگا۔سعدی پراسرار انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے مطلق صاحب کو کسی نے یہ خبر پہنچائی ہے کہ ہم ہوٹل میں بیرا گیری کرتے ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" ظفری ہنس پڑا۔ "کیا حماقت ہوئی ہے۔"

"خیر اس کو تو چھوڑو' گھر جا کر اب یقیناً باز پرس ہوگی۔" سعدی نے کہا۔

"بے شک' بھلا مطلق صاحب یہ کیسے گوارا کرسکیں گے کہ ہم ہوٹل میں کام کریں۔"

"مگر یار یہ پتہ کیسے چلا۔۔۔؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں سعدی۔"

"مگر یار یہ اچھا نہیں ہوا کیونکہ ابھی ہمیں یہاں کئی دن کام کرنا ہوگا۔"

"کوئی ترکیب سوچو سعدی' ورنہ کہیں یوں نہ ہو کہ مطلق صاحب کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"خیر کام تو نہیں بگڑے گا اور پھر یوں بھی ہمیں نواب جلال الدین کے آنے پر دن رات یہاں رہنا ہوگا' شکیلہ کی بھی ضرورت پڑے گی۔ یوں کرتے ہیں مضطرب صاحب کو استعمال کرلیتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"مگر کیسے۔۔۔؟"

"بھئی یہی تو سوچنا ہے۔" سعدی بولا اور ظفری اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے گردن جھکائے کچھ سوچتے رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

"مطلق صاحب کم از کم نورمحل جیسے ہوٹل میں بلاوجہ تشریف نہیں لا سکتے اور پھر جو حالات تمہاری زبانی معلوم ہوئے ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ بے اختیار ہو کر ہماری چھان بین کرنے تشریف لے آئے تھے۔ اب جب ہم گھر پہنچیں گے تو ہم سے سوالات کیے جائیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں اور مطلق صاحب کو مطمئن کرنا بے حد ضروری ہوگا۔ چنانچہ ظفری صاحب اس کی صرف ایک ہی ترکیب ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ مطلق صاحب کو اپنے دفتر کے بارے میں بتادیا جائے۔"

"کیا مطلب' کیا مطلب۔۔۔؟ گویا یہ بتادیں کہ ہم اس قسم کا کوئی ادارہ قائم کیے ہوئے ہیں۔"

"ہاں مگر اس کی تفصیلات ان کے سامنے نہیں آنی چاہئیں۔" بھئی امپورٹ ایکسپورٹ ہوتا ہے۔ اسٹیشنری وغیرہ کا معاملہ ہے' ورنہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوگی۔"

"ہاں مشکل تو نہیں ہوگی' لیکن مطلق صاحب کا اطمینان بھی ضروری ہے۔"

"بات ذرا کچھ الجھ گئی ہے اور خاص طور سے اس موقع پر جب ہم لوگ اس کام میں مصروف ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"یوں کرتے ہیں شکیلہ سے بات کرتے ہیں' شکیلہ اپنے طور پر کوئی کارروائی کرلے گی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ذہنی طور پر آزاد ہے۔ میرا مطلب ہے ابھی اس کا کوئی کریکٹر شروع نہیں ہوا۔ کوئی نہ کوئی بات تو سوچنی ہی پڑے گی۔ ہم لوگوں نے تو ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا کہ اپنی گمشدگی سے مطلق صاحب کو کس طرح مطلع کریں گے۔"

"ٹھیک ہے شکیلہ سے بات کرتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔ اور اپنے سامنے رکھا ہوا ٹیلی فون اپنی جانب کھسکایا۔ پھر اس نے ٹیلی فون پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمبر ڈائل کیے۔ اور دوسری طرف شکیلہ کی آواز ابھری۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔"

"خادم سعدی بول رہا ہے۔"

"اوہ سعدی' خیریت تو ہے۔۔۔؟"

"جی نہیں۔"

"کیا ہوا؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"بات کچھ خاص نہیں ہے شکیلہ لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ اسے خاص بھی کہا جاسکتا ہے۔"

"یہ کوئی چلپائی اشارہ ہے۔" شکیلہ ہنستے ہوئے بولی۔

"سنو۔ مطلق صاحب یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"شکیلہ پلیز غور سے سنو۔ مطلق صاحب ہوٹل نور محل پہنچ گئے ہیں۔ انہیں شاید کسی نے یہ خبر کر دی ہے کہ ہم دونوں ہوٹل نور محل میں بیرا گیری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات انہیں کیسے ہضم ہو سکتی تھی اور شکیلہ کام ابھی کافی کرنا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی ترکیب سوچتی ہے کہ مطلق صاحب کو مطمئن کیا جا سکے۔"

"کیا کیا۔۔۔ لیکن وہ نور محل کیسے پہنچ گئے۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا کسی نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ کسی نے دیکھ لیا ہوگا ہمیں۔ بہر صورت اب ہم اتنے اجنبی بھی نہیں ہیں لوگوں کے لیے۔ ظفری سے ملاقات ہوئی تھی ان کی ظفری نے خود کو ظفری تسلیم نہیں کیا۔ اور وقتی طور ہم لوگ کمرے میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے پوچھیں گے کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔ یقینی طور پر مطلق صاحب شک وشبہ کے شکار ہو جائیں گے اور پھر چند روز کی چھٹی بھی چاہیے ہوگی یہاں کے معاملات سنبھالنے کے لیے۔ اس سلسلے میں کیا سوچا ہے تم نے۔" سعدی نے پوچھا اور شکیلہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔

"تم لوگ اس کی فکر نہ کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی اور ہاں یہ بتاؤ مجھے وہاں کب منتقل ہونا ہے۔۔۔؟"

"پروگرام کے مطابق تو ایک دو دن کے بعد لیکن اگر تم فوری ضرورت محسوس کرو تو فوری بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"وہ عمارت تمہاری تحویل میں دے دی گئی ہے۔" شکیلہ نے سوال کیا۔

"بالکل، بیگم صاحبہ اس کی چابی ہمیں دے کر گئی ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ مطلق صاحب کے اس وقتی مسئلے سے نمٹنے کا ایک ہی حل ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"وہ یہ کہ ہم انہیں مضطرب صاحب کے ذریعے اطلاع بھجوا دیں کہ ہم لوگوں کو ایک فوری بزنس ٹور پر جانا پڑا ہے۔ بہت بڑی آمدنی کی توقع ہے۔ تفصیلات بعد میں بتاتے رہیں گے۔ میں ابھی گھر جانے کی بجائے اس عمارت میں منتقل ہوئی جاتی ہوں۔"

"بات تو ٹھیک ہے، لیکن دفتر تک پہنچ جائیں گے مطلق صاحب۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم لوگ ذہنی طور پر اس سلسلے میں فکر مند نہ ہو۔ یہ ساری باتیں ہم بعد میں سوچ لیں گے۔" شکیلہ نے کہا، اور سعدی نے خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔ وہ پر خیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

یہ سارا ڈرامہ ایک کیس ہی کے سلسلے میں ہو رہا تھا اور یہ ڈرامہ اب تک پیش آنے والے تمام ڈراموں سے زیادہ دلچسپ تھا۔ اس بار انہیں بہت دلچسپ کام میں مصروف ہونا پڑا تھا۔ ایک بہت بڑی شخصیت کے لیے۔

ہوا یوں تھا کہ حسب معمول یہ لوگ دفتر میں موجود تھے۔ مضطرب صاحب بھی اندر ہی تشریف فرما تھے اور اپنی تازہ غزلوں کے اشعار گنگنا رہے تھے۔ طالب تھے اس بات کے کہ کسی شعر پر داد ملے لیکن کوئی غور ہی نہیں کر رہا تھا۔ مضطرب صاحب نے پر اضطراب انداز میں ان بدذوقوں کو دیکھا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی، سعدی نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔۔۔" دوسری طرف آواز آئی۔

"جی ہاں۔" سعدی نے جواب دیا۔ "فرمائیے۔" آواز نسوانی تھی اور اس میں ایک عجیب سی کھنک کا احساس ہوتا تھا۔

"اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ لوگ پرائیویٹ جاسوس ہیں۔" پوچھا گیا۔

"خاتون پرائیویٹ جاسوس ہونے کا اعتراف نہیں کریں گے۔ البتہ آپ نے ہمارا اشتہار پڑھ لیا ہوگا۔ ہم الجھن میں پھنسے ہوئے لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔"

"ایک ہی بات ہوئی" دوسری طرف سے لاپروائی سے کہا گیا۔

"جی ہاں بات ایک ہی ہوئی۔ آپ فرمایئے۔ آپ نے کیسے ٹیلی فون کرنے کی زحمت گوارہ کی۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"بسر و چشم بسر و چشم' کہیے کیا حکم ہے۔" سعدی نے سوال کیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کس قسم کے کیسز پر کام کرتے ہو؟"

ایسے تمام کیسز پر جس میں کسی کی ذات کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ کوئی مجرمانہ عمل نہ کرنا پڑتا ہو۔ ایسی بات نہ ہو جو قانون کے خلاف ہو۔ میرا مقصد ہے کہ صرف ذاتی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے ہم کام کرتے ہیں اور اس کا معاوضہ پچیس ہزار روپے لیتے ہیں۔"

"ہوں میرا خیال ہے میرا کیس ایسا ہی ہے کہ کوئی قانونی پیچ اس میں پیدا نہیں ہوگی۔"

"جی جی تو پھر ہم حاضر ہیں۔"

"سنو میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"جی حکم۔۔۔۔! کہاں ملاقات کی جائے۔"

"تم ایک بات کا وعدہ کرو' کام ہو یا نہ ہو میری شخصیت کو خفیہ راز میں رکھو گے۔"

"یہ ہمارا اولین فرض ہے خاتون۔" سعدی نے جواب دیا۔

"تو پھر خود یا اپنے کسی نمائندے کو ہدایت پور بھیج دو۔"

"جی۔" سعدی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور بول رہی ہوں۔ تم نے یقیناً میرا نام سنا ہوگا۔ نواب آف ہدات پور کی اہلیہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سعدی مستعد ہو گیا۔

"جی ہاں جی ہاں۔ بیگم صاحبہ بھلا آپ کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔"

"تو پھر کب پہنچ رہے ہو میرے پاس۔۔۔۔؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"آج ہی کسی وقت پہنچ جاؤ' شام تک۔"

"جی بہتر ہے۔ ہم اپنا نمائندہ بھیج رہے ہیں۔"

"نام کیا ہوگا اس نمائندے کا۔ میں یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں تاکہ میں اس شخص کے بارے میں جان سکوں۔"

"جی۔ جی۔ نام اس کا ظفری ہے۔ آپ اسے تمام صورتحال بتا دیں۔ وہ آپ سے مکمل گفتگو کرے گا۔"

"شام کو کس وقت تک پہنچ جائے گا تمہارا نمائندہ۔"

"جس وقت آپ حکم فرمائیں۔ پانچ بجے' چھ بجے' سات بجے۔"

"ٹھیک ہے ان اوقات میں کسی وقت بھی بھیج دو۔ میں انتظار کروں گی۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ یہاں آ کر مجھ سے مل لے۔ لیکن ٹھیرو۔ بہتر ہوگا کہ اسے ساڑھے آٹھ بجے تک میرے پاس بھیج دو۔ وہ پوشیدہ طور پر میرے پاس آئے۔۔۔۔ نواب آف ہدایت پور کی حویلی ہدایت پور کے لیے کوئی اجنبی جگہ نہیں ہے کسی بچے سے بھی پوچھا جائے تو وہ اس حویلی کا پتہ بتا دے گا۔ لیکن اپنے نمائندے سے کہنا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے حویلی کے عقبی حصے میں اس جگہ پہنچ جائے' جہاں چوبرجی بنی ہوئی ہے۔ چوبرجی کے نیچے وہ ہمارا انتظار کرے۔ ہم خود ہی اس سے مل لیں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" سعدی نے جواب دیا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

سعدی مسرت سے کھل اٹھا تھا۔ ظفری اور شکیلہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ کوئی معاملہ ہی آپڑا ہے۔ وہ متجسس نگاہوں سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ اور سعدی نے انہیں مکمل تفصیلات بتا دیں۔

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور بہت بڑی شخصیت ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں یقیناً' تو کوئی معمولی شخصیت ہم سے رجوع ہی کب کرتی ہے۔" سعدی بولا۔ "تم تو تیار ہونا ظفری۔"

"بالکل۔" ظفری نے جواب دیا۔ پھر بولا "لیکن مجھے یہاں سے کس وقت جانا ہے؟"

"ساڑھے آٹھ بجے ملاقات کا وقت مقرر ہے۔ ہدایت پور پہنچنے میں گھنٹے سوا گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تم اگر چاہو تو چھ بجے روانہ ہو جانا۔" سعدی نے کہا اور یہ بات طے ہو گئی کہ ظفری ٹھیک چھ بجے ہدایت پور روانہ ہو جائے گا۔

مضطرب صاحب بھی اس گفتگو میں دل چسپی لے رہے تھے۔ بہر صورت سارے معاملات طے ہو گئے اور اسی شام چھ بجے ظفری اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہدایت پور چل پڑا۔

رات کا سفر زیادہ دل کش نہیں تھا۔ ہوا تیز چل رہی تھی اور اس میں گرد بھی شامل تھی۔ بہر صورت شام ہو چکی تھی' اس لیے موسم کی شدت باقی نہیں رہی تھی اور ظفری کو یہی آسانی حاصل تھی۔

سڑک سنسان تھی۔ بعض جگہ ناہموار بھی تھی۔ کئی جگہ نشیب وفراز سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ پھر وہ ایک نشیب سے اوپر ابھرا ہی تھا کہ اسے بیچ سڑک پر کوئی کھڑا نظر آیا۔ وہ دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ظفری ذرا قریب پہنچا تو اس نے ہاتھ ہلانے والے کو بغور دیکھا۔ لباس سے وہ کوئی لڑکی ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھک سے ہو گیا تھا۔ اس ویرانے اور سنسان مقام پر کسی لڑکی کی موجودگی بڑی تعجب خیز بات تھی۔ اس نے پریشانی سے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر فیصلہ کر لیا کہ اسے رکنا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی ضرورت مند ہی ہو۔ چنانچہ موٹر سائیکل کی رفتار سست ہو گئی اور چند ساعت کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا رکا۔

درمیانہ درجے کے لباس میں ملبوس ایک انتہائی خوبصورت نقش ونگار کی مالک لڑکی تھی' جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار تھے۔

"کیا بات ہے' آپ اس ویرانے میں تنہا کیسے کھڑی ہیں۔" ظفری نے سوال کیا۔

میں لڑکی پرخیال انداز میں بولی، میں کائنات کے ویرانے میں بالکل تنہا ہوں' تم تو صرف اس معمولی سے ویرانے کی بات کر رہے ہو۔

"سبحان اللہ۔ میرا خیال ہے کہ شاعرہ ہیں آپ۔" ظفری نے سوال کیا۔

"ہاں دکھ کو کسی بھی انداز میں کہہ لو۔ منظوم کہہ لو نثر میں کہہ دو۔ وہ دکھ ہی ہوتا ہے۔ اسی پر داد بھی دی جا سکتی ہے' مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے۔ کسی کا کیا جاتا ہے۔" وہ دردناک انداز میں بولی اور ظفری سنجیدہ ہو گیا۔

"محترمہ کسی راہ گیر کے سامنے اس قسم کے مکالمے نہیں بولے جاتے ہیں۔" آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ فرمائیں۔" ظفری نے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟"

"ہدایت پور۔" ظفری نے جواب دیا۔

"مجھے وہاں چھوڑ دو گے؟"

"اگر آپ موٹر سائیکل پر بیٹھنا پسند کریں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میں' اگر تم مجھے پیدل بھی لے جانا چاہو تو میں تیار ہوں۔ کوئی ہمسفر ملے۔ کوئی تو اتنا ہو جو ذرا سی قربت دے سکے۔" لڑکی نے کہا اور ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں لڑکی غلط تو نہیں ہے۔ لیکن چہرے مہرے سے وہ کسی شریف گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ اور نا ہی اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جن سے ظفری کے شبہے کی تصدیق ہوتی۔

"ہدایت پور میں آپ کہاں جائیں گی۔" اس نے سوال کیا۔

"آپ کی موٹر سائیکل کا پٹرول جل رہا ہے' کیا آپ انجن بند نہیں کر سکتے۔" لڑکی بولی۔

"اوہ جی ہاں۔" ظفری نے جواب دیا اور انجن بند کر دیا۔ پھر وہ موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا سڑک کے کنارے لے آیا۔ تھوڑی سی معلومات حاصل کیے بغیر لڑکی کو پیچھے بٹھانا بھی مناسب

نہیں تھا۔ "جی ہدایت پور میں آپ کہاں جائیں گی۔"

"بس انسانوں کی ایک آبادی میں پہنچ جاؤں گی اس سے زیادہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ بتا چکی ہوں کہ اس جہاں میں تنہا ہوں۔"

"محترمہ کہیں سے تو تشریف لائی ہوں گی آپ۔۔۔۔؟ اس سے پہلے کہاں تھیں اور اس ویران سڑک پر کیا کر رہی تھیں؟"

"کسی ایسے شخص کا انتظار جو مجھے پناہ دے سکے۔"

"اوہو ہو ہو۔" ظفری چونک پڑا۔ "میں معذرت خواہ ہوں بی بی' پناہ وغیرہ تو نہیں دے سکتا۔ البتہ موٹر سائیکل پر لفٹ ضرور دے سکتا ہوں۔ وہ بھی صرف ہدایت پور تک' اور زیادہ وقت بھی نہیں دے سکتا آپ کو۔ اس لیے کہ مجھے ایک ضروری کام سے ہدایت پور پہنچنا ہے۔"

"کہاں جائیں گے۔" لڑکی نے سوال کیا۔

"بس بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔ ملازمت وغیرہ کا سلسلہ ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"بیگم جہاں آرا ہدایت پور؟"

"جی ہاں۔ آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"ہاں مشہور خاتون ہیں۔ بہر صورت مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ مجھے ہدایت پور ہی میں کسی جگہ چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" لڑکی نے کہا۔

"تشریف رکھیے پھر۔" ظفری بولا اور اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ لڑکی ظفری کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عقب سے لڑکی کی آواز ابھری۔

"نام کیا ہے آپ کا؟"

"ظفری کہتے ہیں خادم کو۔"

"ظفری صاحب کیا آپ کے سینے میں دل نہیں ہے۔" لڑکی بولی۔

"جی ہاں ہے۔ مگر پسلیوں کے خول میں دبا دبایا رکھا ہے۔ بات بات پر اچھل نہیں پڑتا۔ ویسے آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔"

"ظفری صاحب مجھے سہارا چاہیے۔"

"تو آپ مضبوطی سے میری پشت پکڑ لیں۔" ظفری بولا۔

"مذاق مت کریں۔ میں۔۔۔۔ میں آپ کو اپنی زندگی کا سہارا بنانا چاہتی ہوں۔" لڑکی بولی۔ اور ظفری نے موٹر سائیکل کو بریک لگا دیے۔ لڑکی کا پورا وزن اس کی پشت پر آ پڑا تھا۔

"محترمہ میں بڑا غریب آدمی ہوں۔ ایک ضروری کام سے ہدایت پور جا رہا ہوں جس کا تعلق میرے معاش سے ہے۔ میں مذاق میں بھی یہ بات برداشت نہیں کر سکتا۔"

"آہ' کسی کی پر خلوص پیشکش کو مذاق نہ سمجھیں۔"

"ارے واہ' کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ یہ پر خلوص پیش کش کرنے کے لیے ہی آپ سڑک کے درمیان میں کھڑی ہوئی تھیں۔"

"میں نے کہا نا مجھے کسی سہارے کی تلاش تھی۔"

"معاف کیجیے میں بڑا کمزور سہارا ہوں۔ آپ کے کسی کام نہ آ سکوں گا۔"

"دیکھو مان جاؤ میری بات۔"

"بی بی اگر آپ نے فضول باتیں کیں تو میں یہیں آپ کو اتار دوں گا اور اس کا خیال بھی نہیں کروں گا کہ سڑک سنسان ہے اور آپ کو کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔"

"ساری دنیا ہی ظالم ہے' لیکن میری ایک پیش کش سن لو۔" لڑکی دردناک آواز میں بولی۔

"جی جی سنائیے سنائیے۔۔۔" ظفری نے کہا۔

"اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

"سبحان اللہ' یہ پیش گوئی ہے یا دھمکی۔" ظفری نے پوچھا۔

"دھمکی تو میں دنیا میں کسی کو نہیں دے سکتی۔ صرف پیش گوئی کرتی ہوں۔"

"ہوں۔" ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں اور اس بات کو بھی نوٹ کرلو کہ میں نے آج تک جتنی پیش گوئیاں کی ہیں' حرف بحرف پوری ہوئی ہیں۔"

"اپنے بارے میں آپ نے کوئی پیش گوئی کی۔" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں کی ہے لیکن وہ میں کسی کو بتاؤں گی نہیں۔"

"خوب' بہرصورت میرے لیے اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ میں کسی لڑکی کا شوہر بن جاؤں اور کسی ایسی لڑکی کا جو مجھے کسی سڑک کے درمیان کھڑی ملی ہو۔ ویسے آپ کی باتیں مجھے بڑی عجیب لگ رہی ہیں' حالانکہ شکل سے آپ ایک اچھی خاصی باوقار لڑکی معلوم ہوتی ہیں' لیکن یہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو شادی کی دعوت دینا۔ ارے توبہ توبہ۔۔۔" ظفری نے کہا۔ وہ لڑکی کی باتوں پر حیران بھی تھا اور ان میں دلچسپی بھی لے رہا تھا۔ سمجھ نہیں پایا تھا وہ اب تک کہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ چہرے سے شریف معلوم ہوتی تھی' لیکن اس بے باکی سے شادی کی دعوت دینا اور وہ بھی کسی ایسے آدمی کو جس نے اسے چند لمحات قبل دیکھا تھا' نہایت تعجب خیز بات تھی۔

ظفری گہرے انداز میں سوچ رہا تھا' کوئی گھپلا بھی ہو سکتا تھا۔ اگر ہدایت پور میں داخل ہو کر یہ لڑکی شور مچا دے کہ یہ شخص مجھے اغواء کر کے لے جا رہا ہے تو وہ کیا کرے گا۔ خواہ مخواہ مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

لڑکی بھی کسی خیال میں گم ہو گئی تھی۔ ہدایت پور کے آثار نظر آنے لگے۔ اور ظفری نے کام دکھایا۔ اس نے اطمینان سے پٹرول سپلائی سوئچ آف کر دیا۔ اور موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا۔

"ارے یہ کیا مصیبت آ گئی۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔ اور پھر دونوں موٹر سائیکل سے نیچے اتر آئے۔ ظفری نے لڑکی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ موٹر سائیکل میں ککیں لگانے لگا۔ لیکن پٹرول کی سپلائی ہی بند تھی وہ اسٹارٹ کیا ہوتی۔

"لگتی تو نئی ہے قسطوں پر خریدی تھی کیا؟" لڑکی کی آواز ابھری۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا۔" ظفری گہری سانس لے کر بولا' پھر وہ موٹر سائیکل کو لے کر پیدل دوڑنے لگا۔ اس دوران اس نے چالاکی سے سپلائی کھول دی تھی اور پھر نہایت پھرتی سے اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور ہوا ہو گیا۔ لڑکی کی دو تین چیخیں اسے سنائی دی تھیں۔ لیکن اب کون سنتا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ہدایت پور میں داخل ہو کر حویلی کی طرف چل پڑا جواب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

عظیم الشان حویلی تھی' ظفری اس کی شان دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے موٹر سائیکل پر ایک چکر حویلی کے اطراف کا لگایا تھا۔ اور وہ جگہ بھی دیکھ لی تھی جو حویلی کی عقبی چوبرجی تھی۔ اس چوبرجی کے نیچے پہنچنا مشکل کام نہیں تھا۔

چوبرجی سے کچھ دور ایک چھت پر اس نے کچھ انسانی سائے دیکھے تھے۔ بہرحال اس نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ آٹھ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ اس نے ایک مناسب جگہ پر موٹر سائیکل روک دی اور انجن بند کر کے اسے اسٹینڈ پر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ ٹہلنے کے سے انداز میں چوبرجی کی طرف چل پڑا۔

لڑکی دیر تک اس کا ذہن الجھاتی رہی تھی لیکن اب اس نے اسے ذہن سے نکال پھینکا تھا۔ اس عظیم الشان حویلی کو دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ آف ہدایت پور کو ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ نیک نام خاتون تھیں۔ کوئی غیر قانونی مسئلہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ چوبرجی کے نیچے پہنچ گیا۔ تاریکی ضرور پھیل چکی تھی لیکن دور روشنیاں جل رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے یہ جگہ بھی گہری تاریک نہیں تھی۔ ظفری گھڑی دیکھنے لگا۔

دفعتاً اس پر چاروں طرف سے ٹارچوں کی تیز روشنیاں پڑیں اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پھر ایک دھاڑ ابھری۔ "خبردار' ہلنا نہیں اپنی جگہ سے ورنہ پورے بدن میں سوراخ ہو

جائیں گے۔"

"خبردار، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔۔۔۔ ہلنا مت۔۔۔۔ ہلنا مت۔"

دوسری آوازوں نے کہا۔ اور ظفری بری طرح بوکھلا گیا۔ اس نے روشنیوں سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے تھے۔ اور پھر بہت سے لوگ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

"پکڑلو۔۔۔۔ جکڑلو۔۔۔۔ جانے نہ پائے۔" آوازیں ابھر رہی تھیں۔ بہت سے لوگوں نے ظفری کو کس لیا تھا۔ اور ظفری کے حواس ایک لمحے کے لیے رخصت ہو گئے تھے۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"ماروں سرکار اسے۔" کسی نے پوچھا۔

"نہیں بس خاموشی سے لے چلو۔" بیگم صاحبہ نے کہا تھا۔ دوسری آواز نے کہا۔

"جی، چل بے۔" ظفری کو گھسیٹا جانے لگا۔ ابھی تک ظفری کے حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکل سکا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے اس نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔ اور پھر اتنے افراد تھے کہ وہ ان کی گرفت سے نکل بھی نہیں سکتا تھا۔

بہرحال وہ اسے دبوچے ہوئے لے چلے اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک روشن کمرے میں لے جایا گیا۔ سرخ پتھر کی سلوں سے بنا ہوا کمرہ تھا جس پر ایک مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا۔

"سرکار شکل سے تو سالا چور نہیں لگتا۔۔۔۔" ایک ملازم قسم کے آدمی نے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" دوسرا آدمی دھاڑا۔ اور پھر ظفری کو فرش پر دھکا دے دیا گیا۔ وہ سب دروازے کی طرف چل پڑے اور ظفری کو ہوش آ گیا۔

"ارے ارے، کیا بدتمیزی ہے۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں۔۔۔۔" اس نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔ اور اس قوی ہیکل شخص نے پستول نکال کر اس کا رخ ظفری کی طرف کر دیا۔ جو اب تک ملازموں کو ہدایات دیتا رہا تھا۔

"یہ حقیقت ہے دوست، تمہیں خاموشی سے ہلاک بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیوں جان سے ہاتھ دھونا چاہتے ہو۔"

"مگر میرا قصور۔۔۔۔؟" ظفری بولا۔

"خود اپنے ضمیر سے سوال کر لو۔" اس نے کہا۔ "اسے تم لوگ اب تک کیوں روکے ہوئے ہو یہاں، بس جاؤ تمہارا کام ختم۔" اس نے دروازے میں کھڑے لوگوں سے کہا۔ اور پھر خود بھی دروازے کے پاس پہنچ کر بولا۔

"ٹھہرو انتظار کرو۔ صورت حال پہ غور کرو۔ میں اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ دروازے سے باہر نکل گیا اور دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔ ظفری نے گہری سانس لی۔ در حقیقت اسے صورتحال پر غور کرنا تھا۔ یہ سب ہوا کیا، یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ اس کی یہاں آمد کے منتظر ہوں۔ کوئی چال ہی لگتی تھی، مگر کیوں۔۔۔۔ کون لوگ تھے یہ حویلی تو بیگم ہدایت پور کی ہی تھی اور۔۔۔۔ اور کہیں کوئی بات پلے نہیں پڑ رہی تھی۔ ایک اتنی بڑی خاتون کو بھلا ان معمولی سے لوگوں سے کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔ اتنا تو انہوں نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی وساطت سے کسی کو دشمن بھی نہیں بنایا تھا۔ پھر یہ سب کیا معاملہ ہے؟"

لباس بری طرح مسل گیا تھا۔ وحشی ملازموں نے اسے کبوتر کی طرح دبوچ لیا تھا۔ گندے بھی تھے سسرے، لباس پر ان کے ہاتھوں کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ ظفری حتیٰ الامکان لباس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور پھر اس نے کمرے کے ماحول پر نگاہ ڈالی۔

خالی کمرہ تھا۔ کوئی فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں۔ بس اوپر چھت کے قریب ایک روشندان بنا ہوا تھا لیکن ان سپاٹ دیواروں سے گزر کر اس روشندان تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ روشندان قدیم طرز کا تھا۔ اس کے آگے ایک کارنس بنا ہوا تھا جو چوڑی سل کا تھا اور جس پر بہ آسانی بیٹھا جا سکتا تھا، لیکن اس کارنس پر شاید چڑیوں وغیرہ نے گھونسلے رکھ لیے تھے کیونکہ بہت سے تنکے لٹکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ چھت میں برقی قمقمہ روشن تھا اور ٹوٹی

چھوٹی وائرنگ ایک بورڈ تک پہنچی تھی جس میں چند پلگ لگے ہوئے تھے۔

"لعنت ہے، کمبختوں نے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ تک نہیں بنا رکھی۔" ظفری بڑبڑایا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ زمین پر ہی بیٹھا جائے۔

چنانچہ وہ ایک دیوار کے قریب بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل کے لمبے سفر نے تھکن بھی پیدا کر دی تھی۔ نیچے بیٹھ کر اس نے جوتے اتارے اور پاؤں پھیلا دیے۔

دماغ ابھی تک ٹھیک طور سے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، اس ناگہانی کا مقصد کیا تھا۔ اور یہ سب کیا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ میں کھلبلی ہو رہی تھی۔ ایک بہت بڑی شخصیت کا معاملہ تھا کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ مگر ان لوگوں سے کیا واسطہ تھا۔ کیا وہ فون غلط تھا جو سعدی کو ملا تھا۔ کوئی گہری سازش ہوئی تھی۔۔۔۔ لیکن سازشی کون تھے اور سازش کن کے خلاف تھی۔

ذہن میں خیالات کا انبار تھا۔ قرب و جوار میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک بار اسے خیال آیا تو وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے دروازے کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ پھر اسے زور زور سے بجانے لگا۔

لیکن دروازے کی نگرانی کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی وہ لوگ اس کی مضبوطی سے مطمئن تھے۔ چنانچہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ دروازہ پیٹنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ دیر تک وہ دروازہ بجاتا رہا۔ پھر تھک ہار کر دوبارہ زمین پر آ لیٹا۔ کوئی صورت نہیں تھی سوائے اس کے کہ پیش آنے والے حالات کا انتظار کیا جائے۔ نیند آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، حالانکہ اعضاء پر شدید تھکن طاری تھی۔ غالباً یہ تھکن اس وجہ سے اور بڑھ گئی تھی کہ وہ ذہنی طور پر پریشان تھا۔

دفعتاً روشندان کے پاس کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ غالباً روشندان کے سامنے بنے ہوئے کارنس پر بیٹھی چڑیوں کو کوئی الجھن محسوس ہوئی تھی۔ دو چڑیاں پھڑپھڑاتی ہوئیں کمرے کی چھت کے دوسری طرف اڑنے لگیں۔ گھونسلے کے تنکے نیچے گرے اور چند ساعت کے بعد ظفری کو کارنس

پر دو ہاتھ نظر آئے۔ وہ اچھل کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ چھت پر لگے ننگے بلب کی روشنی میں دو سفید ہاتھ آگے بڑھے اور پھر ایک انسانی چہرہ نظر آیا۔

لمبے لمبے سیاہ بال لٹکے ہوئے تھے۔ ظفری کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے ذہن میں بہت سے دہشتناک خیالات در آئے۔ لیکن پھر جو چہرہ ان بالوں کے درمیان نمایاں ہوا اس نے ظفری کے ذہن کو ایک اور جھٹکا دیا۔ اگر اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں تو یہ شکل اجنبی نہیں تھی۔

سو فیصدی وہی تھی۔ سو فیصدی وہی لڑکی جو اسے راستے میں ملی تھی اور اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہدایت پور تک آئی تھی، یقیناً یہ وہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی، حالانکہ روشندان میں اس کا نظر آنا ایک ہولناک سی بات تھی لیکن ظفری کے ہونٹ بھنچ گئے۔

لڑکی نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجائی اور پھر آہستہ سے ہنس پڑی۔ "کیسے مزاج ہیں دوست۔۔۔۔؟" اس نے سوال کیا۔

"تم کوئی بدروح معلوم ہوتی ہو۔" ظفری بولا

ہاں بہت بری روح ہوں جس سے چمٹ جاؤں، بس اس کا ستیاناس سمجھو۔ تمہیں میری پیش گوئی یاد نہیں۔ میں نے کہا تھا نا کہ اگر تم میری مدد پر آمادہ نہ ہوئے تو کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے۔" لڑکی بولی اور ظفری سوچنے لگا۔ واقعی لڑکی نے یہ الفاظ کہے تھے۔ "تو تم۔۔۔۔ تو تم واقعی بدروح ہو؟"

"شکل سے بدروح نظر آتی ہوں تمہیں۔۔۔۔؟" وہ چوکر بولی۔

"نظر تو نہیں آتیں، مگر جو کچھ نظر آتی ہو، وہ بھی نہیں ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میرا خیال ہے تم میرا مطلب بخوبی سمجھ رہی ہو۔"

"چلو ٹھیک ہے، اپنی اپنی سوچ، اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ مان لیتی ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اور ایک بار پھر تمہیں پیش کش کرتی ہوں کہ اگر تم میری ہدایات پر عمل کرو تو خوش رہو گے ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"تم نیچے سے نہیں آسکتیں۔"

"جی نہیں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔" وہ گردن ہلا کر بولی۔

"اوپر سے گر تو نہیں پڑو گی۔۔۔؟"

"اتنی کمزور بھی نہیں ہوں۔" لڑکی نے اسی انداز میں کہا۔

"تم آخر ہو کون؟"

"نام بتاؤں اپنا۔" لڑکی نے کہا۔

"بتا دو۔ میں واقعی کسی آسیبی چکر میں پھنس گیا ہوں۔" ظفری بولا۔

"ابھی کہاں پھنسے ہو، ابھی پھنسو گے۔ لیکن اگر میری بات مان لو تو یقین کرو بہت سی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔"

"کیا بات مان لوں تمہاری۔۔۔؟"

"یہی کہ میرے شوہر بن جاؤ۔" لڑکی بولی۔

"بی بی میں پہلے بھی آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ مجھے چڑیلوں اور جنگل پریوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میری نگاہ میں ہر لڑکی میرا مطلب ہے کہ تم جیسی لڑکی کسی چڑیل سے کم نہیں ہوتی، ہر چند کہ تم مجھے عجیب و غریب حالات میں اور ایسی جگہ نظر آئی ہو لیکن یقین کرو نہ تو میں تم سے خوفزدہ ہوں اور نہ ہی پریشان۔ ہاں کچھ متعجب ضرور ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"وہ تو تمہاری آواز ہی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم کتنے نڈر آدمی ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ ظفری غصیلے انداز میں بولا۔

"ہاں ہاں مرچیں مت چباؤ، سنجیدگی سے سنو، تمہارا مستقبل خطرے میں ہے، جانتے

ہو تم کون سی جگہ ہو؟"

"جی ہاں جانتا ہوں" ظفری بولا۔

"یہاں تم لاتعداد مصیبتوں میں پھنس سکتے ہو۔ میں جو کچھ تم سے کہوں اسے مان لو، ورنہ اپنے پریشان مستقبل کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ انسانوں کی طرح نیچے آ کر مجھ سے بات کرو۔ تمہارا اس حویلی سے کیا تعلق ہے۔۔۔؟ یہاں کیسے نازل ہو گئیں۔ اور۔۔۔"

"جی بندی کو سمن آرا کہتے ہیں۔ نواب ہدایت پور کی بیٹی ہوں اور بیگم جہاں آرا کی بھتیجی نور نظر۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟" ظفری کا منہ شدت حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یہ بات میں تم پر رعب ڈالنے کے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تم سے میں ایک خاص مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ کیا خیال ہے دوست کیا تم نے کبھی کرائے کے شوہروں کے بارے میں کچھ سنا ہے۔۔۔؟"

"کرائے کا شوہر" ظفری زیر لب بولا۔

"ہاں ہاں کرائے کا شوہر۔ چلو زندگی بھر کے لیے نہ سہی۔ کچھ ہفتوں کے لیے تم میرے شوہر بن جاؤ۔ اس میں کیا حرج ہے۔ ذرا تجربہ بھی ہو جائے گا، بیوی کے ساتھ رہنے کا۔ اور پھر چند ہفتوں ہی کی تو بات ہے۔ میں تمہیں اس شوہریت کا باقاعدہ معاوضہ ادا کروں گی۔"

"کیا تم واقعی نواب ہدایت پور کی بیٹی ہو؟"

"اس کی تصدیق تو تمہیں ہو جائے گی۔ بشرطیکہ تم شرافت سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہو۔"

"دیکھو لڑکی اگر تمہیں واقعی اتنے اختیارات حاصل ہیں اور تم چوروں کی طرح چھپ کر یہاں پہنچی ہو تو پھر نیچے آؤ۔ دروازہ کھولو۔ مجھ سے بات کرو۔ اگر کوئی ایسی صورت حال ہوئی کہ میں

تم سے تعاون کر سکا تو ضرور کروں گا۔"

"میری بات بھی سن لو ظفری صاحب۔ میں سب کچھ ہوں احمق نہیں ہوں۔ اگر میں تمہارے کمرے میں گھس گئی تو خود میری گردن پر مصیبتوں کے پہاڑ آ پڑیں گے۔ اور پھر جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں چاروں طرف سناٹا ہے۔ تمہارے کمرے کے اطراف میں کوئی موجود نہیں ہے۔ تم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کرو بلکہ یوں کرو کہ اندر سے دروازہ بھی بند کر لو۔ اوّل تو کوئی تمہاری آواز سن نہیں سکے گا اور اگر کسی نے سن بھی لی تو سوچے گا کہ پاگل پن میں بڑبڑا رہے ہو۔ ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اگر تم میری شرائط ماننے پر آمادہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہارے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں ورنہ اپنی تمام تر مشکلات کے ذمہ دار تم خود ہو۔"

ظفری گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے ذہن پر پے در پے ضربیں پڑ رہی تھیں۔ لڑکی ہدایت پور سے کافی فاصلے پر ملی تھی سڑک پر تنہا تھی۔ اس کے ساتھ یہاں تک آئی تھی اور اب کہہ رہی تھی کہ وہ نواب آف ہدایت پور کی بیٹی ہے۔ نجانے کیا مسئلہ ہے، کیا سلسلہ ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بہرصورت اس نے سوچا کہ حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہیے۔ لڑکی کا مقصد تو معلوم ہو جائے۔ زبردستی کون کسی کا اپنا شوہر بنا سکتا ہے۔ اب جب پڑ ہی گئی تو نمٹنا ہی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے انداز میں ذرا سی تبدیلی پیدا کی اور گہری سانس لے کر بولا۔

"تم بہت ستم ظریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم نواب ہدایت پور کی بیٹی ہو تو بہرصورت مجھے تمہارا احترام بھی کرنا پڑے گا۔ کہو کیا مقصد ہے تمہارا۔۔۔؟

"دیکھو میں تمہیں بتا دوں، ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو میں نے ہی فون کیا تھا، بس ذرا سی آواز بدل لی تھی۔"

"کیا۔" ظفری پھر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ فون پر میری جو بات تمہارے ساتھی سعدی سے ہوئی تھی، میں اس پر مکمل طور پر اب بھی کاربند ہوں۔"

"تم سعدی کو بھی جانتی ہو۔۔۔؟"

"ہاں بھئی تمہارے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی میں نے یہ حرکت کی تھی۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"احمقوں کی طرح جلدی جلدی سوالات نہ کرو۔ ایک ایک بات کلیئر کرتے چلیں۔ اس کے بعد گفتگو کریں گے۔"

"جی جی فرمائیے۔" ظفری گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"دیکھو ظفری تمہارا معاوضہ پچیس ہزار روپے ہوتا ہے نا تم یقین کرو میں پانچ ہزار روپے زیادہ تمہیں ادا کر سکتی ہوں، بلکہ اگر تم تیار ہو جاؤ تو یہ ادائیگی اب سے تھوڑی دیر کے بعد ہی اس روشندان سے ہو سکتی ہے۔"

"خیر خیر آگے فرمائیے۔ وہ فون آپ نے کیوں کیا تھا؟"

"میں نے کہا نا تمہاری امداد حاصل کرنے کے لیے۔"

"اور اس کے بعد آ راستے میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔"

"ہاں بھئی تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"پھر آپ نے مجھے پہچان کیسے لیا تھا؟"

"نہیں پہچانا نہیں۔ بس ایک اندازہ تھا میرا۔ کتنا درست نکلا یہ تم خود سوچ سکتے ہو۔"

"اگر میرے علاوہ تمہیں کوئی اور شخص مل جاتا تو۔۔۔؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ میرا کیا بگاڑ لیتا، پستول تھا میرے پاس۔ اگر کوئی گڑبڑ شخصیت ہوتی تو وہیں اس کا حساب کتاب چکا دیتی۔ لیکن اتفاق سے تم ہی نظر آ گئے۔ ویسے تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ میں نے تمہارا ایک خاکہ اپنے ذہن میں تیار کر لیا تھا۔"

"تعجب کی بات ہے بے حد ذہین لڑکی ہو۔"

"ہاں ذہین تو میں ہوں، لیکن کیا کروں، بس ایک مصیبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی جس پر میں عمل کر رہی ہوں۔"

"کیا مصیبت ہے۔۔۔؟"

"یار ظفری دیکھو کوئی فراڈ کرنے کی کوشش مت کرنا اب سے کچھ وقت قبل لحاتی ساتھی رہ چکے ہیں، لیکن اس بات کا امکان بھی ہے کہ اگر تم میری بھرپور مدد کرو تو میں تمہاری بہترین ساتھی بن سکتی ہوں۔ جہاں تک رہی شوہر وغیرہ کے مسئلے کی بات، تو شاید تم یقین نہ کرو، لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ میں شوہر نام کی کسی بھی شے سے نفرت کرتی ہوں، البتہ اس سلسلے میں مجھے اتنی ضرورت پیش آئی ہے کہ مجھے ایک کرائے کا شوہر درکار ہے۔"

"چلو تم نے اطمینان تو دلایا، لیکن یہ تمہیں کرائے کا شوہر کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"تفصیلات بعد میں بتائی جائیں گی، البتہ بتا ضرور دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"بیگم جہاں آرا صاحبہ۔۔۔۔ میرا خیال ہے کل صبح تم سے ملاقات کریں گی۔ تم صرف ایک بات کہو گے ان سے۔"

"وہ کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"یہی کہ ڈیڑھ دو سال قبل میری تم سے شادی ہو چکی ہے۔"

"گویا بیگم جہاں آرا ہدایت پور صاحبہ کی صاحبزادی سے۔ ارے باپ رے۔"

"ہاں۔ ہماری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور ہم ایک دوسرے سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ ہم نے خفیہ طور پر شادی کر لی۔ تم بیگم صاحبہ سے وعدہ کرو گے کہ یہ کاغذات میرا مطلب ہے شادی کے کاغذات تم انہیں مہیا کر دو گے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ وہ کتنی ہی صاحب اختیار کیوں نہ ہوں میں وہ کاغذات تمہیں مہیا کر کے دوں گی۔ بس تمہیں میری وجہ سے کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ دوسروں کی مدد کرنے کا ارادہ ہے نا۔۔۔۔ میں

تمہیں تمہارے بھرپور معاوضے کے ساتھ اپنی مدد کرنے کی پیش کش کرتی ہوں۔ تم میرے لیے کام کرو۔"

"مگر اس طرح۔۔۔؟"

"ہاں ہاں یہ سب کچھ مجبوری تھی۔ جب میں تمہیں تفصیلات بتاؤں گی تو تم سب کچھ سمجھ لو گے۔ اس وقت تمہیں اتنا ہی کرنا ہے اور بڑی ثابت قدمی سے کرنا ہے کہ تم امی کو یہی بتاؤ کہ تم میرے شوہر ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"یعنی ثمن آرا ہدایت پور کا۔۔۔۔"

"جی ہاں اتنی لمبی چوڑی بکواس کی ضرورت نہیں ہے میں صرف ثمن ہوں، البتہ دوسروں کے سامنے تم مجھے چھتیس القاب کے ساتھ یاد کر سکتے ہو۔"

"تعجب ہے، تعجب ہے۔" ظفری نے کہا۔

"تعجب کی بات نہیں، جب تم حقیقت سنو گے تو تمہیں خود ساری باتوں کا علم ہو جائے گا، لیکن اگر تم اس سلسلے میں ثابت قدم نہ رہے تو ظفری میں تمہاری دشمن بن جاؤں گی اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا، اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"مگر مجھے پوری تفصیل تو بتا دی جاتی۔" ظفری بولا۔

"میں نے کہا نا تم حالات سے نمٹو۔ میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں گی اور بالکل بے فکر رہنا میں تمہاری پشت پر ہوں۔ تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہاری ہر طرح سے امداد کروں گی۔ اور کوئی تمہیں اس وقت نقصان نہیں پہنچا سکے گا جب میں زندہ نہ ہوں گی۔"

"ہوں۔" ظفری نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر بولا

"ٹھیک ہے میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ ظفری، یقین کرو جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اس میں ذرا سی بے اعتمادی شامل تھی۔ میں اگر تم سے براہ راست ملتی تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ تم لوگ تیار نہ

ہوتے۔ میں بس اسی قسم کی لڑکی ہوں۔ میری خواہش تھی کہ ہر طرح سے تم میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس کے لیے جو میں نے تم سے ذرا سی گڑبڑ کی ہے اس کے لیے میں تم سے بعد میں معافی مانگ لوں گی۔ اور معافی کے ساتھ معاوضے کی رقم دگنی بھی کر دو گے تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہو گی۔ لیکن ڈیر ظفری، پلیز معاوضے کے لیے بھی اور انسانی ہمدردی کے طور پر بھی تم میری مدد کرو۔ یہ انتہائی ضروری ہے، تم اپنی تمام تر قوتیں اس بات پر صرف کر دو گے کہ بیگم جہاں آرا کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ تم میرے شوہر ہو۔ اس کے لیے تم جو جھوٹ چاہو، بول سکتے ہو۔ میں نے اس بات کا انکشاف تو کر دیا ہے لیکن کسی کو تفصیل نہیں بتائی۔ جو کچھ تفصیل تم بتاؤ گے وہی آخر تک رہے گی۔ باقی تم کسی مصیبت میں نہیں پھنس سکو گے، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے محترمہ میں تیار ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ ظفری، کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں اسی روشندان کے ذریعے پہنچا دوں۔"

"کھایا پیا کچھ نہیں ہے، ساڑھے پانچ چھ بجے چلا تھا گھر سے۔"

"اوہ اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں کھانا تم تک پہنچاتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" ظفری نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔ اور وہ ہنس پڑی۔

"اچھا ڈیر خدا حافظ۔۔۔۔" وہ آہستہ سے پیچھے کھسکی اور پھر روشندان سے غائب ہو گئی۔ لڑکی تھی یا چھلاوہ، چھت کافی بلند تھی کمبخت بندر کی نسل۔ نہ جانے اوپر کس طرح چڑھی ہو گی۔ پتہ نہیں کھانے کے سلسلے میں کیا کرے۔ وعدہ تو کر کے گئی تھی۔ بھوک واقعی لگ رہی تھی اور خالی پیٹ کچھ سوچنا بے حد مشکل کام ہے۔

وہ بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد روشندان پر دوبارہ آہٹ سنائی دی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"ظفری!"

"ہاں ہاں میں زندہ ہوں۔"

"بڑے نازک مزاج ہو یار۔ اتنی سی دیر میں زندگی موت کی باتیں کرنے لگے۔"

"کچھ کام بن سکا۔" ظفری نے پوچھا۔

"لو کیچ کرو۔" لڑکی نے ایک بنڈل اسے دکھایا اور ظفری جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"سنبھال کر پھینکنا۔ کیا ہے اس میں۔"

"جو کچھ بھی مل سکا شکم پوری کے لیے لے آئی۔ اگر پسند نہ آئے تو معاف کر دینا۔" سمن نے کہا اور ظفری نے بنڈل پکڑ لیا۔

"تم دروازہ کھول کر نہیں آسکتیں۔"

"اوہ۔ اس طرف کا رخ کرنے میں بھی خطرہ ہے، سمجھا کرو۔ ایک راز کی بات ہے۔ اچھا میں چلی۔ کل سارے معاملات سے نمٹنے کے بعد ملاقات ہو گی! ہمت اور ہوشیاری سے سارے کام کرنا۔ میاں تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

لیکن ظفری اس کی بکواس سننے کے بجائے بنڈل کھولنے میں مصروف تھا۔ واقعی بہت کچھ تھا۔ پنیر، مکھن۔ ڈبل روٹی، کباب اور پانی کی ایک بوتل جو فرج سے نکال کر لائی گئی تھی۔

"او کے ظفری، خدا حافظ۔"

"دفعان ہو جاؤ۔" ظفری کباب منہ میں ٹھونستا ہوا بولا۔

"کیا کہا۔۔۔۔؟" اوپر سے آواز آئی۔

"خدا حافظ، خدا ہی حافظ۔۔۔" ظفری جلدی سے بولا اور اوپر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

ذرا سی دیر میں معدہ پر ہو گیا۔ پانی پینے کے بعد ظفری ڈکاریں لینے لگا۔ اب اسے رات گزارنے کی فکر ہو گئی تھی۔ اس جگہ رات گزارنا بے حد مشکل کام تھا لیکن بہرصورت اگر پرانا وقت یاد کر لیا جاتا تو پھر کوئی مشکل کام نہیں۔ جب فٹ پاتھوں پر بسر ہوتی تھی اور کھلے آسمان کے نیچے صرف کھردرے فرش کا بستر ہوتا تھا۔ چنانچہ ظفری گھٹنے موڑ کر لیٹ گیا۔ اس کی نگاہ اب بھی

کھلے روشندان پر تھی۔ اور پھر وہ حالات پر غور کرنے لگا۔ لڑکی کی بکواس اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرائے کا شوہر بنانا چاہتی تھی وہ اسے۔ کم بخت نے آواز بدل کر فون کیا تھا۔ اور اسے مصیبت میں پھنسا دیا۔ ظفری سوچتا رہا۔ پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے مس آرا ہدایت پور، میں تمہاری تمام ہدایات پر عمل کروں گا ایسا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔''

رات کو نجانے کون سے پہر اسے نیند آ گئی۔ بہر صورت پھر سورج چڑھے ہی آنکھ کھلی تھی۔ روشندان سے سورج کی ایک شعاع دیوار پر پڑ رہی تھی۔ اور سفید دھبہ پورے کمرے کو منور کیے ہوئے تھا۔ ظفری نے ایک انگڑائی لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھڑی میں وقت دیکھا پونے دس بج رہے تھے۔ ٹھاٹھ کی نیند سویا تھا۔ دراصل انسان کو ہر چیز کا عادی ہونا چاہیے۔ یہ زمین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی سوائے اس کے کہ کپڑے کچھ اور گندے ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک کسی نے توجہ کیوں نہیں دی اس کی طرف اسی وقت دروازے پر آہٹ ہوئی اور وہ چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک ٹرے اٹھائے ہوئے تھا۔ پانی کا جگ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔

''منہ ہاتھ دھو لو اور ناشتہ کر لو۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''سنو۔'' ظفری کرخت لہجے میں بولا۔ ''کیا سمجھ کر گرفتار کیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔۔۔؟''

''اجی بابو جی۔ ہم کیا جانیں ان فضول باتوں کو۔ ناشتہ کرنا ہے تو کرو، ورنہ ہم واپس لیے جاتے ہیں۔'' ایک ملازم بولا۔

''ہوں۔ سر چڑھے معلوم ہوتے ہو۔ نوکر ہو نا۔''

''جی سرکار مگر آپ کے نہیں۔'' ملازم نے جواب دیا۔ ''اس لیے ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں۔'' ملازم خاصا اکھڑ معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے ظفری نے خاموش ہو جانا ہی مناسب سمجھا اور

بولا۔ ''میں ناشتہ نہیں کرتا۔ جاؤ جس نے ناشتہ بھیجا ہے اسے بتا دو۔''

''جی بہت اچھا۔'' ملازم نے جواب دیا اور وہ واپس پلٹ پڑا۔ ظفری کو افسوس ہوا تھا۔ اس کا تو خیال تھا کہ شاید ملازم ایک آدھ بار اور اس سے کہے گا۔ یوں بھی بہت زیادہ بھوک تو نہیں لگ رہی تھی لیکن ٹرے میں چائے موجود تھی اور چائے اس کی کمزوری تھی۔ ظفری خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ پھر جب ملازم کمرے سے باہر نکلنے لگے تو ظفری نے جلدی سے کہا۔

''سنو۔ ادھر آؤ۔ یہ ٹرے یہاں رکھ دو اور پانی کا جگ بھی۔'' ظفری اس انداز میں بولا کہ ان دونوں ملازموں نے ہنستے ہوئے ٹرے نیچے رکھ دی۔ ''اب جس نے بھی ناشتہ بھیجا ہے اس سے کہو کہ میں نے ناشتہ لے ضرور لیا ہے۔ لیکن کروں گا نہیں۔'' ظفری نے کہا اور دونوں ملازم باہر نکل گئے۔

منہ ہاتھ دھونا ضروری نہیں تھا۔ دانت صاف کر کے اس نے چائے کی دو پیالیاں حلق میں انڈیلیں۔ ناشتہ وغیرہ اتنا ضروری نہیں تھا بس ایک آدھ بسکٹ لے لیا تھا۔

اس کے بعد اسے بارہ بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ بارہ بجے چار آدمی اندر آئے تھے ان میں وہ بھی تھا جس نے رات کو اس کی گرفتاری کی نگرانی کی تھی۔

''سنو کیا عمر ہے تمہاری۔'' اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''ایک سو اکیس سال چھ مہینے بارہ دن، سالگرہ منانی ہے میری۔'' ظفری نے سوال کیا۔

''نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک سو ساٹھ سال تک زندہ رہو اور ابھی اس کم عمری میں تمہیں موت نہ آ سکے۔''

''مونچھوں کا فرق ہے ورنہ تمہاری شکل بھی میری ماں سے ملتی جلتی ہے، ان کی بھی یہی خواہش تھی۔'' ظفری بولا اور آنے والے کا ہاتھ بے اختیار ناک کے نیچے پہنچ گیا۔

''مگر میری مونچھیں کہاں ہیں۔'' وہ بولا۔

''میری ماں کی تھیں'' ظفری نے کہا اور اس کے ساتھ آنے والے بے اختیار ہنس

پڑے۔لیکن پھر اس شخص کی سخت نگاہوں کو دیکھ کر جلدی سے خاموش ہو گئے تھے۔ "یہ تمام طراری دھری رہ جائے گی۔تمہیں بیگم صاحبہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔"

"میں غیر شادی شدہ ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"بیگم ہدایت پور کی بات کر رہا ہوں میں۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"دوسروں کی بیگمات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ظفری نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"میں تمہاری کھال کھینچ سکتا ہوں سمجھے۔ بہت بااختیار ہوں میں۔ زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔"

"اوہو ہو۔ ہدایت پور میں قصائی کو بااختیار کہا جاتا ہے۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کہو کیسے نازل ہوئے۔" ظفری نے کہا اور قوی ہیکل شخص تلملا کر رہ گیا۔ ظفری نے اس کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی تھی اس کے نوکروں کے سامنے۔ چند لمحات وہ ظفری کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے، اپنے لیے قبر کھودو گے، میرا کیا ہے۔ آخری بات کہہ رہا ہوں کہ بیگم صاحبہ کے سامنے بے لگام ہونے کی کوشش مت کرنا، ورنہ میں باز نہ رہ سکوں گا۔"

"چلو یار۔ بکواس کرنے کے مریض معلوم ہوتے ہو تم۔ کب چلنا ہے بیگم صاحبہ کے سامنے؟"

"آؤ۔" اس نے کہا اور ظفری گہری سانس لے کر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ دفعتاً اسے کچھ یاد آیا۔ اور اس نے چونک کر کہا۔ "ایک بات سنو بڑے بھائی۔ میری موٹر سائیکل کھڑی تھی سامنے جھاڑیوں میں۔ کیا وہ وہاں محفوظ ہے۔"

"تھانے سے مل جائے گی تمہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"مل تو جائے گی نا، بس تمہارے گھر تک نہ پہنچنے پائے۔" ظفری نے کہا اور اس شخص کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بہرحال اس نے خاموشی اختیار کی تھی اور پھر مختلف راہداریوں سے گزرتے

ہوئے وہ ایک عظیم الشان ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرہ خوب روشن تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ ایک پہلوان نما آدمی ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس کی پتلون کی بیلٹ میں چمڑے کا ہنٹر لٹکا ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک خوبصورت میز پڑی تھی جس کے پیچھے بیگم جہاں آرا ہدایت پور بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے سرخ رنگ کا فون رکھا ہوا تھا۔

اس عورت کو دیکھ کر ظفری کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ بہت ہی خوش شکل اور پروقار عورت تھی۔ سنہری کمانی کے چشمے نے اس کی شخصیت اور پروقار بنادی تھی۔ اس کے خدوخال نرم تھے لیکن اس وقت ان میں کبیدگی گندھی ہوئی تھی۔ دوسرے ملازم چلے گئے۔ صرف وہ شخص رہ گیا جس سے ظفری الجھتا رہا تھا۔ یا پھر وہ جلاد نما شخص تھا جو دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

بیگم ہدایت پور ظفری کو گھورتی رہیں۔ ظفری بھی خاموش کھڑا تھا۔ اس کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"سلام کرو بیگم صاحبہ کو۔" اس شخص نے کہا۔

"پھر بولے تم خاموش نہیں رہ سکتے۔" ظفری نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ کھوکھلائی ہوئی نگاہوں سے بیگم ہدایت پور کو دیکھنے لگا۔

"نزدیک آؤ۔" بیگم ہدایت پور نے پہلی بار کہا۔ اور ظفری آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"صورت سے کسی شریف خاندان کے بچے معلوم ہوتے ہو، لیکن کیا تمہارا طرز گفتگو اور انداز شریفانہ ہے۔" بیگم ہدایت پور نے کہا۔

"بیگم صاحبہ آپ نے مجھے انٹرویو کے لیے بلایا ہے۔" ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔۔۔؟"

"مطلب یہ ہے کہ کیا میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا ہے جو مجھ سے شریفانہ گفتگو کی توقع رکھی جا رہی ہے۔"

"بے باک ہی نہیں گستاخ بھی معلوم ہوتے ہو۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"جی ہاں، ساری رات ننگے فرش پر سونے کے بعد آدمی گستاخ ہی نہیں، بدتمیز بھی ہو جاتا ہے، شاید آپ کو کبھی اس کا تجربہ نہ ہوا ہو۔"

"ہوں تو تمہارا کیا خیال تھا، ہم تمہیں کسی معزز مہمان کی طرح ریسیو کرتے۔ کیا تمہارے لیے کسی آرام دہ بستر کا بندوبست کیا جاتا۔ تم جو ہماری عزت کی طرف ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ اس بات کے متوقع کیوں تھے کہ ہم تمہارے ساتھ کوئی بہتر سلوک کریں گے۔" بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بیگم صاحبہ بعض اوقات غلط فہمیاں انسان سے اس کی حسین شخصیت چھین لیتی ہیں۔ آپ یقین فرمائیے کہ اگر آپ بیگم ہدایت پور ہونے کی بجائے صدر مملکت بھی ہوتیں اور آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی پرکشش بات نہ ہوتی تو میں آپ کی عزت نہ کرتا۔ لیکن آپ کے چہرے میں ایک انوکھی جاذبیت ہے ایک ماں کا سا خلوص چھپا ہوا ہے جو مجھے کہہ رہا ہے کہ میں اپنی زبان پر قابو رکھوں۔ چنانچہ جتنی گستاخی ہوئی اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آپ نے جو الفاظ کہے ہیں۔ انہوں نے مجھے چونکا دیا ہے۔ اب ذرا یہ فرمائیے کہ میں نے کس طرح آپ کی عزت کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔" ظفری نے کہا۔ بیگم ہدایت پور کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن کے آثار نظر آئے، پھر انہوں نے سامنے رکھی میز کی دراز سے ایک لفافہ نکال لیا۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتی رہیں، پھر اسے ظفری کی جانب بڑھاتے ہوئے بولیں!

یہ تحریر تمہاری نہیں۔" انہوں نے سوال کیا اور ظفری نے آگے بڑھ کر وہ پرچہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ بڑی خوبصورت رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا!

"ڈیر یمن۔

رات کو آ رہا ہوں، ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے چوبرجی کے ویرانے میں ملاقات کرنا۔ بہت سے مسائل پر بات کرنی ہے اور کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لینا ہے۔ حالات اب ناگزیر ہو

گئے ہیں۔

تمہارا وہ۔۔۔۔"

ظفری نے خط پڑھ کر ایک گہری سانس لی اور مستی سی شکل بنا کر بولا۔

"یقین فرمائیے بیگم صاحبہ اساتذہ کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ میری انگلش بہت عمدہ ہے اردو بہت اچھی ہے بس رائٹنگ خراب ہے۔ اگر ایسی حسین رائٹنگ میں لکھ لیتا تو نجانے کیا سے کیا ہو جاتا۔"

"گویا تم اس تحریر کو اپنی تسلیم نہیں کر رہے۔"

"جی ہاں، اس لیے کہ بدقسمتی سے یہ خط میرا نہیں ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ یہ شخص اور کیا کہہ سکتا ہے بیگم صاحبہ۔" وہی شخص بولا اور ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ شخص شاید ہر دوسرے منٹ بولتا ہے۔ آپ اسے خاموش رہنے کی ہدایت کریں اور میرے لیے کرسی منگوائیں۔" ظفری بولا

"اوہ۔ تم سیکریٹری صاحب کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"یہ آپ کے سیکرٹری ہیں۔" ظفری نے کہا اور ہنس پڑا۔ سیکرٹری بری طرح تلملا دیا تھا۔

"آپ مجھے اجازت دیں بیگم صاحبہ' میں اس کی زبان کھلوالوں گا' ایک ایک لفظ اس کے منہ سے نکلوالوں گا۔ آپ کی نرمی اسے شیر کر رہی ہے۔ ظاہر آگے آؤ۔۔۔!" سیکریٹری نے کہا اور ہنٹر والا شخص خونخوار نگاہوں سے ظفری کو گھورتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔

"ارے یہ بھی چلتا ہے! آپ یقین کریں بیگم صاحبہ میں اسے اسٹیچو سمجھا تھا۔" ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اور اس پہلوان نما شخص نے بیلٹ سے ہنٹر نکال لیا۔

بیگم ہدایت پور کے چہرے پر اضطراب کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور ظفری کے ہونٹ بھنچ گئے۔ "ہوں۔ تو یہ انتظام بھی کیا گیا ہے میرے لیے۔ ٹھیک ہے۔ بیگم صاحبہ۔ نوابی شان کے آخری

داؤ بھی ضرور آزمائیں۔ اس کے بعد ہی بات ہو سکے گی۔ اور سن لیں اگر یہ ظاہر میرے ہاتھوں غائب ہو جائے تو میرا قصور نہ ہوگا۔'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''طارق یہ تم نے کیا شروع کر دیا۔ میرے سامنے جنگ ہو گی؟'' بیگم ہدایت پور نے کہا۔ اور پھر ہنٹر والے کی طرف رخ کر کے بولیں۔ ''ظاہر باہر جاؤ' جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔'' اور ہنٹر والا ایک دم سست پڑ گیا۔ پھر وہ ظفری کو گھورتا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔

''جاؤ دعائیں دو بیگم صاحبہ کو۔ تمہاری جان بچالی' ورنہ ایسے غائب ہوتے کہ پھر نظر نہ آتے۔'' ظفری نے کہا۔

''بیگم صاحبہ۔'' سیکریٹری نے احتجاجی انداز میں کہا۔

''پرسکون رہو طارق۔ یہ شخص بہت خودسر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا انجام بہتر نہ ہوگا۔'' بیگم ہدایت پور نے کہا۔ اور پھر بولیں۔

''تو یہ تحریر تمہاری نہیں ہے؟''

''جی نہیں' میں نے زندگی بھر کسی لڑکی کو کوئی خط نہیں لکھا۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''پھر تم رات کو چوبرجی میں کیوں آئے تھے۔۔۔۔؟''

''کیا یہ شخص قابل اعتماد ہے۔'' ظفری سیکریٹری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''طارق قابل احترام بھی ہیں جبکہ تم اس کے ساتھ کافی بدتمیزی کر رہے ہو۔''

''سوچ لیں بیگم صاحبہ۔'' ظفری نے کہا۔

''کیا مطلب۔۔۔۔''

''جو انکشاف میں کروں گا' ممکن ہے سیکریٹری کے سامنے وہ آپ کے لیے قابل برداشت نہ ہو۔'' ظفری بولا' اور بیگم صاحبہ کے بدن میں لرزش ہونے لگی۔

''کیا انکشاف۔۔۔؟'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔

''اجازت ہے۔۔۔۔؟'' ظفری نے کہا۔

''جلدی کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہ تحریر میری نہیں ہے' ممکن ہے خود ثمن کی ہو۔ اور وہ خود ہی آپ پر اس راز کا انکشاف کرنا چاہتی ہوں۔''

''کون سے راز کا انکشاف۔'' بیگم صاحبہ کی آواز پھنس رہی تھی۔

''یہ بیگم صاحبہ۔۔۔ کہ خادم کو آپ کی فرزندی میں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میں ثمن کا شوہر ہوں۔۔۔۔!'' ظفری نے کہا۔ اور بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹک گئیں۔ ان کی آنکھوں میں بے پایاں خوف امڈ آیا تھا۔ طارق بھی ہونق ہو کر رہ گیا تھا۔

ماحول پر گہری خاموشی مسلط تھی لیکن بیگم ہدایت جہاں کے ذہن میں طوفان امنڈ رہے تھے۔ ہوائیں چیخ رہی تھیں' انہیں محسوس ہو رہا تھا' جیسے زمینیں ہل رہی ہوں۔ شدید زلزلے کی کیفیت ہو۔ انہوں نے گرنے سے بچنے کے لیے مضبوطی سے کرسی کی ہتھیوں کو پکڑ لیا تھا۔

طارق کی کیفیت بھی کافی خراب تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی بیگم ہدایت جہاں کو گھور رہا تھا اور کبھی ظفری کو۔

دیر تک یہی خاموشی مسلط رہی۔ پھر طارق کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی۔ اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کچھ اور بھی سنیں گی بیگم صاحبہ' کچھ اور سننے کی سکت باقی ہے آپ میں؟''

بیگم صاحبہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ان کی پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بمشکل اپنے حواس پر قابو پا رہی ہوں' ورنہ ان کا ذہن ساتھ چھوڑے دے رہا تھا' وہ فرط غم سے چیخ پڑنا چاہتی تھیں لیکن اس خیال سے ضبط کیے ہوئے تھیں کہ ان کی چیخوں کی آواز باہر بھی جائے گی اور ان آوازوں کے ساتھ ہدایت پور کی آبرو مٹ جائے گی۔

''میری درخواست ہے بیگم صاحبہ کہ یہ سارا کھیل میرے سپرد کر دیں۔ کیا آپ مجھ پر

اتنا اعتماد بھی نہیں کر سکتیں۔۔۔۔؟'' طارق نے دوبارہ کہا' اس کا لہجہ بہت خوفناک تھا۔

''طارق۔۔۔۔طارق یہ کیا کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔یہ کیا کہہ رہا ہے طارق آہ۔ کیا ایسا ممکن ہے۔'' بیگم جہاں آراء نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر آپ اسی نرمی سے کام لیتی رہیں تو یہ اور بھی بہت کچھ کہے گا۔ سنتی رہیں آپ سب کچھ۔'' طارق بولا۔

''کیا بک رہا ہے تو' کیا بک رہا ہے' خدا کے لیے کہہ دے کہ تو نے جھوٹ بولا ہے۔ خدا کے لیے کہہ دے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔'' بیگم صاحبہ بھنچی بھنچی آواز میں بولیں۔ ظفری خاموشی سے ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔''میں جھوٹ نہیں بول سکتا بیگم صاحبہ' یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''حقیقت کے بچے میں تیرا خون پی جاؤں گا۔ میں۔۔۔۔۔'' طارق دانت پیستا ہوا آگے بڑھا اور ظفری کے قریب پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ پھر اس نے ظفری کے جبڑے پر گھونسہ مارنا چاہا لیکن ظفری نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ طارق اس سے کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا' لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ تب ظفری نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ بیگم صاحبہ اس چابی کے ٹٹو کو روکیے۔ اگر اس نے میری شان میں مزید گستاخی کی تو وہ ہو جائے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ آپ مجھے آپ کی بزرگی اور آپ کی شرافت سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی' اس نے زور سے طارق کو دھکا دیا اور طارق کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''طارق۔۔۔۔طارق یہ سب کچھ نہ کرو۔ میرے دل کی حرکت بند ہو جائے گی' خدا کے واسطے خود کو قابو میں رکھو۔ اور تم' تمہیں کیا مل رہا ہے ہمارے ساتھ یہ سلوک کر کے۔''

''میرے ساتھ' جو سلوک آپ لوگ کر رہے ہیں وہ جائز ہے۔'' ظفری نے پوچھا۔

''مگر تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ۔۔۔۔۔''

''میں کہہ چکا ہوں وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''کب اور کہاں ہوئی یہ شادی؟''

''تقریباً ڈیڑھ سال قبل' اس وقت جب ہم دونوں یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔''

''اس کا کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟''

''کتنی افسوسناک بات ہے بیگم صاحبہ' آپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کر ڈالا۔ حالانکہ اس سے قبل آپ کو ثمن سے بات کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا۔ فون رکھا ہوا ہے آپ کے سامنے۔ بات کریں ثمن سے۔''

''اوہ۔ اوہ۔ کیا واقعی۔۔۔۔؟ طارق! ثمن کے کمرے کا نمبر ڈائل کرو۔ جلدی کرو۔ طارق۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور طارق فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے فون پر نمبر ڈائل کیے اور دوسری طرف کی آواز سننے کے لیے ریسیور کان سے لگا لیا۔ پھر دوسری طرف سے شاید ثمن کی آواز سن کر ریسیور بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ بیگم صاحبہ کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ انہوں نے بمشکل تمام بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''ثمن۔۔۔۔''

''بول رہی ہوں امی جان۔''

''ثمن کیا تو نے شادی کر لی ہے کیا یہ حقیقت ہے۔۔۔؟ ثمن جلدی بول انتظار مت کرا مجھے۔''

''آپ کو' آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی امی۔۔۔۔؟''

''کیا یہ حقیقت ہے ثمن۔۔۔۔؟ کیا یہ حقیقت ہے۔''

''ہاں امی یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ کاش میں آپ کو اس سے قبل بتانے کی ہمت کر سکتی۔''

''کون ہے وہ۔۔۔ ایسا کیوں کیا تو نے۔ کیا حالات پیش آ گئے تھے۔''

''ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے امی۔ ظفری تو میری حقیقت سے واقف بھی نہ تھا۔ وہ مجھے درمیانہ درجے کی لڑکی سمجھتا تھا۔ ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی۔''

بیگم صاحبہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس سے زیادہ سننے کی سکت ان میں نہیں تھی۔ ان کی آنکھوں کے آگے تاریکی چھا رہی تھی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

طارق آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ کی کیفیت سے اس نے شاید اندازہ لگا لیا تھا کہ صورت حال کیا ہے اور اس حقیقت کو جان کر اس کا چہرہ بھی اتر گیا تھا۔ اسے ایک خوفناک خیال ستانے لگا تھا۔ نہ جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ اس نے ہدایت پور کے داماد کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

بیگم صاحبہ نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر گردن ہلا دی۔ طارق کے منہ سے اور کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ بہرحال بیگم صاحبہ نے خود کو سنبھالا۔ ''کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟''

''ظفری۔''

''مجھے افسوس ہے ظفری' تمہارے ساتھ برا سلوک ہوا ہے۔ لیکن جو کچھ ہو چکا ہے' قائم نہیں رہ سکتا۔ میں خودکشی کر لوں گی۔ سمن کو گولی ماردی جائے گی۔ اس حویلی کو آگ لگا دی جائے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے ظفری۔ مجھے شدید احساس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ تم کسی حد تک بے قصور ہو۔ سمن نے بتایا ہے کہ تم اس کی اصل حیثیت سے ناواقف تھے۔''

''قطعی۔'' ظفری جلدی سے بولا۔

''لیکن اس کے بعد تو تمہیں حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔''

''ہاں صرف چند روز قبل۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''افسوس ہم تباہ ہو گئے۔ تم کوئی بھی ہو۔ لیکن یہ رشتہ قائم نہ رہ سکے گا۔ اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ ہم خودکشی کر لیں۔''

''ترکیب ہے بیگم صاحبہ' لیکن اس کے لیے ایک شرط بھی ہے۔''

''ترکیب۔۔۔؟ شرط۔۔۔؟ کیا شرط ہے؟''

''اس چڑی کے غلام کو باہر نکال دیں۔ میں اس کی موجودگی میں کوئی بات کرنے کو تیار نہیں ہوں۔'' اس سے قبل کہ بیگم صاحبہ طارق سے کچھ کہتیں' طارق خود ہی باہر نکل گیا۔

''سمجھدار آدمی ہے۔ بہرحال ترکیب ہو سکتی ہے بیگم صاحبہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے دل میں خود بخود آپ کے لیے احترام پیدا ہو گیا ہے۔ میں آپ کے اس ذہنی کرب کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''تو اب کیا ترکیب ہو سکتی ہے؟'' بیگم صاحبہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''ہماری شادی نہیں ہوئی ہے۔'' ظفری نے کہا۔ بیگم صاحبہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہیں۔ ''سمن نے یہ فراڈ کیا ہے میرے ساتھ بھی اور آپ کے ساتھ بھی۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟''

''اب جو کچھ گفتگو ہو رہی ہے بیگم صاحبہ وہ میرے اور آپ کے درمیان ہے اور آپ آنکھیں بند کر کے اس پر یقین کرتی چلی جائیں آپ نے کسی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں سنا ہے۔۔۔؟''

''نہیں۔'' بیگم صاحبہ نے گردن ہلائی۔

''اس کا اشتہار اکثر اخباروں میں آتا رہتا ہے۔ یہ لوگوں کی مدد کرنے کا ادارہ ہے۔ ایسے کام جو قانون کے خلاف نہ ہوں لیکن جن میں قانون کی مدد نہ لی جا سکتی ہو۔ ہو لوگ معاوضہ لے کر ایسے افراد کی مدد کرتے ہیں۔ سمجھ رہی ہیں آپ؟'' ظفری نے کہا اور بیگم ہدایت پور نے گردن ہلا دی۔

''محترمہ سمن آراء ہدایت پور نے ادارے کو ٹیلی فون کر کے مجھ سے کاروباری گفتگو کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ملاقات کے لیے ایک جگہ منتخب کر لی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے آپ کے لوگوں نے مجھے گرفتار کیا۔ میں وہاں اپنی کلائنٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن سمن آراء صاحبہ نے ڈبل چال چلنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک ایسا خط بھی آپ لوگوں تک پہنچایا جس سے میری پوزیشن

بھی خطرے میں پڑ گئی۔ بہر حال مجھے گرفتار کر کے قید کر لیا گیا۔ میرے قید خانے کی ایک دیوار میں ایک روشندان موجود ہے۔ اس روشندان سے سمن صاحبہ نے مجھ سے ملاقات کی اور معذرت کرتے ہوئے مجھے اپنی پریشانی بتائی۔

سمن صاحبہ نے میرے ساتھ یہ فراڈ کرنے کے بعد بھی مجھ سے تعاون کی درخواست کی اور کہا کہ میں ان کے لیے کرائے کا شوہر بن جاؤں۔۔ میں بھوکا تھا بیگم صاحبہ۔ انہوں نے میرے لیے کھانے کا بندوبست کیا جس کا ثبوت آپ کو وہاں مل جائے گا۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا۔ لیکن بہر حال میری اپنی ایک شخصیت ہے۔ مجھے ایک رات جس بیجا میں رکھا گیا۔ دھمکیاں دی گئیں جو سلوک میرے ساتھ کیا گیا آپ کے سامنے ہے۔ مجھے بتایئے اس کے جواب میں' میں کیا کروں؟"

بیگم صاحبہ پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ظفری کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی رونق واپس لوٹ آئی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ظفری کے پاس پہنچ گئیں۔ "مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو کہ اس کے جواب میں تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"صرف اس لیے کہ میں آپ کی کیفیت سے متاثر ہوں۔ آپ کی شخصیت کا احترام کرتا ہوں۔"

"تو' تم ہمیں معاف کر دو' جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ' معاف کیا۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور بیگم صاحبہ نے فرط جذبات سے اس کے دونوں شانے پکڑ لیے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ ظفری سے لپٹ گئیں۔ "تم نے مجھے نئی زندگی دے دی ہے ظفری' خدا کی قسم میں مر جاتی مگر اس رسوائی اور بدنامی کو برداشت نہ کر پاتی جو اس واقعہ سے ہوتی۔ نواب ہدایت پور کی موت کے بعد میں بڑا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی رہی ہوں۔ خاندان کے لوگ اور وہ جو کسی سے للّٰہی بغض رکھتے ہیں

ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بہانہ تلاش کریں۔ بدنام کرنے کا۔ اس سے عمدہ بات انہیں اور کوئی نہ مل سکتی تھی۔"

"مجھے خوشی ہے بیگم صاحبہ کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔"

"بیگم صاحبہ نہ کہو مجھے چچی جان کہو ظفری۔ تمہاری شرافت اور سچائی ہے کہ تم نے مجھے حقیقت بتا کر میری زندگی بچالی۔ کوئی اور ہوتا تو میری اس بے بسی سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ تمہاری رگوں میں کوئی شریف خون معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یہ عزت دو گے ظفری۔۔۔؟"

"جو حکم چچی جان۔" ظفری نے کہا۔

تھوڑی دیر تک رسمی اور جذباتی باتیں ہوتی رہیں بیگم صاحبہ نے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا۔

"خاندان میں ایک دوست' ایک کیلی' ایک بزرگ اور ایک بزرگ خاتون ہیں۔ بس یہی خاندان ہے اور ہم سب لوگ ساتھ رہتے ہیں۔ میں' میرا دوست سعدی اور وہ لڑکی جس کو میں نے اپنی کیلی بتایا ہے' شکیلہ۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے رکن ہیں۔ اضطراب احمد مضطرب صاحب ہمارے بہترین نگران ہیں۔ میرا مطلب ہے باقی کاروبار وہ سنبھالتے ہیں۔ بس یہی کنبہ ہے جسے آپ کوئی بھی نام دے لیں۔" ظفری نے کہا۔

"اور والدین۔۔۔؟"

"نہیں' ان سے بچپن ہی سے محروم ہوں۔"

"اوہ۔" بیگم ہدایت پور نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔ "ظفری ایک بات اور کہوں اگر برا نہ مانو تو۔۔۔؟"

"جی جی فرمایئے۔ اب تکلفات ہمارے درمیان نہیں رہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"تم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا جو تعارف مجھ سے کرایا ہے تو میں بھی تمہارے اس

ادارے سے کوئی کام لینا چاہتی ہوں۔"

"جی، لیکن اب مسئلہ ادارے کا نہیں بلکہ چچی جان کا ہے۔" فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میں تمہیں بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ یہ بتاؤ ناشتہ کیا تھا۔"

"جی ہاں کیا تھا، وہ تو ملازم واپس لا رہا تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ ناشتے کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہے۔" ظفری نے جواب دیا اور بیگم صاحبہ مسکرانے لگیں۔

"تب پھر کھانے کا انتظام کراتی ہوں۔ تمہارے لیے، کھانے کی میز پر ہی بات چیت ہوگی۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور ظفری نے شانے ہلا دیے۔

کھانے کی میز پر بیگم صاحبہ اور ظفری کے سوا کوئی نہیں تھا۔ طارق نے بیگم صاحبہ اور ظفری کے درمیان یہ صورتحال دیکھ کر شدید حیرت کا اظہار کیا تھا لیکن وہ زیادہ الفاظ نہیں کہہ سکا تھا بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ "اپنا ہی بچہ ہے، بعد میں تمہیں ساری تفصیلات بتا دوں گی۔"

بہر صورت کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بیگم صاحبہ نے اسے اپنے کمرے میں مدعو کر لیا اور پھر ان کی خوابگاہ کا دروازہ بند ہو گیا۔

"ظفری صورتحال بڑی عجیب ہے۔ دراصل یہ سارا مسئلہ سمن آراء کی ضد سے تعلق رکھتا ہے۔ نواب جلال الدین میرے بہت قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ نواب صاحب کی زندگی میں ہی سمن کا رشتہ نواب جلال الدین کے بیٹے نواب جمال الدین سے طے ہو گیا تھا۔ جلال الدین صاحب اس ملک سے چلے گئے لیکن انہوں نے اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ بڑی روایتیں ہیں ہماری ظفری۔ اب تو چاہو انہیں کچھ ہی کہہ لو۔ جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے میں ان سے معلومات حاصل کر لو۔ نوابی ختم ہو گئی ہے۔ بہت سے معاملات الجھ گئے ہیں۔ لیکن میں اپنی ذاتی کوششوں سے حتی الامکان ان کو سلجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ میں اپنی زندگی میں اس

خاندان کی کوئی بدنامی نہیں چاہتی میرے بچے۔ بس اسی کے لیے کوشاں رہی ہوں۔ سمن خود سر ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، جدید نسل ساری کی ساری ہی خود سر ہے۔ وہ ان فرسودہ روایات کو تسلیم کرنے کی حامی نہیں ہے، جو ہم لوگوں کے زمانے میں تھیں۔ حالانکہ ہمارے خاندان میں شادیاں والدین کی مرضی سے طے ہو جایا کرتی تھیں۔ اور یہ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کوئی مخالفت ہو سکتی ہے۔ لیکن جب نواب جلال الدین صاحب نے اس رشتے کو استوار کرنے کے لیے اطلاع بھجوائی اور میں نے سمن سے رسمی طور گفتگو کی تو وہ مجھ سے اکھڑ گئی۔ اس نے کھل کر کہہ دیا کہ اگر جلال الدین صاحب اس حیثیت سے یہاں آئے تو وہ ان کی بے عزتی کر کے گھر سے نکال دے گی۔ میں نے تمام تر کوششیں کر کے دیکھ لیں، لیکن سمن کو راضی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں ظفری۔ یقین کرو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر سمن نے کھل کر یہ کہہ دیا کہ میں جمال الدین سے شادی نہیں کروں گی تو اس خاندان کی کیا کیفیت ہوگی۔ ہماری ان روایات کا جنازہ نکل جائے گا۔ میں شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہوں ظفری۔ نواب جلال الدین صاحب بس پہنچنے ہی والے ہیں اور وہ شہر کے ایک عمدہ ہوٹل نور محل میں قیام کریں گے جہاں ان کے لیے مناسب بندوبست ہو چکا ہے۔ یعنی وہی روایات کا معاملہ۔ یعنی بیٹے کی شادی کی بات پکی کرنے آ رہے ہیں۔ بلکہ شادی کرنے آ رہے ہیں اس لیے ہمارے ہاں قیام نہیں کریں گے۔ بہر صورت اس کے لیے میں نے انہیں مجبور نہیں کیا۔ اگر میں چاہتی تو انہیں مجبور کر سکتی تھی، لیکن سمن کی حرکات سے میں بے حد خوفزدہ تھی۔ یہ ساری باتیں ہیں اور اس کے بعد اس کم بخت نے جو جال پھیلایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اب تم ہی بتاؤ اگر تم کوئی شریف انسان نہ ہوتے تو نجانے کیا ہوتا۔ تو برخوردار ظفری یہ میری الجھن ہے، مجھے اس سلسلے میں کوئی مشورہ دو، مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

ظفری پر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر سمن صاحبہ رشتہ نہیں کرنا چاہتیں۔ بیگم صاحبہ تو پھر آپ انہیں کیسے مجبور کریں گی، وہ یقیناً کوئی ایسا قدم اٹھائیں گی جو آپ کے لیے خطرناک ہوگا۔"

"مجھے احساس ہے' شدید احساس ہے اس بات کا' لیکن میں اپنی زبان سے نواب جلال الدین کو اس کے لیے منع نہیں کر سکتی ناممکن ہے ظفری۔ اگر میں نے انہیں انکار کر دیا تو نواب جلال الدین بہت سخت طبیعت کے مالک ہیں' وہ قیامت ڈھا کر رکھ دیں گے۔ دو کوڑی کی عزت ہو جائے گی میری۔ نجانے کیا ہوگا' میں تو اس تصور سے ہی لرز رہی ہوں۔"

"ہوں' اچھا اور اگر خود نواب جلال الدین اس رشتے سے انکار کر دیں تو۔۔۔۔" ظفری نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ نواب جلال الدین کو اس بات کے لیے مجبور کر دیا جائے کہ وہ آپ سے معذرت کر لیں۔" ظفری نے کہا اور بیگم صاحبہ متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں۔ پھر ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لوٹ آئی اور انہوں نے پر جوش انداز میں کہا۔

"آہ۔ آہ کاش کسی طرح اگر ایسا ہو سکے۔ ایسا ہو سکے تو یقین کرو مجھے زندگی کی سب سے بڑی نعمت مل جائے گی۔ سمن مجھے بہت عزیز ہے۔ کیسی ہی سہی' لیکن وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ تم یقین کرو میں خود بھی اسی کش مکش کا شکار تھی۔ میں جانتی ہوں زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ فرسودہ روایات نئی نسل کے لیے ناقابل قبول ہیں لیکن میں بھی اسی قدر مجبور تھی ظفری۔ یقین کرو اگر ایسا ہو جائے تو میں۔۔۔ تو میں دوبارہ زندگی پا جاؤں۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ آپ کی مدد کرے گا لیکن ابھی اور اسی وقت آپ ان سارے معاملات کو میری تحویل میں دے دیں اور جس طرح میں کہوں اسی طرح ہوتا رہے۔"

"یقیناً۔ ایسا ہی ہوگا۔ تم یہ سمجھو کہ ساری ذمہ داری اب تمہارے شانوں پر ہے۔ ظفری۔ کسی بھی سلسلے میں کوئی فکر مت کرنا تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لو۔ میں حاضر ہوں تمہارے لیے لیکن خدا کے واسطے اس مسئلے کو حل کرا دو۔ میں ساری زندگی تمہاری احسان

مند رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ' آپ کا کیس ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے پاس پہنچ چکا ہے' اب آپ بے فکر رہیں۔ سمن آرا ہدایت پور آپکی صاحبزادی ہیں۔ میرے لیے بھی قابل احترام ہیں۔ لیکن اس وقت جو باتیں ہم کر رہے ہیں۔ وہ کاروباری حیثیت رکھتی ہیں۔ سمن آراء کی خودسر فطرت کو دیکھتے ہوئے ان پر قطعی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا قدم اٹھا بیٹھیں گی جو ہمارے لیے تکلیف دہ بلکہ نقصان دہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے جو پروگرام بنایا ہے آپ سب لوگوں کو یہی ظاہر کرنا ہوگا کہ آپ نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا ہے۔ اس کے لیے بیگم صاحبہ باقاعدہ اداکاری کرنا ہوگی۔ یعنی آپ اس رنج و غم کا اظہار کریں گی جو آپ کو اس موقع پر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ انہیں سرزنش نہیں کریں گی یا ایسی کوئی بات نہیں کہیں گی کہ آپ اس رشتے کو توڑنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ یعنی سمن آراء ہدایت پور کو اس بات کا یقین دلایا جائے گا کہ وہ جو کچھ کر چکی ہیں' آپ نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اور اب مجبوریاں آپ کی دشمن بن گئی ہیں۔ ان مجبوریوں کا کوئی حل آپ میرے اور سمن آراء کے سامنے دریافت کریں گی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ اپنے سیکریٹری طارق کو بھی اس بات سے آگاہ نہ کریں اور جس طرح معاملات گول مول چل رہے ہیں اسی طرح چلنے دیں۔ میں اور میرا ادارہ آپ کو یقین دلاتا ہے کہ آپ کو اس مشکل سے نکال لے گا۔

پروگرام کے مطابق ٹیلی فون پر بیگم ہدایت پور نے سمن کو ہدایت کی کہ وہ ان کے کمرے میں پہنچ جائے اور ظفری اور بیگم ہدایت پور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

سمن کے انداز میں جھجک ضرور تھی لیکن پھر بھی وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ نگاہیں نیچی کیے ہوئے وہ کمرے میں پہنچ گئی بیگم ہدایت پور نے اپنے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا کر لیے تھے' اور ظفری ان کی اس کیفیت سے مطمئن تھا۔ ان تاثرات میں غم و غصہ اور پریشانی کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سمن بیٹھ گئی۔

"کھانا کھا چکی ہو تم؟" انہوں نے سوال کیا۔

"جی۔" ثمن نے آہستہ سے کہا۔

"ثمن جو کچھ تم نے کیا ہے کیا تم اور تمہارا ضمیر اس سے مطمئن ہے۔۔۔؟"

"جہاں تک آپ ضمیر کی بات کرتی ہیں امی جان تو میں انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ ہاں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں ان فرسودہ روایات کے طلسم کو توڑ دینا چاہتی ہوں جس نے نجانے کتنی زندگیاں برباد کر دی ہیں اور جو صدیوں سے بے زبان انسانوں کے ساتھ برا سلوک کرتا رہا ہے۔ جہاں تک آپ کی خاندانی روایات کا تعلق ہے میں انہیں مانتی ہوں۔ وہ صرف آپ کی نہیں میری بھی خاندانی روایات ہیں' لیکن اگر یہ روایات کسی کی زندگی کی گاہک بن جائیں تو میرے خیال میں انہیں جاری رکھنا مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں کیا تم اپنے والدین کے فیصلے سے انحراف کرتی ہو؟"

"جی' کم از کم اس حد تک' جو کھیل آپ نے میرے بچپن میں رچایا تھا۔ کیا میں اس سے واقف تھی؟ کیا آپ دعوے سے یہ کہہ سکتی ہیں کہ نواب جلال الدین صاحب میری زندگی میں داخل ہونے کے بعد میرے لیے ایک اچھے شوہر ثابت ہو سکیں گے۔ کیا آپ مجھے اس بات کا یقین دلاتی ہیں امی جان کہ ان کا مزاج اور میرا مزاج یکساں ہوگا۔۔۔ اگر نہیں تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ پوری زندگی کے لیے مجھے جہنم میں جھونک دیں۔ جہاں تک بات رہی ظفری کی' یہ ایک اچھے خاندان کے شریف نوجوان ہیں۔ ہر چند کہ مالی حیثیت سے یہ ہمارے مقابل نہیں۔ ان کا تعلق کسی نوابی خاندان سے نہیں ہے لیکن آپ یقین کریں کہ ان کے ساتھ میں ایک انتہائی پرسکون زندگی گزار سکتی ہوں۔"

بیگم صاحبہ کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ ثمن اس قدر بولڈ ہو کر گفتگو کرے گی یہ بات ان کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جس انداز میں کہہ رہی تھی وہ بیگم صاحبہ کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ اگر

صورت حال واقعی وہ ہوتی جو اس نے ظاہر کی ہے تو کیا ہوتا۔ کیا بیگم صاحبہ اس کے خیالات کو بدل سکتی تھیں۔۔۔؟ ظفری خود بھی ثمن کے اس انداز گفتگو سے متاثر نظر آ رہا تھا۔

کافی دیر تک خاموشی رہی پھر بیگم صاحبہ نے نڈھال سے انداز میں کہا۔ "مگر اب کیا ہوگا ثمن۔۔۔؟"

"میں کیا عرض کر سکتی ہوں امی جان۔ میں نے ایک سچائی آپ کے سامنے پیش کر دی اس کے بعد کے فیصلے کرنا آپ کا کام ہے۔"

"اگر ہم نے نواب جلال الدین کو منع کیا تو ہماری خاندانی کیفیت کیا ہوگی۔"

"بس یہی کہ لوگ ہم پر انگشت اٹھائیں گے' لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیے۔۔۔؟"

"ثمن جو کچھ تم کر چکی ہو اس سے میرے ہاتھ کٹ چکے ہیں۔۔۔ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میں اب ظفری کو بھی برا نہیں کہوں گی کیونکہ تم نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ اسے تمہاری اصل حیثیت کا علم نہیں تھا لیکن اب بتاؤ کہ فی الوقت کیا کیا جائے۔ خاندان کی کچھ ذمہ داریاں تمہارے اوپر بھی ہیں۔ میرے ساتھ تعاون تو کرو۔ کوئی ایسا حل تو سوچو جن سے میں ان مشکلات سے نکل سکوں۔"

"دیکھیں امی جو کچھ میں کر چکی ہوں وہ میری مجبوری تھی لیکن اگر ایسی بات ہے اور آپ میرے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تو مجھے جو حکم دیں میں اس کی بجا آوری اپنا فرض سمجھوں گی۔ مجھے میری اس حماقت کے لیے آپ مجھے معاف کر دیں اس کے بعد جو ذمہ داری میرے سپرد کی جائے گی میں دل و جان سے اسے پورا کروں گی۔۔۔"

"ہوں' میں کچھ سوچ کر تمہیں بتاؤں گی لیکن فی الوقت تم اس بات کو اپنے سینے میں رکھو گی اور کسی سے اس کا اظہار نہیں کرو گی۔ ظفری سے تمہاری زیادہ ملاقاتیں بھی نہیں ہونی چاہئیں۔ کسی کو شک نہ ہونے پائے۔ ہم کوئی بہتر حل سوچ کر اس پر عمل درآمد کریں گے۔ لیکن اس وقت

تک تم ہم سے مکمل تعاون کرو گی۔"

"دل و جان سے امی جان! بس اب صورت حال آپ کے علم میں آچکی ہے۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتی ہو۔" بیگم صاحبہ نے کہا' اور سمن خاموشی سے گردن جھکا کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک بار پلٹ کر ظفری کو دیکھا اور آنکھ ماردی۔ ظفری اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔ جو بیگم صاحبہ نے نہیں دیکھی تھی۔

بیگم صاحبہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ پھر گہری سانس لے کر بولیں۔ "خدا کی پناہ' اگر یہ سب کچھ حقیقت ہوتی تو کیا ہوتا۔ میں ان حالات میں کیا کرتی۔"

"یہ سوچ کر اپنے ذہن کو پریشان نہ کریں۔ جو ہونے والا تھا وہ نہیں ہوا' آپ محفوظ ہیں۔"

"تم اس سلسلے میں جو قدم چاہو اٹھا سکتے ہو۔ میں صرف تمہارے احکامات کی تعمیل کروں گی۔"

"میں آخری دفعہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب یہ معاملہ آپ کا نہیں میرا ہے۔ میری موٹر سائیکل کے لیے ہدایت فرما دیں۔" اور بیگم صاحبہ نے طارق کو طلب کر لیا۔ طارق کو انہوں نے ہدایات دیں اور ان کے نرم لہجے کو محسوس کر کے' طارق بھی میرے سامنے مؤدب ہو گیا۔ نہ جانے اس کی ذہنی کیفیت کیا تھی۔

تقریباً چار بجے واپسی ہوئی تھی۔ موٹر سائیکل کی باقاعدہ صفائی کر دی گئی تھی۔ پٹرول بتانے والی سوئی اعلان کر رہی تھی کہ موٹر سائیکل کی ٹنکی بھی بھر دی گئی ہے۔ اور یہ کام طارق کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔

ویسے یہ شخص بھی ظفری کو پسند آیا تھا۔ بے حد وفادار انسان تھا اور یقینی طور پر ہدایت پور

کے معاملات سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ بہرحال اس سلسلے میں ظفری کو کچھ نئے تجربات ہوئے تھے۔ بات کبھی کبھی ایسے رخ بھی اختیار کر جاتی ہے۔ دلچسپ واقعات تھے۔ ظفری نے آئندہ کارکردگی کے لیے ایک خاکہ تیار کر لیا تھا۔ لیکن ابھی سعدی اور شکیلہ سے بھی مشورہ کرنا تھا۔ ان بے چاروں کو تو صورت حال معلوم بھی نہیں تھی۔

ہدایت پور سے تقریباً چار میل پہنچا تھا کہ ایک دو شاخے سے نیلے رنگ کی لمبی کار اچانک نکلی اور اس کے ساتھ ساتھ اچانک دوڑنے لگی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سمن آراء ہدایت پور بیٹھی ہوئی تھی اور اسے رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

لڑکی واقعی زبردست تھی۔ ظفری نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ اس کے پیچھے ہی سمن کی کار بھی آرکی تھی۔

"ہیلو ظفری' آگے جاؤ۔" اس نے نہایت بے تکلفی سے کہا اور ظفری موٹر سائیکل سے اتر کر اس کی طرف بڑھ گیا۔ سمن نے ڈرائیونگ سیٹ کے نزدیک کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ظفری اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"سارے معاملات بخیر و خوبی طے ہو گئے سمن گہری سانس لے کر بولی۔

"بخیر و خوبی۔۔۔؟" ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا اور وہ ہنس پڑی۔ چند لمحات شرارت آمیز انداز میں ہنستی رہی پھر بولی۔

"جو کچھ ہوا ہے ظفری میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ لیکن تمہیں تو اپنی زندگی میں اکثر ایسے ایڈوانچر پیش آتے ہوں گے تمہارے لیے یہ کونسی بڑی بات ہے۔"

"جی نہیں۔ شوہر بننے کا مجھے کوئی تجربہ اس سے قبل نہیں ہوا' اور وہ بھی ایسے خطرناک لوگوں کا۔ سسرال کا تصور تو بے حد دلکش ہوتا ہے لیکن آپ نے میرا کیریئر تباہ کر دیا۔"

"کیریئر۔۔۔ کیوں؟" وہ ہنس پڑی۔

"سسرال کا تصور اب میرے لیے ایک بھیانک شکل اختیار کر گیا ہے۔ آئندہ بھی

شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"نہیں ڈیئر وہ ایک مجبوری تھی۔ ایک بار پھر اس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔ حالات ہی ایسے ہیں کہ اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔ تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔ لیکن میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے نہایت ثابت قدمی سے اپنا رول نبھایا ظفری تمہیں آئندہ بھی اس سلسلے میں میری مدد کرنی ہوگی' صرف اس وقت تک جب تک وہ مصیبت ٹل نہ جائے۔"

"جلال الدین اور جمال الدین صاحب۔۔۔؟"

"ہاں انہی کی بات کر رہی ہوں۔ تمہاری مدد کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا مشکل ہے۔ ویسے تم فکر مت کرو۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو بہترین بزنس ملے گا میری وجہ سے۔ یہ تمہارے اس دورے کا معاوضہ۔۔۔" سمن نے نوٹوں کی تین گڈیاں نکال کر ظفری کی جانب بڑھا دیں۔ ظفری نے اطمینان سے تینوں گڈیاں لے کر جیب میں ٹھونس لی تھیں۔ "دوبارہ جب تمہاری ضرورت پڑی پروگرام کے مطابق تمہیں تکلیف دوں گی اور اس کا معاوضہ الگ ہوگا۔"

"گویا ابھی یہ کرائے کا شوہر بدستور قائم رہے گا۔"

"ہاں یار' پلیز تھوڑی سی پریشانی اٹھا لو میرے لیے' میری مشکل حل ہو جائے گی۔ ساری زندگی دعائیں الگ دوں گی۔"

"ان معاملات کا اختتام کیا ہوگا مس سمن۔۔۔؟"

"ارے اس کی پروا کسے ہے۔ بس وہ دونوں ٹل جائیں اس کے بعد شوہر بھی غائب۔ تمہارے بارے میں بھنک بھی نہیں مل سکے گی بیگم صاحبہ کو۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ ویسے انہوں نے تمہارا حسب و نسب معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔۔۔؟"

"مکمل۔۔۔!"

"پھر کیا بتایا تم نے؟"

"بس جتنا جھوٹ بول سکتا تھا بول دیا۔ وہ غیر مطمئن نہیں ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے تمہاری صلاحیتوں کا۔"

"ایک بات بتاؤ سمن۔ تمہارا شوہر ہوں پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"ضرور میرے سرتاج۔ ارشاد۔۔۔؟" وہ بے تابی سے بولی۔

"بیگم صاحبہ کو جب حقیقت معلوم ہوگی تو وہ تم سے تمہارا پروگرام پوچھیں گی۔ کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہوگی تمہیں۔"

"فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں سوچا پارٹنر۔ شادی ایک قدیم روایت ضرور ہے لیکن موجودہ دور میں اگر حالات سازگار ہوں اور کھانے پینے کے لیے موجود ہو تو شوہر نام کے کسی گدھے کو پالنے سے کیا فائدہ۔ ناز برداریاں کرو' حماقتیں برداشت کرو۔ ارے ایک بات بتاؤ ظفری۔ تمہاری شادی ہوگئی۔"

"جی نہیں۔"

"اگر تم سالانہ معاوضے پر شوہر بننا پسند کرو تو میں تم سے ایک باقاعدہ معاہدہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیسا معاہدہ۔۔۔؟"

"شوہر بنے رہو میرے۔ اگر امی جان کو کبھی داماد کی یاد ستائی تو تمہیں ان کے سامنے پیش ہوتے رہنا پڑے گا۔ ہر بار نئی تڑپ لگا دیا کریں گے۔ تمہاری باقاعدہ آمدنی رہے گی۔ بیگم صاحبہ کی طرف سے تمہیں اگر بحیثیت داماد کچھ ملا تو وہ تمہاری ملکیت ہوگی۔ یار اس طرح میں اس شادی کے روگ سے بچی رہوں گی۔ یقین کرو۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں کسی شخص کو خود سے برتر نہیں دیکھ سکتی۔"

"اس بارے میں بعد میں سوچ لیں گے۔"

"ہاں جلدی نہیں ہے۔ اچھا اب اجازت' بڑی دیر کی نکلی ہوئی ہوں۔ کہیں تلاش نہ شروع ہو جائے۔"

"او کے!" ظفری کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور سمن نے رخصتی سلام کر کے کار یوٹرن لے کر برق رفتاری سے آگے بڑھا دی۔

شکیلہ، سعدی اور مضطرب صاحب بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ بڑا پرتپاک خیر مقدم ہوا تھا۔

سعدی جلدی سے ڈائرکٹر والی کرسی سے اٹھ گیا۔ "حضور سرکار تشریف رکھیے۔ یقیناً اس کیس کو آپ ہی ڈیل کریں گے۔ ویسے کافی وقت لگایا ہدایت پور میں، ہم لوگ بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔"

ظفری نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈالیں اور گہرا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اے سبحان اللہ، پورے تیس ہزار لگتے ہیں۔ مضطرب صاحب۔ کافی! جلدی سے بچہ تھکا ہوا لگتا ہے۔"

"ابھی لایا سرکار۔" مضطرب صاحب نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ظفری گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔

"کیسی گزری؟"

"بہت دلچسپ، بہت دلکش، میں شوہر بن گیا ہوں۔"

"مبارک۔ دلی مبارک۔ گویا اب آپ کو نواب ہدایت پور کے نام سے یاد کیا جائے۔ ویسے ظفری تم نے وہ کر دکھایا جو میرے ذہن میں تھا۔ کسی مالدار خاتون سے شادی کے خواب میں بھی اکثر دیکھتا تھا۔"

"سعدی یار۔ بیگم ہدایت پور میری چچی جان ہیں۔ ظفری بولا۔

"ایں، پھر شادی کس سے ہوئی۔"

"پوری کہانی سنو۔" ظفری نے کہا اور شکیلہ اور سعدی ہمہ تن گوش ہو گئے۔ ظفری نے

پوری کہانی سنا دی تھی۔ اس دوران مضطرب صاحب بھی کافی لے آئے اور انہوں نے سب کے سامنے کافی سرو کر دی۔

کہانی ختم ہو گئی۔ لیکن سب خاموش تھے۔ سعدی پنسل سے ایک کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کیس بھی لمبا ہے اور آمدنی بھی لمبی۔ لیکن جان من کوئی پروگرام ہے تمہارے ذہن میں۔"

"ہاں ایک خاکہ ہے۔ اس پر گفتگو کر لو۔"

"ارشاد ارشاد۔" دونوں نے کہا۔ اور ظفری کہنے لگا۔

"ان دونوں کی آمد کا انتظار ہے۔ میرے خیال میں ہمیں ان دونوں کو قابو میں کرنا چاہیے۔ ہمیں کسی بھی حیثیت سے ان دونوں باپ بیٹوں کے قریب ہونا ہوگا۔ وہ حیثیت بیروں کی بھی ہو سکتی ہے۔ نور محل کے بیرے بن کر ہم ان سے زیادہ قریب ہو سکتے ہیں۔ دوسری کارروائی شکیلہ کی ہوگی۔ شکیلہ جمال الدین کو واچ کریں گی اور اگر ذرا بھی چک پائیں تو یہ جمال الدین پر ہاتھ صاف کر دیں۔ نواب بچہ اگر قابو میں آ گیا تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ان دونوں کو چکر میں لا کر ایسی کوشش کریں گے کہ وہ خود ہی اس شادی سے دستبردار ہو جائیں گے۔ یہی بیگم ہدایت پور کی خواہش ہے۔"

"ہوں۔" سعدی پرخیال انداز میں بولا پھر کہنے لگا۔ "اور اگر جمال الدین شکیلہ کے جال میں نہ پھنسا تو۔"

"کوئی اور ترکیب کریں گے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ کیوں شکیلہ، اگر فی الحال ان لائنوں پر آگے بڑھا جائے تو کیا حرج ہے۔۔۔؟"

"میرے خیال میں اس وقت اس سے عمدہ ترکیب کوئی نہیں ہے۔ میں ظفری سے پوری طرح متفق ہوں۔"

دوسرے دن بیگم صاحبہ سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے آمادگی ظاہر کر دی کہ وہ نور محل میں انہیں بیروں کی حیثیت سے ملازم کرا دیں گے۔ اس سلسلے میں تیسرے دن وہ خود شہر آئیں اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں تشریف لائیں۔ یہاں سے انہوں نے ایک شناسا پولیس افسر کو فون کیا اور نور محل کا معاملہ حل ہو گیا۔ اس کے علاوہ نواب جلال الدین کے سلسلے میں دوسرے امور کے لیے انہوں نے اپنا ایک بنگلہ ان کے سپرد کر دیا جس میں تین ملازم موجود تھے۔ ان ملازموں کو ہدایات دے دی گئی تھیں۔

سارے کام مکمل ہو گئے تو یہ دونوں ہوٹل نور محل میں پہنچ گئے۔ اور اسی دوران بیچارے مطلق صاحب درد کے مارے اپنے پڑوسی کی اطلاع پر ہوٹل پہنچے تھے۔ لیکن ان شیطانوں کے فریب بے مثال تھے۔ مطلق صاحب مطمئن ہو کر واپس آ گئے تھے۔

نواب صاحب کی آمد کی بڑی دھوم مچ گئی تھی ہوٹل کا منیجر ان دونوں سے مکمل تعاون کر رہا تھا۔ نواب صاحب کے لیے جو منزل مخصوص کی گئی تھی اس کی خصوصی صفائی کی گئی۔ اور وقت مقررہ پر نواب صاحب مع چھ ملازموں اور صاحبزادہ جمال الدین کے تشریف لے آئے۔ وہی نوابی سج دھج تھی۔ نوابی لباس تھا۔ یورپ میں رہ کر بھی ان کی شخصیت نہیں بدلی تھی۔ جمال الدین خوبصورت نوجوان تھے۔ چھوئی موئی کا درخت بات بات میں شرما جانے والے چہرے سے شفق پھوٹی پڑ رہی تھی۔ لگتا تھا نواب صاحب نے انہیں صندوق میں بند کر رکھا تھا اور یورپ کی مسموم آب و ہوا کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔

استقبال کرنے والوں میں بیگم ہدایت پور اور بہت سے سرکاری حکام بھی تھے۔ ثمن ان میں موجود نہیں تھی۔ بہرحال نواب صاحب ہوٹل تشریف لے آئے۔

نواب زادہ جمال الدین کو دیکھ کر سعدی اور ظفری بڑے پر مسرت انداز میں گلے ملے تھے۔ ''اس کاٹھ کے الو کو تو شکیلہ دو چار ملاقاتوں میں پنجرے میں بند کر لے گی۔'' سعدی نے کہا۔

''شکیلہ ہے کہاں۔۔۔؟'' ظفری چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''نواب زادہ جمال الدین کا دیدار کر کے واپس جا چکی ہے۔''

''تو پھر بسم اللہ۔'' ظفری بولا۔ اور سعدی نے گردن جھکا دی۔ دونوں نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہوٹل کے دوسرے بیرے انہی کی ماتحتی میں کام کر رہے تھے۔

نواب جلال الدین اور نواب جمال الدین دو مختلف کمروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بقیہ کمروں میں ملازمین موجود تھے۔ شام کو بیگم ہدایت پور چلی گئیں۔ ان لوگوں نے نواب صاحب کے ملازمین سے نواب صاحب کی ضروریات اور مشاغل معلوم کر لیے تھے۔ اور پھر اس طرح نواب صاحب کی خدمت ہوئی کہ نواب صاحب خوش ہو گئے۔ سعدی اور ظفری کوشش کریں اور نواب صاحب ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ناممکن سی بات تھی۔

دوسرے دن دوپہر کو شکیلہ نے انہیں فون کیا۔ ظفری نے فون موصول کیا تھا۔

''ظفری وہ نواب زادی تین مرتبہ فون کر چکی ہے۔''

''کون ثمن۔۔۔؟''

''ارے ہاں وہی تمہاری غیر منکوحہ بیوی۔''

''کیا فرما رہی تھیں اہلیہ محترمہ؟''

''ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔''

''تم نے کیا کہا۔۔۔؟''

''یہی کہ مصروف ہیں۔ تین بجے پھر فون کریں گی میرا خیال ہے مل لو۔ وہاں کے معاملات سعدی کو سونپ دو۔''

''ٹھیک ہے۔ تین بجے میں پہنچ جاؤں گا۔''

''او کے۔ معاملات ٹھیک چل رہے ہیں؟''

''بالکل۔ تمہارا کردار شروع ہونے والا ہے۔''

''بڑا نایاب الو ہے۔ میں بے چین ہوں۔'' شکیلہ نے کہا۔

"میرے خیال میں زیادہ انتظام نہیں کرنا پڑے گا۔ بس کچھ وقت جا رہا ہے۔"

"او کے۔" شکیلہ نے فون بند کر دیا۔ سعدی کو اطلاع دے کر ظفری وہاں سے چل پڑا۔ لیکن تین بجے سمن کے فون کی بجائے خود سمن ہی وہاں پہنچ گئی۔ مضطرب صاحب نے آندھی اور طوفان کی طرح کمرے سے میں گھس کر کسی پری رو کے آنے کی اطلاع دی تھی اور اس اطلاع سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ وہ پری رو دندناتی ہوئی اندر گھس آئی۔ "ہیلو ظفری، ہیلو شکیلہ۔ اس نے نہایت بے تکلفی سے دونوں کو مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" ظفری بولا۔ "فون کی بجائے آپ خود۔"

"کیا آپ آپ لگا رکھی ہے بیوی ہوں تمہاری۔ تم کہہ کر مخاطب کرو۔"

"معاف کیجیے گا مس سمن۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے بیوی ہونا کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے جس کی معافی مانگی جائے؟ شکیلہ نے برجستہ جواب دیا۔ دو آفتیں اکٹھی ہو گئی تھیں۔"

"تین دفعہ فون کیا، نہیں ملے تو تشویش ہوئی کہ کسی دوسری عورت کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے اس لیے تحقیقات کے لیے خود آ گئی۔"

"دیکھ لیا آپ نے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ شکیلہ ہمارے کیس سے واقف ہوں گی ان سے کیا چھپانا کیوں شکیلہ صاحبہ؟"

"جی ہاں"۔ انہوں نے مہر کی رقم لا کر بڑی شرافت سے اپنے سرپرستوں کے حوالے کر دی تھی یعنی تیس ہزار۔ اس کے بعد کیس تو معلوم ہونا ہی تھا۔"

"بڑے سعادت مند شوہر ملے ہیں مجھے۔ ویسے وہ حضرات تشریف لے آئے ہیں۔"

"خوب۔ نور محل ہی میں ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"ہاں۔ سنا ہے بڑی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ یار ظفری آؤ کیوں نہ ہم لوگ زیارت کر لیں ان کی۔ چل شکیلہ۔ اور کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو۔"

"کیا خیال ہے شکیلہ۔۔۔؟" ظفری نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔" شکیلہ بولی۔ اور تینوں باہر نکل آئے۔ سمن کی کار میں ہی وہ نور محل پہنچے۔ سمن کی کار نور محل سے کافی دور پارک کی تھی۔ اور تینوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ ظفری اس وقت ایک عمدہ لباس میں ملبوس تھا اس لیے اسے پہچان لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ ان علاقوں میں منڈلانے لگے جہاں نواب صاحب کی زیارت کے امکانات ہو سکتے تھے۔ پھر جمال الدین صاحب نظر آ گئے۔ کسی کام سے باہر نکلے تھے۔ ظفری نے سمن کو متوجہ کیا۔

"دیکھ رہی ہو سمن اس حسین نوجوان کو۔ اب بھی فیصلہ بدل دو۔ معاملات ہموار کرنا میری ذمہ داری۔" اس نے کہا اور سمن اسے گھورنے لگی۔

"شرم نہیں آتی کیسے بے غیرت مرد ہو۔ اپنی بیوی کو غیروں کی طرف متوجہ کرتے ہو۔ ارے غیرت کرو غیرت۔"

بہت تیز لڑکی تھی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ بہر حال وہ خیر و عافیت کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔ "یہ امی نہ جانے کس چکر میں ہیں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

"تم سے کوئی بات نہیں ہوئی اس بارے میں۔۔۔؟"

"قطعی نہیں، سخت ناراض ہیں۔ اس دن سے آج تک کوئی بات نہیں کی ہے مجھ سے۔ یہ لوگ دفع ہو جائیں تو پھر انہیں ہموار کروں گی۔" ان لوگوں کو اس نے دفتر کے پاس اتارا اور واپسی کی اجازت مانگی۔

"چائے بھی نہیں پیو گی ہمارے ساتھ؟" ظفری نے پوچھا۔

"نہیں سرتاج پھر سہی۔ آجکل مجھ پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ حالات بے حد ناساز گار ہیں۔" اس نے جواب دیا اور ہاتھ ہلا کر چل پڑی۔

"سوچ لو ظفری۔" شکیلہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا سوچ لوں۔۔۔۔؟"

"لڑکی تیز ھی نظر آتی ہے۔ کہیں چھاپہ نہ مار بیٹھے۔ تمہیں شوہر ثابت کرنا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا کیونکہ بیگم ہدایت پور بھی اس بات کی گواہ ہیں۔ پولیس گردن سے پکڑ کر تمہیں ان کے سامنے پیش کردے گی۔"

"آہ شکیلہ، کتنے دن سے میں ان حالات کا منتظر تھا۔ بالآخر میری تقدیر کھل ہی گئی۔"

ظفری جذباتی لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔"

"تم اس کے سلسلے میں خدشات کا شکار ہوگئی ہوناں۔ یہ احساس اس پوشیدہ جذبے کی نمائندگی کرتا ہے، جو تمہارے سینے میں ہے۔ مجھے یقین ہے شکیلہ کہ تم نے مجھ سے متاثر ہوگئی ہو۔"

شکیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا تھا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"ظفری، مرغا بن جاؤ۔"

"مم، مرغا۔ کک، کیوں۔" ظفری نے شکیلہ کی سنجیدگی سے بوکھلا کر کہا۔

"میں تم سے اظہار عشق کرنا چاہتی ہوں۔ جلدی کرو ورنہ حالات مزید خراب ہوسکتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"اوہ۔ نہیں۔ مس شکیلہ۔ ہوٹل نورمحل واپس پہنچنا ہے۔ بس سعدی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بس میں مطمئن ہوں سب ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔" ظفری نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

کام بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھا۔ شکیلہ کو بھی جھوٹ سچ بول کر اس عمارت میں منتقل کردیا گیا۔ جو بیگم صاحبہ نے مہیا کی تھی۔ اس عمارت کو موجودہ پروگرام کے تحت ایک خاص رنگ دیا گیا تھا کیونکہ یہیں سے شکیلہ کو اپنا کام کرنا تھا۔

ظفری نواب جمال الدین کی قربت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وضعیہ

پودینہ قسم کے جوان تھے ہر کام میں سہاروں کے قائل۔ نواب جلال الدین دیرینہ شناساؤں میں الجھے ہوئے تھے اور عموماً ہوٹل سے باہر رہتے تھے۔ کاروباری قسم کے دوستوں میں جمال الدین کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اچھا خاصا طویل پروگرام بنا کر آئے تھے اس لیے کسی بھی سلسلے میں کوئی جلدی نہیں تھی۔

ظفری کی محنت رنگ لائی۔ نواب جلال الدین نے اسے بلا کر کہا۔ "میاں خدا بخش پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

"جی سرکار بارھویں جماعت تک پڑھا ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"پھر ہوٹل کی نوکری کیوں کررہے ہو۔۔۔۔؟"

"بس حضور۔ اللہ کا شکر ہے۔ اطمینان سے کٹ رہی ہے۔"

"تم قابل اعتماد انسان معلوم ہوتے ہو۔ یہاں ہم ایک ماہ کے قریب رہیں گے۔ طویل عرصہ کے بعد دورہ ہوا ہے بہت سے کاروباری معاملات بھی نمٹانے ہیں اور اس کے علاوہ ایک خاص کام بھی۔"

"وہ کیا حضور۔۔۔۔۔؟"

"صاحبزادے کی شادی کی بات چیت بھی پکی کرنی ہے۔ لیکن اس میں ابھی کچھ وقت لگے گا ہمیں کچھ لوگوں کا انتظار ہے۔"

"جی سرکار۔" ظفری نے کہا۔

"یہ ہوٹل بہترین ہے۔ ہمیں یہاں کا عملہ بے حد پسند ہے۔ خاص طور سے تم نوابی آداب سے واقف معلوم ہوتے ہو۔ ہم تو مصروف رہتے ہیں صاحبزادے یہاں کے ماحول سے ناواقف ہیں۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ تم ان کے ساتھ رہو۔"

"بسروچشم۔ یہ تو میری خوش بختی ہے۔ میں دل و جان سے تیار ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"ہم منیجر سے بات کرلیں گے۔ تم انہیں سیر و تفریح کرایا کرو۔ جہاں جانا چاہیں لے جایا کرو۔ گاڑی ہم نے کرائے پر حاصل کر لی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔"

"جی بہت بہتر' ویسے منیجر صاحب سے گفتگو کرنے کی تکلیف آپ نہ فرمائیں نواب صاحب' میں خود ہی بات کرلوں گا۔"

"بس مناسب ہے۔" یوں نواب جمال الدین صاحب ظفری کے شکنجے میں آ گئے۔ وہ خود بھی ظفری کو پسند کرنے لگے تھے۔ ظفری نے کچھ حرکتیں ہی ایسی کی تھیں کہ نواب جمال الدین اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ اور ظاہر ہے پوری پلاننگ کے ساتھ کام ہو رہا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نواب جمال الدین ظفری کی جانب متوجہ نہ ہوتے۔ اس شام بھی پوری تیاریوں کے ساتھ وہ ساحل سمندر کی سیر کو نکلے تھے۔

"آپ کو سمندر بہت پسند ہے۔ نواب جمال الدین صاحب۔" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں کنارے کنارے سے پسند ہے' میرا مطلب ہے ہم پانی میں قدم نہیں رکھ سکتے۔"

"کیوں۔۔۔؟" ظفری نے تعجب سے سوال کیا۔

"نزلہ ہو جاتا ہے۔" نواب صاحب لچک کر بولے۔

"اوہ یقیناً' نواب صاحب' یہ سمندر کا پانی بھی عجیب ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بے پناہ خوب صورت' لیکن نہایت مضر' سخت نمکین اور جلد خراب کر دینے والا۔ جبکہ آپ کی یہ سفید جلد میرے خیال سے ہاتھ لگانے سے میلی ہو جاتی ہو گی۔"

"اوہ' ہاں بڑی حساس جلد ہے ہماری۔"

"یورپ تو تباہ کر دیا ہوگا آپ نے نواب صاحب۔"

"ایں' نہیں وہ ہٹلر نے تباہ کیا تھا۔" نواب صاحب جلدی سے بولے۔

"اُفوہ۔ میں یورپ کی حسیناؤں کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟ ہم نہیں سمجھے۔"

"کمال ہے نواب صاحب آپ کس قدر معصوم ہیں۔ یورپ کی دل پھینک لڑکیاں تو آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہوں گی۔ کہاں کھدرے چہروں والے بدنما انگریز اور کہاں یہ مشرق کی ملاحت۔ آپ کو دیکھ کر تو لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہوں گی۔"

"نہیں پاگل تو کوئی نہیں ہوئی' لیکن جب ہم تقاریب میں شریک ہوتے ہیں تو لڑکیاں ہمارے نزدیک آنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر ہم قبلہ ابو جان کی وجہ سے کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ابو جان ہم پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمیں تنہا نہیں نکلنے دیتے۔ ہمارا ایک سیکریٹری ہے پاکستانی ہی ہے۔ لیکن بڑا ہی سخت گیر ہماری کوئی بات نہیں مانتا۔ ہم نے اسے رشوتیں دینے کی کوشش کی لیکن ہماری ذرا سی بات بھی ابو جان کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے۔"

"نہایت نامعقول شخص ہے وہ' آپ نے اسے نکال کیوں نہیں دیا۔" ظفری نے کہا۔

"ہم نہیں نکال سکتے نا' وہ ابا جان کا منہ چڑھا ہے۔" نواب صاحب افسردہ لہجے میں بولے۔

"یہ آپ کے ساتھ زیادتی ہے سراسر زیادتی۔ آپ جوان ہیں آپ کو حق ہے کہ لڑکیاں آپ کے قدموں میں گر کر جان دے دیں۔ یہ حسن یہ جوانی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہی کوئی انسان ایسا پیدا ہوتا ہے۔ جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ ویسے نواب صاحب دل تو چاہتا ہوگا کہ آپ کا کبھی حسیناؤں کے ساتھ وقت گزارنے کو۔۔۔۔؟"

"ہاں مگر کچھ شرم محسوس ہوتی ہے۔ اصل میں اول تو ہمیں موقع نہیں ملا اس کا۔ قبلہ ابو جان نے بچپن ہی سے سخت گیری رکھی ہے ہم پر۔ کہیں کسی غلط جگہ نہیں جانے دیا۔ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ یورپ کی فضا بڑی خراب ہے۔ یہاں آدمی کو اپنا خاندانی وقار قائم رکھنے کے لیے بڑی مشکلات سے گزرنا ہوتا ہے اور دوئم یہ کہ جب ہمیں ان کے درمیان گھلنے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا تو پھر ہم کیسے ان کی جانب متوجہ ہوتے۔"

”واہ‘ آپ کے کچھ افکار وخیالات تو ہوں گے نواب صاحب۔“ ظفری نے پوچھا۔

”کیسے افکار وخیالات۔۔۔۔؟“

”زندگی کے ساتھی کے لیے ایک انتخاب‘ دراصل قبلہ نواب صاحب آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں۔“

”ہاں ہاں ضرور۔۔۔۔! تم نہایت نفیس آدمی معلوم ہوتے ہو ہمیں۔“ نواب صاحب بولے۔

”شادی بغیر محبت کے نہیں ہونی چاہیے نواب صاحب یہ زندگی بھر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ انسان کم از کم اپنی پسند پالے تو زندگی سکون سے گزر سکتی ہے۔ اب دیکھیے نا کوئی ایسی لڑکی آپ پر مسلط ہو جائے جو آپ کو پسند نہ ہو تو کیا آپ زندگی بھر روتے پیٹتے نہیں رہیں گے۔۔۔۔؟“

”بالکل بالکل‘ مگر ہم کیا کریں۔۔۔۔۔؟“

”میں نے سنا ہے کہ قبلہ نواب صاحب آپ کو یہاں شادی کے لیے لائے ہیں۔“

”جی ہاں وہ ہماری ایک عزیزہ ہیں۔ ان کی صاحبزادی سے ہمارا سلسلہ چل رہا ہے۔“

”دیکھا ہے آپ نے ان کی صاحبزادی کو؟“

”ہاں ایک آدھ بار دیکھا بھی ہے۔ لیکن یہ بہت پرانی بات ہے۔ ہمیں تو ان کی شکل بھی یاد نہیں ہے۔“

”اس کے باوجود آپ کو اس شادی کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔“

”ہاں‘ یہ بچپن سے طے ہے۔“

”آپ جرأت کیوں نہیں کرتے نواب صاحب؟“

”کیسی جرأت۔۔۔۔؟“

”آپ نواب صاحب سے کہیں کہ آپ ان خاتون سے ملنا چاہتے ہیں‘ انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”شہید کر دیے جائیں گے ہم۔ نام ونشان نہ ہوگا اس روئے زمین پر ہمارا۔۔۔۔“

”اوہ‘ اس قدر مجبور ہیں آپ؟“

”ہاں یہ ہمارے خاندانی اصول ہیں۔“

”بہر حال میں خادم ہوں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ لیکن یہ انوکھی زندگی ہے۔ آپ کی اپنی پسند بھی تو کوئی حیثیت رکھتی ہے زندگی آپ کو گزارنی ہے‘ محبت کے بغیر شادی‘ کمال ہے۔“

”شادی سے پہلے محبت ضروری ہوتی ہے۔۔۔۔؟“

”یقیناً ورنہ شادی بے کیف ہو جاتی ہے۔ کسی بھی ناپسندیدہ شخصیت کو زندگی بھر کے لیے خود پر مسلط کر لینا نادانی ہے۔“

”تم نے ہمیں پریشان کر دیا۔“

”معذرت خواہ ہوں نواب صاحب۔ سخت شرمندہ ہوں۔“

”نہیں تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک بھی ہے۔ مگر ہم کیا کریں۔“

”آپ خود میں جرأت پیدا کریں۔ ویسے نواب صاحب شادی کے لیے کوئی تصور تو ہوگا آپ کے ذہن میں؟“

”ہاں۔ ہم مشرقی حسن کے دلدادہ ہیں۔ کوئی ایسی نازک انداز حسینہ جو خوبصورت بھی ہو اور شرم وحیا کی پتلی بھی۔ مغربی لڑکیاں دل کش ضرور ہوتی ہیں لیک بیباک بہت ہوتی ہیں۔ ہمیں باپردہ اور باحیا لڑکیاں پسند ہیں۔“

”بے شک حسن مشرق کا مغرب سے کیا موازنہ۔“ ظفری نے کہا۔ اس کا کام بن گیا تھا۔

رات کو اس نے دوسرے ضروری کام کیے۔ پھر سعدی شکیلہ اور وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پروگرام طے پا گیا۔ دوسرے دن کے لیے ظفری نے ایک قدیم قلعہ دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ کار چل پڑی۔ یہ قلعہ شہر سے تقریباً بیس میل دور تھا۔ کار برق رفتاری سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ اور پھر وہ قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ قلعے کے مختلف حصوں کو دیکھ کر نواب جمال الدین بہت متاثر ہوئے

تھے۔

"یہ زمین شہزادے اور شہزادیوں کی محبتوں کی زمین ہے۔ نواب صاحب غور کریں یہاں حسین ترین شہزادیاں چلتی پھرتی ہوں گی۔"

"ہاں، اور لوگ ان کے دیوانے ہوں گے" جمال الدین بیحد متاثر نظر آ رہے تھے۔ دفعتاً ایک سریلی چیخ کانوں میں ابھری اور نواب جمال الدین اچھل پڑے۔ "یہ کیسی آواز ہے۔"

"آیئے دیکھیں۔" ظفری نے کہا۔ اور دونوں آواز کی سمت چل پڑے۔ اور پھر نواب صاحب ٹھٹھک گئے۔ مبہوت ہو گئے۔ ایک انتہائی دل کش حسینہ پاؤں پکڑے کراہ رہی تھی۔ حسین ترین مشرقی لباس بال بال موتی پروئے ہوئے کہ دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جائیں۔

اس نے جمال الدین کو دیکھا۔ اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان آنکھوں میں عجیب سی چمک عجیب سا تحیر تھا۔ دوسری طرف نواب جمال الدین بھی ماحول کے سحر میں گرفتار تھے۔ لڑکی کو دیکھ کر ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔

"میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی ہے، آہ۔ میری مدد کریں۔" چند لمحات کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"دیکھیے، دیکھیے تو سہی۔" اس کے قریب جا کر ظفری جلدی سے بولا اور نواب صاحب بے اختیار آگے بڑھ گئے۔

"یہ پاؤں، اس جگہ سے مڑ گیا ہے۔ ذرا دیکھیں ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔" لڑکی بولی اور نواب صاحب بے اختیار نیچے بیٹھ گئے۔ لڑکی کے پاؤں کو چھوتے ہوئے ان کے دل کی دھڑکن بند ہوتی جا رہی تھی۔ نرم، ملائم، سفید، دودھیا پاؤں۔۔۔ انہوں نے پاؤں کو ٹٹول کر دیکھا اور پھر گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "ہڈی۔۔۔ ہڈی۔۔۔ ہڈی۔"

"کیا ہڈی ہڈی لگا رہے ہیں آپ، بتایئے کیا ٹوٹ گئی ہے۔ ہڈی۔۔۔؟" لڑکی نے پوچھا۔

"جی بالکل نہیں ٹوٹی۔۔۔" جمال الدین اس کے پاؤں کو ادھر ادھر موڑتے ہوئے بولے۔

"اوہ، ہمیں سہارا دے کر کھڑا کریں۔" لڑکی نے اپنا بازو ان کی جانب بڑھا دیا اور نواب صاحب نے اسے سہارا دیا۔ ان کے چہرے کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ وہ بار بار تھوک نگل رہے تھے۔

"ذرا چلا کر دیکھیے۔ آپ کو تکلیف تو ہو گی۔" لڑکی نے کہا۔ اور نواب صاحب اسے سہارا دیے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ظفری غیر محسوس انداز میں پیچھے کھسک گیا تھا۔ لڑکی چند قدم آگے بڑھی۔ پیچھے ہٹی اور تھوڑی دور چلنے کے بعد مسکرا پڑی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"نن نہیں، شکریے کی کوئی بات نہیں ہے۔ مم مگر آپ کون ہیں۔"

"شہزادی۔"

"کک، کیا مطلب۔۔۔؟"

"میرا نام شہزادی ہے۔"

"اوہ، بب بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" نواب صاحب نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کئی بار اپنی شیروانی درست کر چکے تھے۔

"آپ کون ہیں۔۔۔؟" لڑکی نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"جج، جم۔۔۔ جما۔۔۔ جمال۔۔۔ جمال الدین۔"

"بے حد اچھے انسان ہیں آپ۔ آپ کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت ہی اپنا قریب ہو۔ سچ میرے پاؤں کی تکلیف تو ایک دم ٹھیک ہو گئی۔"

"اچھا۔۔۔!" نواب صاحب کی کیفیت اب کسی قدر درست ہوتی جا رہی تھی۔

"میں آپ کی بے حد شکرگزار ہوں۔ دراصل قلعہ دیکھنے آئی تھی۔ تنہا ہی نکل آئی تھی۔ ایک پتھر سے اتر رہی تھی کہ پاؤں مڑ گیا جس کی وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانا پڑی۔"

"جی ہاں جی ہاں' پتھر سے اترنے میں ذرا سی احتیاط کرنی چاہیے۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ کہاں رہتے ہیں۔۔۔؟"

"ہم۔۔۔ہم یورپ میں رہتے ہیں۔"

"اچھا' سیر و تفریح کے لیے آئے ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"آیئے کہیں بیٹھ کر بات کریں۔ کیسا پرفضا مقام ہے' آپ کو یہ قلعہ پسند آیا۔" لڑکی نے کہا اور نواب صاحب زور زور سے گردن ہلانے لگے۔ وہ انہیں لیے ہوئے ایک غلام گردش میں پہنچ گئی اور پھر ایک ٹھنڈے سے جھروکے کے پاس دونوں بیٹھ گئے۔

"اگر کوئی ہمیں اس جھروکے کے باہر سے دیکھے تو یوں محسوس کرے جیسے قدیم دور پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔ آپ محسوس کریں جمال الدین صاحب؟ کیسا عجیب لگے لوگوں کو۔۔۔۔"

"ہاں۔ آپ بھی بہت۔۔۔۔ بہت اچھی ہیں۔" نواب جمال الدین نے کہا۔

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں ہم بے موت مر جائیں گے۔"

"کیوں۔۔۔؟" جمال الدین صاحب منہ پھاڑ کر بولے۔

"بس ہم آپ کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ آپ کا یہ قرب بڑا ہی انوکھا بڑا ہی عجیب ہے۔۔۔" لڑکی نے کہا اور نواب جمال الدین کی حالت خراب ہونے لگی۔ ماحول کا اثر تھا یا زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کے ساتھ تنہائی نصیب ہوئی تھی۔ دل بری طرح اچھل رہا تھا۔ سردی لگنے لگی تھی۔

"آپ تو کچھ بول ہی نہیں رہے جمال۔" چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"کیا بولیں ہم' آپ برا مان جائیں گی۔"

"آپ اتنے دلکش' اتنے پیارے ہیں کہ' کہ ہم آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان سکتے۔"

"اچھا۔" نواب صاحب نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔

"یہاں آپ کا قیام کہاں ہے۔۔۔؟"

"ہوٹل نور محل میں۔"

"ہم آپ سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں؟"

"ہوٹل میں نہیں' وہاں ابو جان قبلہ ہوتے ہیں۔"

"پھر کہاں۔۔۔؟"

"ہم' ہم پوچھ کر بتاتے ہیں خدا بخش سے۔ خدا بخش۔ ارے خدا بخش تم کہاں چلے گئے۔"

"جی سرکار۔" ظفری جلدی سے اندر آ گیا۔

"ہم دوبارہ کہاں مل سکتے ہیں۔"

"کہیں بھی جناب' ساحل سمندر پر' ہوٹل بار برا بہت خوبصورت ہے۔" ظفری بولا اور نواب جمال الدین لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

"پھر کل دوپہر دو بجے کے بعد۔ ہوٹل بار برا۔"

"کمرہ نمبر ۱۲۔" ظفری جلدی سے بولا۔

"ہم پہنچ جائیں گے۔ اب آپ ہمیں ہماری کار تک پہنچا دیں۔ باہر کھڑی ہوئی ہے۔"

وہ بولی اور مسلسل نواب صاحب کا سہارا لے کر باہر نکل آئی۔ اس کی کار قلعے کے ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی۔ لڑکی نے چابی نکال کر کار کا دروازہ کھولا اور پھر نواب صاحب کو خدا حافظ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ نواب صاحب وہیں منہ پھاڑے کھڑے رہ گئے۔

ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے خود ہی نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "آیئے نواب صاحب قلعے کے دوسرے حصے دیکھیں۔"

"نہیں' واپس چلو۔" نواب صاحب بولے۔

"جو حکم ۔۔۔!" ظفری نے جواب دیا۔ اور پھر وہاں سے واپس چل پڑے' راستے میں اس نے کہا۔ "حضور نواب صاحب۔ آپ بہت خاموش ہیں کچھ طبیعت تو ناساز نہیں ہوگئی۔"

"نہیں ٹھیک ہوں۔" مگر یہ کون تھی؟"

"کسی اچھے گھرانے کی شریف لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ مگر بے چاری آج بے موت ماری گئی۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟ نواب صاحب اچھل پڑے۔

"آپ نے اس پر غور نہیں کیا نواب صاحب۔ پاگل ہوگئی ہے آپ کے لیے۔ اس کی آنکھوں میں آپ کے لیے محبت کا سمندر موجزن تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے عشق کرنے لگی ہے۔"

"عشق۔" نواب صاحب خوابناک لہجے میں بولے۔ "مگر اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا خدا بخش؟"

"میں اس سلسلے میں کیا عرض کرسکتا ہوں نواب صاحب۔ اس سے جان چھڑانے کا سب سے بہتر طریقہ ہے کہ کل آپ ہوٹل ہاربرا کا رخ بھی نہ کریں۔ خود ہی مایوس ہوکر واپس چلی جائے گی۔"

"کیا بکواس کررہے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ وہاں ہمارے لیے آئے اور ہم نہ پہنچیں۔ ہم وہاں ضرور جائیں گے خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ سنو خدا بخش ہماری قسم۔ ابو جان قبلہ کو یہ بات نہ بتانا ورنہ ہم بے موت مرجائیں گے۔"

"بہتر ہے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ خدا بخش آپ کا خادم ہے۔ میری زبان کبھی نہ کھلے گی۔ لیکن نواب صاحب قبلہ کو اگر یہ بات معلوم ہوگئی تو۔۔۔۔؟"

"ابھی نہیں معلوم ہونی چاہیے۔ بعد میں ہم سنبھال لیں گے۔" جمال الدین پریشان لہجے میں بولے۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

دوسرے دن ساحل سمندر کے ہوٹل ہاربرا میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی جو کئی گھنٹے جاری رہی۔ پھر تیسرے دن بھی اسی ہوٹل میں ملاقات طے ہوگئی تھی۔ نواب جمال الدین ایک طرف تو عشق و محبت کی منازل طے کررہے تھے۔ شہزادی ان کے حواس پر مسلط ہوگئی تھی اور دوسری طرف وہ شدید ذہنی خلجان کا شکار بھی تھے۔ ظفری سعدی اور شکیلہ بے حد مصروف تھے انہیں کئی محاذ سنبھالنے پڑ رہے تھے لیکن ان حالات میں انہوں نے خلوص دل سے یہ اعتراف بھی کیا کہ جناب اضطراب احمد مضطرب صاحب دفتر کے ایک معمولی کارکن ہی نہیں بلکہ زبردست انتظامی صلاحیتوں کے ماہر بھی ہیں۔ وہ ان حالات کو نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے تھے۔

ایک طرف مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ تینوں بچوں کے لیے پریشان تھے لیکن مضطرب صاحب نے ایک بڑا کاروبار ملنے کی خبر سنائی تھی جس کے ذریعہ کئی ہزار کا منافع ہونے والا تھا۔ انہوں نے یہ کہہ کر بات نبھائی تھی کہ کئی شہروں سے خریداری کرنی ہے۔ وہیں مال پیک کرانا ہے اور پھر وہاں سے روانہ کردینا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو الگ الگ مصروف رہنا پڑا ہے۔

دوسری طرف سمن آراء ہدایت پور تین چار بار دفتر آچکی تھی۔ ملاقات مضطرب صاحب سے ہی ہوئی تھی اور سمن پریشان ہوگئی تھی۔

"آخر تینوں کے تینوں کہاں غائب رہنے لگے ہیں' جب بھی آؤ ملاقات ہی نہیں ہوتی' آپ ہی ملتے ہیں۔"

"جی محترمہ صاحبہ' دراصل یہ کام ہی عجیب الجھا ہوا سا ہے۔ یہ مصروفیت آج کی نہیں ہے آپ تو اب یہاں آنے لگی ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کاروبار معمولی نہیں ہے۔ جوں جوں لوگوں کو اس کی افادیت کا احساس ہوتا جارہا ہے اسی طرح کام بھی بڑھتا جارہا ہے۔ اب اس وقت چار کیس ہیں ہمارے پاس اور یہ چاروں کے چاروں کیس تینوں بچے مل کر حل کررہے ہیں۔ بس کیا بتاؤں آپ کو کہ بیچارے کس قدر الجھنوں کا شکار ہیں۔ ہمہ وقت مصروف ہیں بے چارے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"آخر کبھی تو آتا ہوگا کوئی؟"

"جی ہاں جی ہاں۔ میں نے آپ کے دونوں پیغامات پہنچا دیے ہیں۔ ظفری نے یہی کہا ہے کہ سمن آراء صاحبہ سے معذرت کر لی جائے اور کہا جائے کہ جونہی فرصت ملی وہ فوراً آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔"

"آخر چند لمحات کی فرصت تو ملتی ہوگی۔ اس سے کہنا کہ مجھے فون کرے' میں انتظار کروں گی۔" آخری بار سمن آراء ہدایت پور ہدایت کر کے گئی تھیں اور مضطرب صاحب نے بڑے خلوص سے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔

بہر صورت ظفری اور سعدی کو یہ ہدایت تو مل چکی تھی لیکن ابھی سمن آراء ہدایت پور سے ملنے کا کوئی خاص موقع نہیں تھا۔ یہ دن تو انتہائی مصروفیت کے تھے۔

نواب جمال الدین کا عشق بلندیوں پر پہنچ چکا تھا اور اب وہ ہر وقت بے قرار و مضطرب رہتے تھے۔ ظفری ان کا سب سے گہرا دوست تھا۔ تنہا راز دار' جسے ان سارے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ ظفری ان کو مسلسل مشورے دیتا رہتا تھا۔

دوسری طرف نواب جلال الدین اب تقریباً اپنے دوستوں سے فارغ ہو چکے تھے اور سنجیدگی سے اس بارے میں غور کر رہے تھے کہ اب بیگم صاحبہ سے آخری بات کر لی جائے۔

اس دن انہوں نے ہدایت پور میں بیگم جہاں آراء سے ملاقات کی' اچانک ہی پہنچے تھے۔ بیگم صاحبہ ہکا بکا رہ گئیں اور اس کے بعد بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ نواب جلال الدین صاحب بڑی محبت اور اپنائیت سے بیگم صاحبہ سے ملے تھے۔

"بھابی صاحبہ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ میں آیا کس کام سے تھا اور کن مصروفیات میں الجھ گیا۔۔۔۔ یقینی طور پر آپ کے ذہن میں یہ سوالات آ رہے ہوں گے' لیکن کیا عرض کروں یہاں تو اتنی محبتیں بکھری ہوئی ہیں کہ انہیں سمیٹنا بھی بے حد مشکل کام ہے۔ تمام دیرینہ شناسا گھیر کر بیٹھ گئے تھے اور پھر کچھ ایسے ہیں جن سے کاروباری تعلقات چل رہے ہیں اور آپ کو علم ہے کہ میں

نے یورپ میں رہ کر بھی اپنے وطن سے برابر رابطہ رکھا ہے۔"

"ہاں بھائی جان مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب ہم وہ رسم بھی پوری کر لیں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ یورپ سے روانہ ہوتے وقت میں نے کچھ اور لوگوں کو بھی اس رسم میں شرکت کے لیے مدعو کیا تھا جو ابھی تک نہیں پہنچے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی اہم کام میں مصروف ہو گئے ہوں۔ بہر حال اب میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا ان کا' شادی میں سب شریک ہو جائیں گے۔"

"جی۔۔۔۔۔" بیگم صاحبہ نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھ پاؤں میں لرزش ہونے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے نواب صاحب کو کوئی احساس نہ ہونے دیا۔

"ویسے بھابی بیگم صاحبہ' شادی کا کب تک ارادہ ہے؟"

"جیسا حکم ہوگا بھائی جان۔"

"میں مارچ میں اس کام سے فارغ ہو جانا چاہتا ہوں۔ ابھی پانچ ماہ باقی ہیں اس عرصہ میں آپ بھی تیاریاں مکمل کر لیں گی اور میں بھی۔ میرا خیال ہے آج اکیس تاریخ ہے۔ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو ہم وہ رسمیات پوری کر لیں گے جن کا تعلق خاندانی روایات سے ہے۔ میرے دس بارہ مقامی دوست ہوں گے اس تقریب پر اس دوران اگر یورپ سے لوگ آ گئے تو وہ بھی شریک ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"نہایت مناسب۔" بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

"نواب صاحب نے دوپہر کا کھانا وہیں کھایا اور رخصت ہو گئے لیکن بیگم جہاں آراء کے دل میں پنکھے لگ گئے تھے۔ نواب صاحب کے جاتے ہی انہوں نے ظفری سے رابطہ قائم کیا۔ ہوٹل کے ریسپشن سے رابطہ قائم ہوا اور پھر خدا بخش سے۔

"کون بول رہا ہے؟"

"خدا بخش حضور۔"

"ظفری میں جہاں آراء بول رہی ہوں۔"

"تنہا ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے قریب موجود ہے بیگم صاحبہ؟"

تنہا ہوں اور بے حد پریشان ہوں۔ نواب جلال الدین ابھی تھوڑی دیر قبل واپس گئے ہیں۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے چچی جان۔"

"ظفری وہ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ طے کر گئے ہیں۔ بات پکی کرنے کے لیے کہہ رہے تھے پانچ تاریخ کو آئیں گے۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں چچی جان۔ اگلے ماہ کے کیلنڈر میں سے پانچ غائب کر دی جائے گی۔"

"تم اس قدر غیر سنجیدگی سے اس اہم مسئلے کو ٹال رہے ہو ظفری۔ میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔"

"اگر آپ اپنی جان کو سولی پر لٹکا کر کسی قسم کی ورزش کر رہی ہیں چچی جان تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو براہ کرم سولی سے اتر آیئے یہ معاملہ اب ڈی ڈی لمیٹڈ کے سپرد ہے اور ادارہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور انتہائی پر اطمینان انداز میں کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔"

"گویا تم مطمئن ہو؟"

"پوری طرح۔ اور آپ بھی ہماری طرح مطمئن ہو جایئے۔"

"ظفری میری عزت اب تمہارے ہاتھ ہے۔ میں بہت بے سکون ہوں۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں بیگم صاحبہ۔ سب ٹھیک ہے اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اچھا۔" بیگم صاحبہ فکر مندی کی گہری سانس کے ساتھ بولیں اور پھر مزید رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا گیا۔

معاملات نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے تھے۔ ساحل سمندر کے ہوٹل باربرا کا کمرہ نمبر بارہ محبتوں کا امین تھا۔ یہاں شہزادی کے آنسو اس کے دامن میں جذب ہوتے تھے۔ نواب جمال الدین کی قسمیں گونجتی تھیں۔ انہوں نے کھل کر کہہ دیا تھا کہ وہ شہزادی کے بغیر زندہ نہ رہیں گے۔ اور پھر ظفری نے انہیں مشورہ دیا کہ اب انہیں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

"تو۔۔۔۔۔ پھر اب کیا کروں تم ہی بتاؤ؟"

"نواب جلال الدین صاحب سے دوٹوک گفتگو۔"

"کیا کہوں ان سے۔۔۔۔۔؟"

"یہی کہ آپ سمن آراء ہدایت پور سے نہیں بلکہ شہزادی سے محبت کرتے ہیں اور اسی سے شادی کریں گے۔"

نواب جمال الدین کے چہرے پر شدید خوف کے آثار نظر آنے لگے' پھر انہوں نے ظفری کا بازو پکڑ کر کہا!

"خدا بخش یہ کام تم کر دو ہمارے لیے' تا زندگی تمہارے ممنون رہیں گے۔"

"میں دل و جان سے حاضر ہوں نواب جمال الدین صاحب لیکن شہزادی کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔" ظفری نے خشک روی سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔ کیا مطلب۔" نواب صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں ملازم ہوں ایک ادنیٰ ملازم' نواب صاحب کو یہ یقین ہو جائے گا کہ مجھے آپ کی محبت کا علم تھا۔ اس کے باوجود میں نے یہ بات ان سے چھپائی' چنانچہ آپ سے تو وہ کچھ نہیں کہیں گے لیکن مجھے مجبور کیا جائے گا میں شہزادی کے بارے میں تفصیلات بتاؤں۔ ممکن ہے مجھے پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ پولیس اچھے اچھوں کی زبان کھلوا لیتی ہے۔ اس طرح میں اور شہزادی دونوں مصیبت میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔"

"اوہ' اوہ۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہے' تو پھر کیا یہ کام ہمیں خود ہی انجام دینا ہوگا۔"

"بالکل۔۔۔۔اور اس سے قبل ہماری اور آپ کی ملاقات ختم ہو جانی چاہیے۔ میں آپ کے لیے یہ نوکری چھوڑنے کو تیار ہوں۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ اگر میں نواب صاحب کو نظر آیا تو پھر نواب صاحب مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں قبلہ جمال الدین صاحب کہ میں آپ پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں، لیکن اگر میں کسی طرح نواب صاحب کے ہاتھ لگ گیا تو پھر شہزادی گئی کام سے۔اس کا کیا ہوگا۔۔۔۔؟"

"نہیں نہیں تم چھپ جاؤ کہیں۔ ہم شہزادی کی زندگی کے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" نواب جمال الدین نے جواب دیا۔

"بہتر ہے حضور ہم آپ کے لیے یہ ملازمت ہی چھوڑے دیتے ہیں۔ آپ کس وقت یہ کام کریں گے؟"

"ارے باپ رے، ہمیں تو سوچ کر ہی وحشت ہوتی ہے۔"

"ایک واقعہ سناؤں حضور کو۔۔۔۔؟" ظفری نے کہا۔

"کیسا واقعہ۔۔۔۔؟"

"دانت کا درد ہوا ہے کبھی آپ کو۔"

"دانت کا درد! نہیں، ہماری بتیسی بہت مضبوط ہے۔"

"بڑا موذی مرض ہوتا ہے نواب صاحب، انسان پاگل ہو جاتا ہے اس درد میں۔ اس درد سے نجات حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ ہوا یوں کہ ایک صاحب کے دانت میں کچھ تکلیف تھی وہ کسی دندان ساز کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ یہ دانت نکال دے۔ دندان صاحب تیار ہو گیا، لیکن جب اس نے ان کے دانت کو چھوا تو ان صاحب کو شدید تکلیف ہوئی۔ دندان صاحب نے کہا کہ اگر وہ شراب کے دو تین پیگ لے لیں تو پھر دانت نکالنے میں آسانی ہو جائے

گی۔ چنانچہ ان صاحب نے شراب کے تین پیگ لے لیے اور نشے میں مست ہو گئے۔ دندان ساز نے ان سے کہا۔ لائیے حضور اب دانت نکال دوں۔ تو وہ اکڑ کر بولے۔ مجال ہے کسی کو جو میرا دانت نکال سکے۔ تو جناب والا اگر آپ کو دل کی بات کہنی ہے تو پھر دو چار پیگ لے لیں۔"

"شش، شش شراب۔" جمال الدین صاحب چونک کر بولے۔

"ہاں۔ دل کی بات کہنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے شراب میں آپ کو مہیا کر دوں گا۔ آپ تین چار پیگ لے لیں۔ اس کے بعد آپ نہایت بے خوفی سے نواب صاحب سے دل کی بات کہہ سکتے ہیں۔ آپ کھل کر کہہ دیں کہ آپ نے شراب صرف اس لیے شروع کی ہے کہ آپ کو عشق ہو گیا ہے۔ اور اگر آپ کا عشق کامیاب نہ ہوا تو آپ خودکشی کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے تم آج رات کو یہ کام کر دو، ہم نواب صاحب سے بات کر لیں گے۔"

رات کو ظفری نے بڑے اطمینان سے انہیں تین چار پیگ پلائے۔ اس کا اندازہ کیا کہ وہ کتنی پینے کے بعد بھی ہوش میں رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سارا اندازہ کرنے کے بعد وہ انہیں نواب صاحب کے کمرے تک چھوڑ آیا اور جمال الدین نواب صاحب کے حضور حاضر ہو گئے۔ سعدی قریب ہی موجود تھا۔ ظفری اس کے پاس پہنچ گیا اور پر مزاح انداز میں بولا۔

"بھائی سعدی۔ اب تم ہی سنبھالو۔ ہم تو چلے ہمارا کام ختم۔"

"بن گئی بات۔۔۔۔؟" سعدی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں۔ بندر شیر کی کچھار میں داخل ہو گیا ہے۔ کاش ہم اندر ہونے والی گفتگو سن سکتے۔"

"تو پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"بس میری پوزیشن کافی مخدوش ہو گئی ہے۔ اب اگر میں نواب جلال الدین کے ہاتھ لگ گیا تو گولی مار دی جائے گی مجھے۔"

"لیکن ابھی اسے تمہاری ڈھارس کی ضرورت ہے۔ تم ایک کام کرو ظفری۔ اسی ہوٹل

میں کمرہ لے کر مقیم ہو جاؤ۔ ابھی ان سے دور رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"یہ بھی مناسب مشورہ ہے۔ ٹھیک ہے یہ کوشش کیے لیتا ہوں۔ تم اس کمرے پر رہو۔ ممکن ہے چند لاشیں ڈھونی پڑیں۔ میں چلتا ہوں۔" ظفری نے کہا اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"قبلہ و کعبہ جناب والد صاحب! السلام علیکم۔۔۔۔۔" نواب جمال الدین نے گردن جھکا کر کہا اور جلال الدین چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

"وعلیکم السلام۔" وہ تعجب سے بولے۔

"بعد آداب کے گزارش ہے کہ۔۔۔ میں سمن آراہ ہدایت پور سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کیا۔۔۔۔؟" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"دیگر احوال یہ ہے کہ مجھے شہزادی سے محبت ہو گئی ہے۔ اور شادی زندگی بھر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ میں صرف اس لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں جسے میں چاہتا ہوں۔ چنانچہ ملتمس ہوں کہ آپ جہاں آراہ ہدایت پور سے اس شادی کے لیے انکار کر دیں اور شہزادی کے والدین سے ملاقات کر کے میری شادی طے کر دیں۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔ کیا ہو گیا ہے تجھے؟" نواب صاحب دھاڑے۔

"باقی سب خیریت ہے۔"

"جمال الدین۔" نواب صاحب غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب۔" جمال الدین ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"یا الٰہی خیر۔ بیٹے جمال الدین کیا ہو گیا ہے تجھے۔" نواب جلال الدین پریشانی سے اس کے قریب پہنچ گئے۔

"مجھے عشق ہو گیا ہے ابو حضور۔ جو اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔" جمال الدین نے کہا۔

لیکن نواب صاحب اس کے منہ سے اٹھتی ہوئی بدبو سونگھ چکے تھے۔

"تو نے شراب پی ہے۔"

"یہ مجبوری تھی ابو جان حضور۔ اس کی مدد کے بغیر میں آپ سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ خدا بخش زندہ باد۔"

"خدا بخش۔ کہاں ہے وہ مردود؟"

"نوکری چھوڑ کر چلا گیا اللہ کے فضل سے۔" جمال الدین نے جواب دیا اور صوفے کی پشت سے گردن ٹکا دی۔ نواب جلال الدین مزید کوئی بات کیے بغیر باہر نکل گئے۔ وہ سخت برہم تھے۔ ہوٹل کا سارا عملہ خدا بخش کی تلاش میں مصروف ہو گیا لیکن خدا بخش کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔

نواب صاحب کمرے میں واپس آئے تو جمال الدین صوفے پر خراٹے بھر رہے تھے۔

ساری رات نواب صاحب سو نہ سکے۔ لیکن دوسری صبح بھی خوشگوار نہیں تھی۔ جمال الدین سہمے ہوئے تو ضرور تھے لیکن اب ہمت بندھ گئی تھی۔ نواب جلال الدین کے قہر سے تھر تھر کانپ رہے تھے، لیکن اپنی بات پر بھی اڑے ہوئے تھے۔

"جی ہاں ابو حضور قبلہ، ہم سمن سے شادی نہیں کریں گے ہم شہزادی سے ہی شادی کریں گے۔"

"وہ ہے کون مردود۔ کہاں کی شہزادی۔ مجھے بتا تو سہی۔"

"اسی وقت بتاؤں گا ابو جان جب آپ سمن سے انکار کر دیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ شہزادی کو کوئی نقصان پہنچائیں۔"

"یہ سارے سبق تمہیں کس نے پڑھائے ہیں مردود۔۔۔۔"

"میں کسی کا نام نہیں لے سکتا ابو جان۔ ہر بات کا ذمہ دار میں ہوں۔" نواب صاحب ایک بار پھر خدا بخش کی تلاش میں نکل گئے۔ لیکن مینجر کو ہدایت تھی پولیس افسر کی کہ نواب صاحب کو کسی طرح معلوم نہ ہو کہ یہ ملازم بیگم ہدایت پور کے تھے۔ لہٰذا اسے بھی ظفری کی گمشدگی پر حیرت

تھی۔

نواب صاحب منیجر کو دھمکیاں دے کر آ گئے۔ لیکن انہوں نے یہ کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور خدا بخش کی تلاش کیوں کی جا رہی ہے۔ بھلا خدا بخش اب کہاں ہاتھ لگنے والا تھا۔ البتہ سعدی کا کام شروع ہو گیا تھا اس نے نہایت ادب سے نواب صاحب سے اس بارے میں استفسار کیا۔ ''مجھے یقین ہے حضور وہ بدبخت آپ کی کوئی قیمتی چیز چرا کر بھاگا ہے، بہتر ہے آپ پولیس میں رپورٹ کر دیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ رمضان علی، میں جھوٹی رپورٹ نہیں کرا سکتا۔ لیکن مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ میں ایک بہت بڑی پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''چھوٹا منہ بڑی بات سرکار۔ خادم آپ پر جان نچھاور کر سکتا ہے۔ اگر خادم کے لائق کوئی خدمت ہو تو اس سے گریز نہ فرمائیے۔ خادم وہ کام کر سکتا ہے آپ کے لیے جو بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکتے۔ یہ میری مخلصانہ پیش کش ہے۔ حضور اور اس کے صلے میں میں کوئی بخشش طلب نہ کروں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔''

نواب صاحب اس وقت ذہنی طور پر شدید پریشان تھے۔ دیارِ غیر میں کوئی غمگسار ایسا نہ تھا جس سے بات کر سکتے، اپنے ملازم جو ساتھ تھے۔ ایک حد تک بالکل ناکارہ تھے۔ وہ صرف ملازم تھے جو ہوں کے ساتھ ہاں کرتے تھے۔ ان حالات میں سعدی کی غمگساری انہیں تقویت کا باعث محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا۔

''بیٹھ جاؤ، تم شریف انسان معلوم ہوتے ہو۔ میں ایک عجیب پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں۔ یہاں میں اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا، لیکن صاحبزادے کسی اور ہی رنگ کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی کون ہے؟''

''نام کیا ہے حضور اس لڑکی کا؟''

''شہزادی بتاتا ہے بدبخت، نہ جانے کہاں کی مردودہ ہے۔'' نواب صاحب غصے سے

دھاڑے اور سعدی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔''

''یہ تو معلوم ہو سرکار کہ وہ لڑکی کون سے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تبھی کچھ کیا جا سکے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں نواب جمال الدین سے گفتگو کر لوں۔''

''ضرور کرو، معلوم کرو، اور میری مدد کرو۔ میں تمہیں کوئی لالچ نہیں دے رہا۔ لیکن اگر میری پریشانی کا کوئی حل تلاش کر لو تو میں تازندگی شکر گزار رہوں گا۔''

نواب جمال الدین اس سے نہ کھل سکے تھے۔ بہرصورت شہزادی کے بارے میں وہ اسی بات پر مصر رہے کہ اس کا کوئی پتہ نہیں بتائیں گے، نا ہی اس کی تلاش اس وقت تک کی جا سکتی ہے جب تک سمن آراء ہدایت پور کو انکار نہ ہو جائے۔ آخر کو خدا بخش کا چڑھایا ہوا پانی تھا کہ معمولی بات نہیں تھی۔ جمال الدین پر عشق کا بھوت پوری طرح سوار ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ محبوبہ دلنواز کو کسی خطرے کا شکار نہیں بنا سکتے تھے۔ سعدی لاکھ کوشش کے باوجود ان سے اس کا پتہ کسی طرح معلوم نہیں کر سکا تب اس نے نواب جلال الدین کو رپورٹ پیش کر دی۔

''میں جانتا ہوں وہ بدبخت بالکل ہی پاگل ہو گیا ہے مگر میرے لیے بڑی مشکل ہے اکلوتا بیٹا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔ لیکن جہاں آراء ہدایت پور کو کیا جواب دوں عجیب مشکل کا شکار ہو گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ بدبخت شہزادی ہے کون۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو شاید یہ بے غیرت مول لے لیتا۔ پرانی روایات کو ٹھکرا دیتا، اولاد کے لیے۔ یہ اولاد بدبخت ہی تو سارے جہاں کی مصیبت بنتی ہے۔'' نواب صاحب بیحد پریشان ہو رہے تھے۔

لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود نواب جمال الدین نے شہزادی کا پتہ نہیں بتایا۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ جب تک سمن آراء ہدایت پور کے بارے میں انکار نہ کیا جائے گا وہ اس وقت تک شہزادی کے بارے میں کچھ نہ بتائیں گے۔

دوسری طرف ہدایتکار بدستور ان کی پشت پر موجود تھا، اسی دن نواب جمال الدین کو خدا

بخش کا ٹیلی فون موصول ہوا۔

"ارے خدا بخش تم کہاں ہوا ہمیں تمہاری شدید ضرورت ہے لیکن شہزادی ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ کئی دن سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"حضور نواب خدا بخش آپ کا خادم ہے۔ میں نے شہزادی کو یہ اطلاع دے دی ہے کہ آپ کون سی مہم سر کر رہے ہیں۔ اس بات کو سن کر وہ مسرور ہے۔"

"آہ۔ اس سے کہو کہ ہم اس کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں۔ مر جائیں گے مگر وفا کے نام پر آنچ نہ آنے دیں گے۔"

"آئیڈیا۔ سرکار والا آئیڈیا۔ رات کو دس بجے ہوٹل کی پشت پر جو پارکنگ لاٹ ہے یہاں مجھ سے ملاقات کر لیں۔" خدا بخش کی آواز ابھری۔

"ہم ضرور پہنچیں گے۔" نوب جمال الدین نے کہا۔

"لیکن ذرا ہوشیاری سے' آپ کا تعاقب نہ کیا جائے۔"

"تم بے فکر رہو۔" نواب جمال الدین نے کہا۔ اور در حقیقت رات کو دس بجے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ پارکنگ لاٹ پر پہنچ گئے' جہاں ظفری موجود تھا۔

ظفری نے بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا' پھر گولیوں کی ایک شیشی اور رسیوں کا ایک لچھا ان کے حوالے کر دیا۔

"یہ کیا چیز ہے؟"

"خودکشی کے دو موثر طریقے۔" ظفری نے جواب دیا اور نواب صاحب کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"خودکشی۔۔۔۔۔۔!"

"ہاں حضور صرف دھمکی۔ آپ رسّی کا یہ پھندا اپنے کمرے کے کسی کنڈے میں ڈال لیں اور یہ شیشی جیب میں چھپا لیں۔ لیکن اس طرح کہ جب نواب صاحب قبلہ آپ کے کمرے

میں داخل ہوں تو یہ شیشی آپ کے لباس سے نکل کر نیچے گر پڑے اور نواب صاح یہ دیکھ لیں کہ آپ خودکشی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نا آپ؟" نواب جمال الدین دلچسپ نگاہوں سے اس دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بڑے پر مسرت انداز میں کہا!

"تم بے حد ذہین آدمی ہو' ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے سرکار۔ بس آپ کا عشق کامیاب ہو جائے' شادی ہو جائے آپ کی شہزادی سے۔ آپ کو ہر طرح سے خوشیاں مل جائیں۔ یہی میری تمنا ہے۔"

"ہم تمہاری ہدایت پر پورا پورا عمل کریں گے۔" اور دوسری صبح جب ناشتے کے لیے انہیں نواب صاحب نے طلب کیا تو نواب جمال الدین نے کمرے کا دوازہ ہی نہ کھولا۔ جلال الدین ویسے ہی سخت پریشان تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی اور جمال الدین ناشتے پر ہی نہ آئے تو وہ خود ہی دروازے پر پہنچ گئے۔

"دروازہ کھولو جمال کیا کر رہے ہو اندر؟"

"بس ابو حضور' خدا حافظ۔ جمال الدین اب اس دنیا سے جا رہا ہے۔" اندر سے آواز آئی اور جلال الدین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"جمال الدین بیٹے جمال الدین دروازہ تو کھولو۔ حماقت ہے کیوں تماشہ بنا رہے ہو مجھے دیار غیر میں۔ دروازہ کھولو بیٹے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے۔ ابو حضور اور وہ ہے شہزادی سے شادی کی بات۔ اس کے علاوہ اور کسی بات پر صلح نہیں ہو سکتی۔ میں مر جانا چاہتا ہوں۔"

جلال الدین تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بڑی منت سماجت کے بعد جمال الدین نے دروازہ کھولا۔ چھت کے کنڈے میں پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ ایک صوفہ بھی اس کے نیچے کھسکا لیا گیا تھا۔

نواب صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "یہ یہ تو کیا کر رہا تھا جمال۔"

"شرمندہ ہوں ابو حضور۔ میں ہر قیمت پر خودکشی کا تہیہ کر چکا ہوں۔" جمال الدین نے گولیوں کی شیشی گرا دی اور گولیاں بکھر گئیں۔

"زہر۔" جلال الدین صاحب کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

"جی ابو حضور' یہ گولیاں کھا کر میں اس پھندے میں لٹک جاؤں گا تا کہ زندگی کا کوئی چانس نہ رہے۔"

"اور میں یہاں سے تیری لاش لے کر یورپ جاؤں۔ جمال میرے بیٹے میرے بچے میں تیری خوشی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ تیری شادی تیری مرضی سے ہوگی۔ تو فکر نہ کر ٹھیک ہے ہم آج ہی ہدایت پور چلیں گے۔ آج ہی چلیں گے۔" نواب صاحب بلک بلک کر رو پڑے۔

دوپہر کو دونوں ہدایت پور پہنچے تھے۔ بیگم صاحبہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نہ جانے دونوں کیوں آئے تھے۔ نواب صاحب کی گردن لٹکی ہوئی تھی۔ تاہم بیگم صاحبہ نے خود کو سنبھالا اور خاطر مدارت میں مصروف ہو گئیں۔

"میں کچھ نہ کھاؤں گا بھابی صاحبہ' میں اس قابل نہیں ہوں کہ دوبارہ آپ کو شکل بھی دکھا سکوں۔ میں ایک بہت بری خبر لے کر آیا ہوں آپ کے لیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے لیے مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔"

"ایسی کیا بات ہے بھائی صاحب؟" بیگم صاحبہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

"یہ بدنصیب خاندانی روایات کو توڑ رہا ہے۔ یہ ثمن سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" نواب صاحب نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

بیگم صاحبہ کے دل میں مسرتوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔ لیکن وہ چند منٹ خاموش' سکتے کے عالم میں بیٹھی رہیں۔ کانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ نواب صاحب خود اس شادی سے انکار کر رہے ہیں۔

"میں جانتا ہوں بھابی صاحبہ کہ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔ لیکن میں انتہائی

مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ خدارا مجھے معاف کر دیں۔"

"شادی زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے بھائی صاحب' مجھے خوشی ہے کہ وقت سے پہلے ہی اس کا انکشاف ہو گیا۔ ابھی یہ بات ہمارے ذہنوں میں ہے' کسی اور کو پتہ نہیں چل سکا۔ ثمن کے لیے دوسرے کئی رشتے ہیں۔ میں آج ہی یہ معاملہ طے کر دوں گی۔ اس پر آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔"

"کس منہ سے اعتراض کروں گا۔ آپ جس طرح چاہیں کریں۔"

"اچھی طرح سوچ لیا ہے آپ نے بھائی صاحب۔"

"مجھے اور شرمندہ نہ کریں بھابی صاحبہ۔ اب مجھے اجازت دیں۔" نواب صاحب کھڑے ہو گئے۔ بیگم صاحبہ نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جمال الدین کی باچھیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔

جب ان کی کار آگے بڑھ گئی تو بیگم صاحبہ نے فرط مسرت سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ان جادوگروں کی اس جادوگری پر غور کر رہی تھیں جنہوں نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔

نواب صاحب بہت رنجیدہ تھے۔ لیکن بیٹے کی زندگی بچ گئی تھی اب آگے کے معاملات جو کچھ بھی ہوں۔

دو دن تک انہوں نے جمال الدین سے بات نہیں کی۔ لیکن جمال الدین کی بری حالت تھی۔ تین بار ہوٹل باربرا کے چکر لگا چکے تھے۔ ایک ایک بیرے سے شہزادی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ کمرہ نمبر ۱۲ کسی فقیر الدین کے نام سے بک تھا اور اس کا کرایہ ادا ہو چکا تھا۔ خدا بخش کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ رمضان علی بھی نوکری چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بہرحال شہزادی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ بالآخر خود جلال الدین نے ہی جمال الدین سے پوچھا۔

"اب بتاؤ کہاں ہے وہ تمہاری شہزادی۔ کیا پوری عمر یہاں گزارو گے۔"

"ابو حضور۔ ہم لٹ گئے ہم برباد ہو گئے۔ ہمیں تو شہزادی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ غائب ہے۔ خدا جانے کہاں چلی گئی۔"

"سبحان اللہ۔ تلاش کرو میں اس سلسلے میں تمہاری ایک ہی مدد کر سکتا ہوں۔ یعنی تمہیں خودکشی کے لیے رسی مہیا کر دوں۔ میرا خیال ہے اب تم خودکشی ہی کر لو۔" نواب صاحب نے چلبلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ جمال الدین کے پاس اب کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک ہفتے کے بعد نواب صاحب نہایت خاموشی سے یورپ واپس چلے گئے۔ انہوں نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے دوبارہ ملاقات کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ نواب جمال الدین بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اور جس دن نواب صاحب سدھارے' اس کے دوسرے دن بیگم جہاں آراء ڈی ڈی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ گئیں۔ ان کا چہرہ مسرت سے کھلا ہوا تھا۔ پہلے مضطرب صاحب سے ہی ملاقات ہوئی تھی۔

"کہاں ہے وہ جادوگروں کی ٹولی۔ کیا وہ موجود ہیں؟" وہ اندر داخل ہو گئیں۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ جہاں آراء نے سب کو گلے لگایا اور بے تکلفی سے بیٹھ گئیں۔ "میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہوں تم لوگوں سے؟"

"جی چچی جان۔ فرمایئے۔"

"وہ کیا جادو تھا جس نے یہ کایا پلٹ کر کے رکھدی۔ آخر کون سا گر استعمال کیا تھا تم لوگوں نے کہ پانسہ ہی پلٹ گیا۔ یقین کرو۔ مجھے امید نہیں تھی۔"

"ڈی ڈی لمیٹڈ ایسے امور کا ماہر ہے۔ بیگم صاحبہ' اس کے راز' راز ہی رہنے دیں۔"

"بہرحال میں تمہاری شکر گزار ہوں بچو۔ اور ہاں کل شام کا کھانا تم تمام لوگ میری مراد ان لوگوں سے ہے جو بقول تمہارے اہل خاندان ہیں' ہدایت پور میں میرے ساتھ کھاؤ گے۔ اس سلسلے میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا سمجھے تم۔"

☆......☆......☆

"جی فرمایئے۔" مضطرب صاحب نے مؤدب لہجے میں پوچھا۔

نو وارد کے بارے میں انہوں نے پہلے ہی اندر اطلاع دے دی تھی' اور تینوں انچارج سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔

"خاکسار کو اضطراب احمد مضطرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری زندگی ہے۔ بس اسی طرح گزرتی ہے۔"

"شکیلہ صاحبہ تشریف رکھتی ہیں؟"

"جی ہاں، موجود ہیں۔ آپ کی شناسائی ہے ان سے؟"

"جی ہاں۔ لیکن یک طرفہ۔ وہ جان کر بھی انجان ہیں۔ یاں اضطراب واں اجتناب، جانے یہ سفر کتنا طویل ہوگا۔"

"جی بس چند قدم کا فاصلہ ہے۔ تشریف لے چلیے۔" مضطرب صاحب نے گردن خم کر کے کہا اور زاہد کو اندر پہنچا دیا۔ اسے دیکھ کر تینوں نے گہری سانسیں لی تھیں۔

"آخاہ زاہد صاحب۔ زہے نصیب، ہم نے سوچا تھا کہ آپ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ نیاز ہی نہ حاصل ہو سکے۔" سعدی بولا۔

"ایسے نصیب کہاں۔" ظفری نے ٹکڑا لگایا۔

زاہد کسی قدر گڑبڑا گیا تھا۔ بہرحال ان کے بیٹھنے کی پیش کش پر وہ بیٹھ گیا۔

"کیسے زحمت فرمائی۔ سب خیریت ہے نا؟"

"جی ہاں۔ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"

"بس کوشش کر رہے ہیں قدم جمانے کی۔ آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو شاید کچھ ہو ہی جائے۔"

"میں بڑی پریشانی کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" زاہد نے کہا۔

"خیریت تو ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کسی پریشانی کا شکار رہیں۔ لعنت ہے ہم پر۔" سعدی جلدی سے بولا۔

"کہتے ہوئے بھی شرمندگی ہوتی ہے۔"

"تو ایسی بات کہتے ہی کیوں ہیں جسے کہہ کر شرمندگی ہو۔ کوئی اور بات کہیں، کیا پئیں گے آپ؟" ظفری نے پوچھا۔ یہ دفتر زاہد کی ملکیت تھا۔ اور انہیں اس کی طرف سے خدشہ ہی رہتا تھا، حالانکہ زاہد نے اسے شکیلہ کے حوالے کر دیا تھا لیکن بہرحال یہ بات مسز تنویر سے پوشیدہ تھی اور کسی وقت بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ محتاط رہتے تھے۔

"جی چائے پی لوں گا۔" زاہد نے جواب دیا۔

"پی لوں گا، سے کیا مراد ہے۔ یعنی بحالتِ مجبوری پی لیں گے آپ۔ کمال ہے اس دفتر میں آپ کو کوئی مجبور کر سکتا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ انکار کر دیں یہ آپ کا حق ہے۔" ظفری نے کہا اور زاہد پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں تو زاہد میاں کیا پریشانی ہے آپ کو؟" سعدی بولا۔

"جی وہ والدہ صاحبہ۔۔۔۔"

"اوہ، والدہ صاحبہ پریشانی کی وجہ ہیں۔ ہاں زاہد میاں والدین قابلِ احترام ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات وہ اولاد کے لیے باعثِ پریشانی بن جاتے ہیں۔ خداوند موصوفہ کو عقل دے۔ معاملہ کیا ہے؟" سعدی نے کہا۔

"وہ۔۔۔۔ شش۔۔۔۔ شادی۔۔۔۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ اس عمر میں، جوان بیٹے اور بیٹی کی ماں ہونے کے باوجود۔"

"نہیں۔ غلط سمجھے آپ۔ وہ میری شادی کر رہی ہیں۔"

"اوہ۔ اتنا بڑا ظلم۔ ایسی ناانصافی۔ انہیں آپ سے کیا دشمنی ہے۔ آپ تو نہایت فرمانبردار اولادوں میں سے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

"شادی تو میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہاں نہیں جہاں والدہ صاحبہ کی خواہش ہے۔"

"تو یہ معاملہ ہے۔ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کیس ہے۔ تفصیل سننا ہوگی۔ پورا قصہ بیان کیجیے۔"

آپ لوگوں کو میرے حالات معلوم ہیں۔ والدہ صاحبہ نے اپنی کسی عزیزہ کی صاحبزادی کو میرے لیے منتخب کیا ہے لیکن میں۔۔۔۔ میں نے وہاں شادی سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے بہانہ بنایا تھا کہ میں تعلیم مکمل کرنے کے لیے یورپ جانا چاہتا ہوں۔"

"نہایت مناسب بہانہ تھا۔ پھر کیا ہوا۔ والدہ صاحبہ مان گئی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر کیا پریشانی ہے بھئی؟"

"ان کی خواہش ہے کہ یہ دفتر فروخت کر دیا جائے۔ مجھ سے کہا ہے کہ اخبار میں اشتہار دے دوں۔ لندن جانے کے لیے رقم کی ضرورت اسی دفتر کو فروخت کر کے پوری کی جائے۔"

"آہم۔ شکیلہ یہ شاید تمہارا کیس ہے۔" سعدی جلدی سے بولا۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں دوسرے کمرے میں جا کر بات کر لوں؟" شکیلہ جلدی سے بولی۔

"ضرور۔" سعدی نے کہا اور شکیلہ زاہد کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس

نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تو آپ یورپ جارہے ہیں؟'' اس نے شکایت آمیز نگاہوں سے زاہد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صورتِ حال تمہارے سامنے آچکی ہے شکیلہ۔''

''اور میں یہاں کیا کروں گی؟''

''کک کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا؟'' زاہد کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔

''سمجھانے کی ضرورت رہ گئی ہے؟ آپ خود نہیں سمجھتے؟''

''میری عقل کم بخت موٹی ہے۔ صاف الفاظ میں کہو شکیلہ۔'' زاہد نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ یورپ چلے گئے تو کیا میں خود کو تنہا نہ محسوس کروں گی۔ یہ تقویت تو ہے مجھے کہ آپ اسی ملک اسی شہر میں ہیں۔

''شکیلہ۔۔۔ شکیلہ۔۔۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''ہاں زاہد، تم یورپ نہ جاؤ۔ بالکل نہیں جاؤ۔ بس انکار کردو۔''

''اور شادی؟''

''شادی کرلو زاہد۔ مجھے تمہاری روح سے پیار ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں کون آگیا۔ روح کا پیار زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ تم شادی کرلو زاہد۔''

''ایں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے شکیلہ؟ میں تو۔۔۔ میں تو تم سے۔۔۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم اور تم دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے۔ مسز تنویر کبھی نہیں ہونے دیں گی۔ تم ضد نہ کرو زاہد۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں کرلو۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں زمانے سے لڑوں گا۔ میں اس ظالم سماج سے جنگ کروں گا شکیلہ۔ بس مجھے تمہارے اسی اقرار کا انتظار تھا اب سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جنگ کروں

گا۔ حالات سے، معاشرے سے، سماج سے۔'' زاہد پرجوش انداز میں کھڑا ہوگیا۔

''سنو تو زاہد۔ بات تو سنو۔'' شکیلہ بولی۔

''مجھے نہ روکو۔ بس اب مجھے نہ روکو۔ میری جنگ شروع ہوگئی ہے۔ خدا حافظ۔'' زاہد جذبات سے مغلوب ہوکر باہر نکل آیا۔ جونہی اس نے باہر قدم رکھا مضطرب صاحب نے اس کی کمر پکڑ لی۔

''میاں صاحبزادے رکو۔ رکو۔ اس قدر جوش میں نہ آؤ۔ اس ننھی سی جان کو جنگ کی آگ میں نہ جھونکو۔ سماج، حالات اور معاشرہ مل کر تمہاری ہڈی پسلی برابر کردیں گے۔ عقل سے کام لو۔ بزرگوں سے مشورے لو۔ آؤ نیچے چلو۔ آؤ۔ آؤ۔''

مضطرب صاحب سعدی اور ظفری سے صورتِ حال معلوم کرچکے تھے اور انہیں پتا چل گیا تھا کہ نووارد کلائنٹ نہیں بلکہ لینڈ لارڈ ہے۔ چنانچہ صورتِ حال علم میں آتے ہی ان کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی تھی۔

زاہد حزیں اُن کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ ''زیادہ وقت نہیں دے سکتا تمہیں۔ کچھ دعا تعویذ کے قائل ہو؟''

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔'' زاہد نے کہا۔

''تو پھر شام کو پانچ بجے آجانا۔ تمہیں علم ہے کہ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔''

''آپ۔۔۔ آپ۔۔۔''

''بس میاں ضرورت مندوں کی پریشانی دیکھ کر دل نہیں مانتا۔ ایک بے چینی سی رہتی ہے۔ صورت سے شریف بچے لگتے ہو۔ کریں گے میاں تمہارے لیے بھی کچھ۔ مضطرب کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو تو برطانیہ کے شاہی خاندان سے پوچھو۔ ہمت تھی اس فوٹوگرافر کی کہ مارگریٹ کا شوہر بن جاتا۔ ایک تعویذ لے گئی تھی اپنے پیرومرشد سے۔ اور اس کے بعد اس لونڈے

کو بھی ہمارے پیچھے لگادیا۔"

"کون لونڈا؟" زاہد نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"ایں وہی چارلس۔ لیڈی ڈائنا کے لیے کیا پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا۔ اس کی مشکل حل کرنے والا کون تھا؟ پوچھو میاں جا کر اس سے یہی خادم تھا تمہارا۔"

"آپ۔ یعنی کہ آپ۔۔۔؟" زاہد کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔

"پانچ بجے کے بعد۔ اس سے زیادہ وقت نہ دے سکوں گا۔ خدا حافظ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"دفتر ہی میں ملاقات ہوگی؟"

"سو فیصدی۔ میں انتظار کروں گا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔ مضطرب صاحب واپس چل پڑے۔ یہ کیس انہوں نے خاموشی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

سعدی کو ٹیلی فون ملا تھا ایس کے رحیم کا۔ اور پھر مقرر کردہ وقت پر وہ پہنچ گیا تھا۔ شکل و صورت جوں کی توں تھی بس ہیلمٹ کی کمی تھی اور اس وقت وہ حماقت چہرے پر نہیں تھی جو پہلے نظر آتی تھی۔

"مجھے خدشہ تھا کہ آج پھر کوئی انڈہ میرے سر پر نہ پھوٹ جائے۔ شکر ہے ایسا نہیں ہوا؟"

"کیسے مزاج ہیں رحیم صاحب؟"

"بس بھئی ٹھیک ہوں۔ شہر کے حالات بھی پر سکون ہیں تم لوگ سناؤ، کوئی کیس ملا؟"

"نہیں، سب خیریت ہے۔" سعدی مسکرا کر بولا۔

"کچھ ہونا چاہیے سعید میاں۔ مجھے یہ خیریت پسند نہیں آئی۔ ویسے تمہاری کچھ شرائط وغیرہ ہونی چاہئیں۔ میرا مطلب ہے کوئی ترتیب معاوضے وغیرہ کا تعین۔ کوئی کیس تمہارے سپرد کیا جائے تو اس کا معاوضہ کم از کم کیا لو گے تم؟"

"یہ تو کیس کی نوعیت پر منحصر ہے۔"

"میرے خیال میں یہ غلط ہے تم اس معاملے میں کچھ اقدار رکھتے ہو کہ کیس کس کس نوعیت کے لیے جائیں تو پھر رقم بھی مخصوص کرلو۔ اس سلسلے میں اپنا وہ لکا ٹھیک ہے؟"

"کون لکا؟"

"ایں وہی نک ویلوٹ، پچیس ہزار ڈالر نقد۔ تم پچیس ہزار روپے فیس رکھ لو، دیگر اخراجات الگ۔"

"اور پارٹی اس قابل نہ ہو تو؟"

"کیوں نہ ہو۔"

"خواہ کوئی ضرورت مند ہی کیوں نہ ہو؟"

"وہ دوسری بات ہے۔"

"تجویز بری نہیں ہے کیوں دوستو؟" سعدی نے کہا۔

"ہاں بشرطیکہ کوئی کیس ملے۔ ہمارے ہاں پچیس ہزار روپے خرچ کرنا آسان بات نہیں ہے۔"

"اس سلسلے میں میری طرف سے ایک کیس کا تحفہ قبول کرو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا کہ میں تم سے تعاون کروں گا۔ اس وعدے کو ایفا کرتے ہوئے میں یہ کیس تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اور ایک بات اور سن لو۔ میری نیت پر شبہ مت کرنا۔ نہ میں تم سے کوئی کمیشن لوں گا اور نہ دوسری کوئی مراعات حاصل کروں گا۔ یہ صرف ایک دوستانہ تعاون ہے۔"

"کیس کیا ہے رحیم صاحب؟"

"پچیس ہزار روپے نقد۔ دس ہزار ایڈوانس باقی رقم کام ہونے کے بعد۔ بولو منظور؟"

"کیس کی نوعیت؟" سعدی نے پوچھا۔

"قانون کے دائرے میں رہ کر کسی کی مدد کرنی ہے۔ کسی مجرم کی اعانت نہیں کرنی بلکہ

صحیح مجرم تلاش کرنا ہے۔ ناکامی کی صورت میں مصروفیت کا معاوضہ دس ہزار روپے ہوں گے جو ایڈوانس ملیں گے۔ مزید کوئی رقم نہیں ملے گی۔ بولو منظور؟"

"دل و جان سے۔ لیکن کیس کیا ہے؟"

"تفصیل لیڈی جہانداد سے معلوم ہوگی۔ سبحان پور چلے جاؤ اور لیڈی جہانداد سے مل لو۔ میں تمہیں ان کے نام خط دے دوں گا۔" ایس کے رحیم نے کہا اور سعدی ظفری کی طرف دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے سعدی۔ رحیم صاحب خود ذمہ داری لے رہے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" ظفری نے کہا اور شکریے کے ساتھ یہ کیس قبول کر لیا گیا۔

بیگم صاحبہ نے امام ضامن باندھے تھے، مطلق صاحب نے بھی کچھ نصیحتیں گوش گزار کی تھیں۔ "میاں ہم نے زندگی بھر کوئی کاروبار نہیں کیا۔ ذہن بھی کاروباری نہیں ہے لیکن لوگوں سے سنا ہے کہ اس میں بھی سو دوست، سو دشمن ہوتے ہیں۔ ہماری ضرورت ہو تو ہمیں بھی لے چلو۔"

"آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو گھر کون سنبھالے گا حضرت مطلق صاحب۔ کیا اچھی اکیلی رہیں گی۔ اور پھر آپ اطمینان رکھیں، ہم محاذ جنگ پر نہیں، ایک کاروباری دورے پر جا رہے ہیں۔" سعدی نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

اس سے قبل کبھی سبحان پور نہیں گئے تھے۔ البتہ مختصراً اس کے بارے میں سنا تھا کہ چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے اور باغات کا شہر کہلاتا ہے۔ خاص طور پر آموں کے باغات بہت زیادہ ہیں اور عمدہ قسم کا آم پیدا ہوتا ہے۔

پھر ٹرین چودہ گھنٹے کے سفر کے بعد سبحان پور کے علاقے میں داخل ہوئی تو تصدیق بھی ہو گئی۔ بہت کم علاقے اس قدر ہرے بھرے ہوتے ہیں۔ کافی دیر گزر چکی تھی ٹرین کو باغوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے۔ آموں کا موسم نہیں تھا لیکن تاحدِ نگاہ آموں کے درخت نظر آ رہے تھے۔ دن کا وقت تھا انہیں یہ جگہ پسند آئی۔

پھر ٹرین سبحان پور اسٹیشن پر رک گئی۔ اچھا خاصا اسٹیشن تھا۔ دونوں اپنے مختصر سامان کے ساتھ نیچے اتر آئے اور اسٹیشن کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھی، تب ایک شخص ان کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا آپ سعدی اور ظفری صاحب ہیں؟"

"ہاں۔ تم چودھری جہانداد کے ہاں سے۔۔۔۔"

"جی بالکل۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے ہاتھوں سے دونوں سوٹ کیس لے لیے، اور وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔

"تم۔۔۔؟" چلتے ہوئے ظفری نے پوچھا۔

"شمشاد ہے جی میرا نام۔ ڈرائیور ہوں حویلی میں۔" اس نے جواب دیا۔ لیکن یہ ڈرائیور صاحب دو گھوڑوں کی ایک بگھی کے پاس رکے تھے اور انہوں نے سوٹ کیس بگھی میں جما دیے۔

"تو آپ یہ بگھی ڈرائیو کرتے ہیں؟" بگھی آگے بڑھنے کے بعد ظفری نے پوچھا۔

"نہیں جناب، میں ریل سے لے کر سائیکل تک چلا لیتا ہوں۔ پہلے ریلوے میں انجن ڈرائیور تھا لیکن چودھری صاحب مرحوم نے وہ نوکری مجھ سے چھڑا دی۔"

"کار تو ہوگی حویلی میں؟"

"کاریں ہیں صاحب، مگر بیگم صاحبہ نے کہا کہ فٹن لے جاؤ۔"

"کتنی دور ہے حویلی؟"

"زیادہ دور نہیں ہے صاحب۔ آگے چل کر سڑک کے دو حصے ہو جائیں گے۔ ایک سڑک شہر کی طرف جاتی ہے دوسری حویلی کی طرف۔" شمشاد نے جواب دیا۔

"حویلی شہر سے الگ تھلگ ہے؟"

"پہلے تھی صاحب۔ مگر اب آس پاس کی زمینیں بک گئی ہیں اور وہاں آبادی ہو گئی

ہے۔یہ زمینیں بیگم صاحبہ نے خود بیچی ہیں تاکہ حویلی کے آس پاس کی ویرانی ختم ہو جائے۔''

''خوب۔'' ظفری نے گردن ہلائی۔اس سے زیادہ معلومات اس ڈرائیور سے حاصل نہیں جا سکتی تھیں۔ڈرائیور نے فاصلہ کم بتایا تھا اس کے باوجود بگھی اچھی خاصی رفتار سے چل کر بھی تقریباً سوا گھنٹے میں حویلی پہنچی تھی۔

حویلی واقعی حویلی تھی۔وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔تین سمت سے باغات میں گھری ہوئی تھی اور ان باغات کے گرد چار دیواری تھی۔سامنے کے رخ پر بہت عمدہ سڑک بنی ہوئی تھی۔لمبے پھاٹک سے داخل ہونے کے بعد بھی کم از کم آدھے میل کا فاصلہ تھا۔سرخ پتھروں کی عمارت جاہ و جلال کا منظر پیش کرتی تھی۔دس سیڑھیوں والے سنگی چبوترے سے گزر کر اندر کے حصے میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔غرض بے مثال جگہ تھی۔

بگھی رک گئی اور دو ملازموں نے استقبال کیا۔یہ دونوں سامان اٹھائے ہوئے انہیں ساتھ لے کر چل پڑے،اور پھر انہوں نے حویلی کا اندرونی منظر دیکھا۔حویلی کیا،اچھا خاصا محل تھا جو قدیم دور کی یاد تازہ کرتا تھا۔

ایک کشادہ اور انتہائی خوبصورت کمرے میں جہاں دو مسہریاں بچھی ہوئی تھیں،ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ملازم انہیں کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔

ظفری اور سعدی دلچسپی سے یہ مناظر دیکھتے چلے آئے تھے۔ملازموں کے جانے کے بعد ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ہم لوگ بہت جانکار بنتے ہیں سعدی۔لیکن اپنے ہی وطن میں بہت کچھ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔اس دور میں ایسی کسی حویلی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔''

''واقعی یہ ہماری توقع سے کہیں آگے کی بات ہے۔'' سعدی نے کہا۔

''چودھری جہانداد کے بارے میں اس سے قبل کچھ نہیں سنا۔''

''ممکن ہے ان کی داستانیں صرف سبحان پور تک ہی محدود ہوں۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔اب۔۔۔۔؟''

''کچھ نہیں۔اس محل کے کچھ آداب بھی ہوں گے،ابھی تو صرف اندازے ہی لگائے جا سکتے ہیں۔آرام کرو۔'' سعدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ظفری کمرے کے عقبی حصے میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس چلا گیا تھا۔

کھڑکی کھولی تو جی خوش ہو گیا۔ایک وسیع چبوترہ تھا جس کے پار پھیلی ہوئی سیڑھیاں نیچے اتر گئی تھیں اور اس کے بعد پھولوں کے کنج نظر آ رہے تھے۔ظفری اس منظر میں کھو گیا۔

ایک ملازم اندر آ گیا اور اس نے ان سے ان کی ضروریات پوچھیں۔

''کچھ نہیں چاہیے۔بیگم صاحبہ سے کب ملاقات ہو گی؟''

''شام کو پانچ بجے چائے پر۔''

''انہیں ہمارے آنے کی اطلاع دے دی گئی ہے؟''

''شمشاد آپ کو اسٹیشن لینے گیا تھا؟''

''ہاں۔''

''بیگم صاحبہ کے حکم سے ہی گیا تھا۔'' ملازم نے جواب دیا۔اور ظفری گردن ہلانے لگا۔ملازم نے جاتے ہوئے کہا۔''شام کو ٹھیک پانچ بجے تیار رہیے گا۔''

''یار ظفری بات کچھ جچی نہیں۔ہمارا استقبال سرد مہری سے ہوا ہے۔ہم لوگ اپنی دنیا کے شہنشاہ ہیں۔اس حویلی کے آداب و اصول کی پابندی ضروری نہیں۔ایسے کیس اور بہت سے ملیں گے لیکن اپنی فطرت کی زندگی بھی ضروری ہے۔''

''انقلاب زندہ باد۔حویلی کے اصولوں کی دھجیاں بکھیرنا ہمارا پہلا کام ہے۔کیا سمجھتے ہیں یہ سرمایہ دار خود کو۔'' ظفری بولا۔

''طے؟''

''بالکل طے۔'' دونوں نے ہاتھ ملایا۔ان کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

شام کو پانچ بجے ایک نیا ملازم ان کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں اطمینان سے مسہری پر بیٹھے تھے۔

"بیگم صاحبہ نے چائے پر طلب کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہم ٹھیک پونے چھ بجے چائے پیتے ہیں۔ اگر انتظار کیا جا سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ان لوگوں سے کہو کہ چائے پی لیں۔"

"یہ عجیب وغریب جواب نوکر کے لیے غیر متوقع تھا۔ چند لمحات وہ کھڑا رہا اور پھر گردن جھکا کر چلا گیا۔ سعدی اور ظفری آرام سے لیٹے رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے وہ اٹھے اور تیاریاں کرنے لگے۔ پونے چھ بجے کے قریب ملازم آیا تو چائے کی ٹرالی ساتھ لایا تھا۔

پھر ڈنر کے لیے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے انہیں طلب کیا گیا۔ لیکن اس کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔

"ہم لوگ نو بج کر چالیس منٹ پر ڈنر کرتے ہیں۔ کہہ دیا جائے۔" ظفری نے کہا اور اور ملازم چلا گیا۔ لیکن اس بار بیگم صاحبہ برداشت نہیں کر پائی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک معمر خاتون سر پر چادر اوڑھے ہوئے چشمہ لگائے ہوئے اندر آ گئیں۔ بے حد پروقار شکل وصورت تھی۔ بہت ہی نرم چہرہ اور آواز تھی۔

سنجیدہ سی اندر آئی تھیں۔ ان دونوں کو دیکھا تو نہ جانے کیوں ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو یہ بات ہے۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ظفری اور سعدی نے انہیں سلام کیا تھا۔ "میرا خیال تھا کہ کوئی معمر اور سنجیدہ سے لوگ ہوں گے، جیسے پولیس والے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں دو شریر بچے موجود ہیں۔" انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

"ہم سمجھے نہیں خاتون؟" ظفری اور سعدی بیک وقت بولے۔

"خاتون نہیں، خالہ جان۔" معمر خاتون نے کہا۔ پھر بولیں۔

"چائے پر کیوں نہیں آئے۔ سچ بولنا ضروری ہے۔"

"اس لیے کہ بڑی سرد مہری سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ ہمیں کوئی حیثیت نہیں دی گئی۔"

"ہاں ایسا ہوا ہے۔ لیکن رحیم نے تمہیں صورت حال نہیں بتائی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ کاروباری قسم کے خرانٹ سے لوگ ہوں گے، جنہیں صرف اس بات سے غرض ہو گی کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے کسی خاص حیثیت سے ان کا استقبال کرنا ضروری نہ خیال کیا۔ لیکن یہ پونے چھ بجے اور نو بج کر چالیس منٹ کے وقت نے مجھے چونکا دیا۔ یہاں آتے وقت میں نے تمہاری عمروں کے بارے میں کسی قدر اندازہ لگایا تھا۔ میرا خیال درست نکلا۔ غلط فہمی ہوئی ہے معاف کر دو۔"

"چلیے ٹھیک ہو گیا خالہ جان۔" ظفری نے کہا۔ اور خاتون مسکرانے لگیں۔

"شام کی چائے کس وقت پیتے ہو؟"

"ٹھیک پانچ بجے۔" ظفری جلدی سے بولا۔

"اور رات کا کھانا؟"

"ساڑھے آٹھ بجے۔" ظفری نے تڑاخ سے جواب دیا۔ اور خاتون بے اختیار ہنس پڑیں۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ طویل عرصے کے بعد ہنسی آئی ہے۔ اب رات کا کھانا میں تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گی۔ کل صبح ناشتے پر تمہاری ملاقات دوسروں سے ہو گی۔"

بیگم جہانداد بہت نرم مزاج عورت تھیں۔ اندازِ گفتگو بہت دل کش تھا۔ بڑی مشفق سی خاتون تھیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے کافی طلب کر لی۔ اور آرام سے بیٹھ گئیں۔

"تھکے ہوئے تو نہیں ہو، باتیں کریں؟"

"جی ضرور۔ تھکن کا کیا سوال ہے۔ آپ اطمینان سے تشریف رکھیں۔" سعدی نے کہا۔

"شکریہ۔ رحیم نے ٹیلی فون کیا تھا، لیکن تمہارے بارے میں تفصیل نہیں بتائی تھی۔"

"یہ سعدی ہیں۔ میں ظفری ہوں۔ ایک ادارہ قائم کیا ہے ہم نے لوگوں کی امداد کرنے کا۔ اور۔۔۔۔"

"تمہاری فیس پچیس ہزار روپے ہے۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ بلکہ ان کی فکر مت کرو۔ یہ بتاؤ میرے معاملے میں کیا کر سکتے ہو؟"

"رحیم صاحب نے معاملہ بھی نہیں بتایا تھا۔" سعدی نے کہا۔ اور بیگم صاحبہ کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر بولیں۔

"بچو! خدا جانے تم کون ہو۔ اندر سے کیسے ہو۔ مجبوراً مجھے تم پر بھروسہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی بھی چارۂ کار نہیں ہے۔ میں جن حالات کی شکار ہوں' بچو اور میری ذہنی کیفیت ان حالات سے جس قدر خراب ہے۔ شاید ہی میرے علاوہ اور کوئی اس کا صحیح تجزیہ کر سکے۔ بعض اوقات انسان جس قدر مجبور ہو جاتا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں ایک ایسے خاندان کی سربراہ ہوں جسے بے حد دولت اور باعزت تصور کیا جاتا ہے۔ جب تک چودھری جہانداد زندہ تھے درحقیقت یہ خاندان باعزت تھا' اس سے قبل بھی ایسے حالات بے شمار خاندانوں کے ساتھ پیش آ چکے ہیں' جبکہ بڑے بڑے باعزت گھرانے اپنے سربراہ کھونے کے بعد ملیا میٹ ہو کر رہ گئے ہیں' اس خاندان پر بھی اب یہی وقت آن پڑا ہے۔

میں سربراہ ہونے کے قابل تو نہیں تھی' وہ تھے تو میں سب کچھ تھی۔ وہ نہیں ہیں تو میں ایک ایسا ڈھول ہوں جس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ میری آواز میں گرج ضرور ہے' لیکن خود مجھے اس کے کھوکھلے پن کا شدید احساس ہے۔ بچو' تم اندر سے کیسے بھی ہو۔ کچھ بھی کرتے رہے ہو آج تک لیکن میری ایک عاجزانہ درخواست سن لو۔ میں بہت ہی مجبور' بہت ہی ہلکی عورت ہوں۔ تم میرے تن و توش کے وزن کا کوئی اندازہ لگا چکے ہو گے' لیکن یقین کرو اتنی بے وزن ہوں میں کہ ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا مجھے اٹھا کر کہیں سے کہیں پھینک سکتا ہے۔ ایسے میں مجھے دولت کے بل پر نہیں بلکہ انسانیت کے نام پر سہارے کی ضرورت ہے۔ تم جو کچھ مجھ سے طلب کرو گے' میں اس خاندان

کی عزت بچانے کے لیے تمہیں پیش کر دوں گی۔ لیکن میری درخواست ہے تم سے کہ اس کی لاج رکھنے میں میرا ہاتھ بٹانا۔ کسی اور کا شکار مت ہو جانا۔ کسی اور کی سازش میں مت پھنس جانا۔"

بیگم جہانداد کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی' سعدی اور ظفری خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

"بیگم صاحبہ آپ سے صرف دو الفاظ کہے جا سکتے ہیں' ہم کسی بھی پیشے سے منسلک ہوں' لیکن ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیں گے کہ ہمارے جسموں میں گندا خون نہیں ہے اور ہماری دھوکہ دہی کی ضرب ہمارے مرحوم والدین تک پہنچتی ہے اس کے بعد ہمارے ان الفاظ پر بھروسہ کرنا آپ کا کام ہے' اگر آپ نے مزید ایسی کوئی بات کی تو ہم خاموشی سے یہاں سے چلیں جائیں گے' اور اس بات کو اپنے لیے گالی تصور کریں گے۔"

سعدی کے الفاظ بھی بیگم جہانداد کے لیے بہت ہی تاثر انگیز تھے۔ وہ چند ساعت ڈبڈبائی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں پھر انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کر لیں۔

"خدا کی قسم مجھے اطمینان ہو گیا اور اب اس وقت تک جب تک تم اس عمارت میں موجود ہو' میرے دل میں تمہارے لیے کوئی شک پیدا نہ ہوگا۔" انہوں نے کہا۔

"شکریہ خالہ جان۔" ظفری سنجیدگی سے بولا۔ اور بیگم جہانداد کافی کی پیالی اٹھا کر اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

"تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل اس عمارت میں قتل ہو گیا تھا۔" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"جی۔۔۔۔۔" سعدی گہری نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا رحیم نے اس کا تذکرہ کیا ہے تم سے؟"

"نہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ سوائے اس کے کہ ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں اور آپ کی ضرورت کے مطابق آپ کی مدد کریں۔ شاید اس لیے مسٹر رحیم نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ

ہوسکتا ہے ہمارے اور آپ کے درمیان معاملت نہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ اس کی دیانت ہے۔" بیگم جہانداد نے کہا پھر بولیں۔ "میں تھوڑی سی تفصیل بتائے بغیر نہیں رہ سکتی' کیونکہ یہ تمہارے جاننے کے لیے بہت ضروری ہے' چودھری جہانداد سبحان پور کے سب سے دولت مند آدمی تھے۔ ہماری زمینیں نہ صرف سبحان پور کے اطراف میں بلکہ دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لاکھوں روپے ماہوار کی آمدنی ہے ان زمینوں سے۔ اس کے علاوہ شہر میں بھی ہماری وسیع و عریض جائیدادیں ہیں۔ مقصد یہ ہے ان باتوں کا کہ دولت کی ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ اس حویلی میں ہمارے تقریباً تمام اہل خاندان پرورش پا رہے ہیں۔ بہت کچھ جاتا ہے ان لوگوں کے پاس۔ اس کے علاوہ بہت سے اداروں کے لیے بھی یہاں سے کافی رقومات جاتی ہیں۔ آمدنی مستقل ہے اور کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے جس میں مستقبل میں کوئی خوف ہو۔ میں چودھری جہانداد کی دوسری بیوی ہوں۔ پچیس سال قبل ان کی پہلی بیگم کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی پہلی بیگم کے دو بچے ہیں جہانگیر اور خرم۔ جہانگیر بڑے ہیں اور خرم چھوٹے ہیں۔ میری بھی دو اولادیں ہیں' شہزاد اور فرحت۔ شہزاد بڑے ہیں اور فرحت چھوٹی ہیں۔ یہ جہانداد مرحوم کے اپنے بچے ہیں۔ اور میں نہیں کہہ سکتی کہ کہاں کیا ہوا ہے۔"

ڈیڑھ ماہ قبل ایک رات جہانگیر کو قتل کر دیا گیا۔ وہ پائیں باغ میں تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔

جہانگیر کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ قتل کے وقت اور کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ جہانگیر چہل قدمی کے عادی تھے اور حسب معمول چہل قدمی کر رہے تھے۔ بہر صورت صبح کے وقت ہی پتا چلا کہ انہیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔ میں نے پولیس سے رابطہ قائم کیا اور پولیس اس کوٹھی میں آ گئی اور ہمارے ایک دیرینہ ملازم احمد نے اس قتل کا اعتراف کر لیا۔ پولیس نے بھی اس سلسلے میں کوشش کی تھی لیکن احمد نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے پیش کر دیا۔

جہانگیر بہت بدمزاج واقع ہوئے تھے۔ نوکروں سے بدتمیزی کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ہاتھ تک اٹھا لیا کرتے تھے ان نوکروں پر جنہوں نے انہیں اپنی گود میں پرورش کیا تھا۔ احمد کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان ہے' لیکن تن و توش کا اچھا آدمی ہے۔ بہت ہی نیک فطرت تھا۔ اس کے والدین بھی اسی حویلی کے ملازم تھے اور خود اس نے بھی ساری عمر اس حویلی کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی ہے۔ ایک بیوی اور دو بیٹیاں ہیں اس کی جو اسی حویلی میں موجود ہیں۔ احمد نے بتایا کہ جہانگیر نے اس کی کسی بیٹی سے بدتمیزی کی تھی۔ بیٹی نے بھی بیان دیا پولیس کو کہ جہانگیر اکثر اسے چھیڑا کرتے تھے۔ اور ایسی بے ہودہ گفتگو کرتے جسے وہ برداشت نہیں کر پاتی تھی' لیکن ملازمہ تھی اس لیے خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر ایک دن مجبور ہو گئی تو اس نے اپنے باپ کو اس سلسلے میں تھیلا بتا دیا' اور احمد جہانگیر میاں کے بارے میں یہ سب کچھ سن کر آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے جہانگیر کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ احمد نے پولیس کو بھی یہی بیان دیا ہے کہ جہانگیر کے معاملے کو اس نے آپس میں ہی نمٹانے کی کوشش کی تھی' لیکن جہانگیر میاں' احمد پر جوتا لے کر دوڑے۔ احمد اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے جہانگیر سے مقابلہ کیا اور نتیجے میں جہانگیر ان کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے۔

معاملہ تقریباً صاف ہو گیا تھا۔ پولیس نے احمد کو گرفتار کر لیا اور لاک اپ میں بند کر دیا۔ دو ایک بار یہاں آئی' تحقیقات کی' کوئی کمزوری نہیں تھی' چنانچہ اب احمد پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

مجھے جہانگیر کی موت کا اتنا افسوس تھا' جتنا ایک ماں کو اپنی اولاد کی موت کا ہونا چاہیے۔ لیکن ایک دن خرم میاں نے مجھے ان بلندیوں سے نیچے دھکیل دیا جہاں میں خود کو تصور کرتی تھی۔

خرم میاں بھی زبان کے بہت تیز ہیں اور ہمیشہ سے مجھ سے نفرت کرتے رہے ہیں۔ دونوں بھائیوں نے کبھی مجھے پسند نہیں کیا۔ لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ میرے نام کے ساتھ سوتیلی ماں کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور یہ چھاپ ایسی ہے جسے تقدیر کی کوئی روشنی ہی دور کر سکتی تھی اور وہ

روشنی میری تقدیر میں نہیں تھی۔ میں نے ہمیشہ اس نشان کو اپنی پیشانی پر محسوس کیا' لیکن قبول کرنے کی ہر سعی میں ناکام رہی۔

خرم میاں نے ایک رات علی الاعلان مجھ پر الزام لگایا کہ جہانگیر کسی اتفاقی حادثے کا شکار نہیں ہوئے' بلکہ انہیں قتل کرایا گیا ہے۔ میں نے بڑی پریشانی سے ان سے پوچھا کہ خرم میاں قتل کرائے جانے سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے نہایت نفرت بھرے لہجے میں کہا کہ اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔ جہانگیر اس جائیداد کے بڑے حصے دار تھے' اور جائیداد کے جتنے حصے دار کم ہوں گے جائیداد اتنی ہی محفوظ رہے گی۔

یہ الزام ایسا تھا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہیے تھی۔ اشارہ میری ہی جانب تھا۔ لیکن میں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور ان سے مزید گفتگو کرنی چاہی' لیکن خرم میاں نے مجھ سے اس سلسلے میں بات چیت نہیں کی بلکہ مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ جلد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا بھائی اس دنیا میں نہیں رہا ہے تو اور بہت سوں کو بھی یہ دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ بات اگر میری زبان سے باہر نکل جاتی تو شاید ہنگامی حالات ہو جاتے کیونکہ شہزاد بھی بہت تیز ہیں۔ میرا ایک رشتے کا بھانجا اس کے ساتھ ہے جو کافی خطرناک شخصیت کا مالک ہے۔ اگر شہزاد اسے اشارہ کر دیتا تو وہ نہ جانے کیا کر ڈالتا لیکن میں نے یہ زخم اپنے ہی سینے پر برداشت کیا اور خاموشی سے اس کوشش میں مصروف ہو گئی کہ خرم میاں کے ذہن سے یہ داغ دھو سکوں۔

بات صاف تھی' احمد کی بیٹی کو پریشان کیا گیا تھا' احمد ملازم ضرور تھا لیکن باعزت انسان تھا چنانچہ اس نے جہانگیر میاں سے اس کا انتقام لے لیا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ احمد نے اچھا کیا' اسے کسی دوسرے ذریعے سے اس معاملے کو حل کرنا چاہیے تھا' لیکن جنون کے عالم میں انسان جو کچھ کر بیٹھتا ہے' اس کا بعد میں ہی خمیازہ بھگتتا ہے۔ میں احمد کے ذرا بھی حق میں نہیں ہوں' لیکن اس کے بعد جب میں نے اپنے طور پر تحقیقات کیں تو انہوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ احمد کے بیوی بچے میرا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا انہیں کرنا چاہیے۔ اس کی بیٹی صبیحہ کو میں اپنے ساتھ اپنے خاص

کمرے میں لائی اور اس سے میں نے طرح طرح کے سوالات کیے۔

ابتداء میں تو صبیحہ نے وہی بیان دیے جو اس نے پولیس کو دیے تھے لیکن بعد میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس کی ہیجانی کیفیت کو میں نے تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور بہرصورت ہوش میں لانے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ وہ دل کا بوجھ ہلکا کر دے' چنانچہ اس کی زبان کھل گئی۔

اس نے ہیجان انگیز لہجے میں مجھے بتایا کہ جہانگیر نے اسے کبھی نہیں چھیڑا تھا' کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی اس نے جس پر اسے شکایت ہوتی' یہ بات اس سے اس کے باپ نے کہی تھی کہ وہ پولیس کو یہ بیان دے صبیحہ نے روتے ہوئے مجھے بتایا کہ بڑی بی بی آپ یقین کریں کہ بابا نے جہانگیر میاں کو قتل نہیں کیا۔ بابا کو کچھ بھی نہیں معلوم تھا' بس نہ جانے کیوں اس قتل کی ذمہ داری انہوں نے اپنے سر پر لے لی۔ اس رات انہوں نے روتے ہوئے کہا تھا کہ نیک بخت وفاداریاں نبھانے کا موقع کبھی کبھی ہی ملتا ہے' ایک میری زندگی نہ رہی تو کیا ہوا' مجھے یقین ہے کہ بیگم صاحبہ تجھے زندگی بھر کوئی بھی تکلیف نہ ہونے دیں گی۔ تو بھی پریشان مت ہونا۔ انہوں نے میری ماں سے کہا تھا اور میری ماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ پھر اس نے بڑی منت سماجت کی میرے بابا کی کہ چلو رات ہی رات میں یہ حویلی چھوڑ دیتے ہیں' کہیں اور نکل جاتے ہیں' آپ اپنی زندگی نہ گنوائیں۔ لیکن بابا میری ماں کی اس بات پر میری ماں سے ناراض ہو گیا تھا اس نے کہا تھا کہ دیکھ رقیہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے خلاف نہ ہو' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔

بہرصورت صبیحہ کی زبانی یہ بیان سن کر میں دنگ رہ گئی تھی۔ میرے دل میں ایک خوفناک خیال آ رہا تھا کہ کہیں احمد نے کسی کو بچانے کے لیے تو یہ الزام اپنے سر نہیں لے لیا۔ مگر وہ کون تھا جسے احمد بچانا چاہتا تھا۔ کیا احمد کو اصل قاتل کا علم ہو گیا تھا۔ یقیناً ایسی ہی بات ہو گی۔ اس کے بعد میں نے احمد کی بیوی رقیہ سے رابطہ کیا' اسے ہر طرح سے ڈرایا دھمکایا' لیکن وہ قسمیں کھا کھا کر یہی کہتی رہی کہ اسے صحیح بات نہیں معلوم۔ احمد نے اسے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا کہ وہ قاتل

نہیں ہے۔

میں نے بہت غور و خوض کیا میرے بچو اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آیا کہ کہیں میرے بیٹے شہزاد نے تو یہ حرکت نہیں کی۔ بھائیوں میں آپس میں اختلافات موجود تھے۔ شہزاد ان دونوں کو پسند نہیں کرتا۔ فرحت سیدھی سادی بچی ہے وہ کسی سازش کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی' بس ان احساسات نے مجھے نیم مردہ کر دیا ہے۔ یہ بھی سوچتی تھی کہ ممکن ہے احمد کسی کا آلۂ کار بنا ہو۔ اور اس نے یہ حرکت کسی باقاعدہ سازش کے تحت کی ہو۔ لیکن میں اتنی ذہین نہیں ہوں کہ ان الجھنوں کو سلجھا سکوں' بہت دن تک غور و خوض کرنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حقیقت کو منظر عام پر آنا چاہیے' اگر میرے بچے نے یہ حرکت کی ہے تو خدا کی قسم میں نے زندگی میں کبھی جہانگیر اور خرم کو اس سے الگ نہیں سمجھا۔ جائیداد کے بارے میں میں نے جب بھی غور کیا تو اسی نتیجے پر پہنچی کہ جائیداد ان تینوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیے کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے ان تینوں کی زندگی میں کہ ان میں آپس میں کوئی چپقلش پیدا ہو سکے۔ لیکن ایک عجیب سی ان ہونی ہو گئی۔ حالانکہ ان کے اختلافات کافی شدید ہیں' کبھی تینوں ایک دوسرے سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی مناسب وقت میں خود ہی اس جائیداد کا بٹوارہ کر دوں گی تاکہ میری موت کے بعد ان میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے کہ اس معاملے میں کسی نے شدت پسند بن کر سوچا ہو۔ اور اگر شہزاد نے ایسا کیا ہے تو پھر میں اس معاملے میں قانون کا احترام کروں گی۔ مجرم کوئی بھی ہو' خواہ میرا بیٹا ہی سہی تو اسے سزا ملنی چاہیے اور اگر وہ بے گناہ ہے تو حقیقت حال سامنے آنی چاہیے۔ خرم تو کھلم کھلا یہ الزام لگا چکا ہے کہ اس کے بھائی کے خلاف سازش ہوئی ہے۔ وہ انتہائی نفرت کا اظہار کرتا ہے ہم سے اور بار بار دھمکیاں بھی دے چکا ہے۔ میں اس سارے مسئلے کو صاف کرنا چاہتی ہوں بچو۔ پولیس اس حویلی کا احترام کرتی ہے۔ اعلیٰ حکام سے چودھری جہانداد کے بہترین تعلقات تھے' انہوں نے حویلی کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا ہے لیکن یہ تحفظ اگر خدا کے قانون میں خلل انداز ہو تو مجھے منظور نہیں ہے۔ میں فرشتہ صفت

بننے کی کوشش نہیں کر رہی لیکن مجھے بھی احساس ہے کہ جس طرح جہانداد اس دنیا میں نہیں رہے ہیں میں بھی نہ رہوں گی' پھر ایک ناانصافی کیوں کی جائے۔ میں حقیقت سامنے لانا چاہتی ہوں۔ احمد اگر واقعی مجرم ہے تو پھر ٹھیک ہے' مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مجرم نہیں ہے تو یہ تو بہت ہی خوفناک بات ہے کہ ایک بے گناہ کو زندگی بھر کا عذاب برداشت کرنا پڑے۔ ممکن ہے اسے پھانسی ہو جائے' ممکن ہے عمر قید ہو جائے اور اصل مجرم بچا رہے۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد رحیم سے رابطہ قائم کیا۔ رحیم سے میرے شوہر کے مراسم تھے' وہ اس حویلی کی بہت عزت کرتے ہیں اور اکثر چھٹیاں گزارنے کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ جہانداد کے ساتھ وہ شکار بھی کھیلتے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر میں نے یہ سوچا کہ رحیم سے مدد لی جائے اور میں نے انہیں طلب کر لیا۔

میں نے انہیں صورت حال بتائی تو وہ بھی تشویش کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنے طور پر کوشش کریں گے۔ پھر انہوں نے ٹیلی فون پر مجھے یہ بات بتائی کہ ایک ایسا پرائیویٹ ادارہ ہے جو میرے لیے یہ فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اگر میں مناسب خیال کروں تو اس کی خدمات حاصل کر لوں۔

میں نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ یہ ہے وہ کہانی جو میں تمہارے سامنے لانا ضروری سمجھتی تھی' اس کے بعد بچو تم خود مناسب فیصلہ کر سکتے ہو۔"

"کہانی واقعی دلچسپ تھی۔ ظفری اور سعدی منہ پھاڑے اس عجیب و غریب کہانی کو سن رہے تھے۔ دیر تک وہ اس کے تاثر میں ڈوبے رہے۔ پھر سعدی نے سوال کیا۔

"ایک بات تو بتایئے بیگم صاحبہ؟"

"جی!"

"کیا چودھری جہانداد صاحب نے موت سے قبل کوئی وصیت نہیں لکھی تھی۔"

"ہاں یہ سوال نہایت ذہانت سے کیا تم نے۔ چودھری صاحب کا انتقال ہوائی حادثے میں ہوا تھا' شاید تم نے کبھی ان کے بارے میں سنا ہو' وہ قاہرہ سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں

جہاز کریش ہو گیا۔ ظاہر ہے ان حالات میں کسی وصیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تندرست و توانا انسان تھے اور زندگی کو اتنا مختصر نہیں سمجھتے تھے۔" بیگم جہانداد نے کہا۔

"اوہ اچھا یہ معاملہ ہے۔ ٹھیک ہے بیگم صاحبہ بلکہ خالہ جان۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ معاملہ ہم پر چھوڑ دیں۔ وعدہ تو نہیں کرتے کہ ہم کامیاب ہو ہی جائیں گے لیکن انتہائی کوشش کریں گے اس سلسلے میں کہ حقیقت حال سامنے آ سکے' لیکن ہمیں کچھ عرصہ یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ آپ ہماری کیا حیثیت متعین کریں گی۔"

"تم لوگ مجھے خالہ جان کہہ رہے ہو نا؟" "بس یہی حیثیت رہے گی تمہاری۔" "تم میری ایک سہیلی کے بچے ہو اور دارالحکومت سے آئے ہو۔ اگر پہلے سے تمہاری شخصیت سے واقف ہوتی تو شاید شام کی چائے پر لوگوں سے مختصراً یہ بات کہہ بھی دیتی' مگر میں تم سے واقف نہیں تھی۔"

"بہتر ہے خالہ جان' دو بچوں کے علاوہ ایک بچی بھی ہے آپ کی اس سہیلی کی۔ ظفری نے کہا اور بیگم صاحبہ نے پراضمحلال انداز میں مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے' کیا نام ہے تم لوگوں کا۔ سعدی اور ظفری؟"

"جی۔" دونوں نے جواب دیا۔

"تو پھر صبح کے ناشتے پر میں تمام لوگوں سے تمہارا اسی حیثیت میں تعارف کرا دوں گی۔"

"بہتر ہے خالہ جان۔" سعدی نے کہا۔

"دیکھو ایک بار پھر میں درخواست کرتی ہوں کہ یہاں اس حویلی میں صرف میرے ہی رہنا' تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ کسی بھی شکل میں۔ اور اس بات کی میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ اصل مجرمہ اگر میں ہی ثابت ہوؤں تو خدا کی قسم تم مجھے بھی مت چھوڑنا' یہ بات میں پورے اعتماد سے تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"بہت بہتر بیگم صاحبہ' آپ قطعی طور پر مطمئن رہیں۔ میرا مطلب ہے خالہ جان۔"

سعدی نے کہا اور بیگم جہانداد اٹھ گئیں۔

"تو اب میں جاؤں؟"

"جی آرام فرمائیے۔"

"پہلی بار ہمارے شایان شان کیس ملا ہے۔ میرا خیال ہے اس میں کافی ذہنی ورزش کی ضرورت پیش آئے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔۔۔؟" ظفری نے سعدی سے پوچھا اور سعدی چونک کر ظفری کو دیکھنے لگا۔

"ہاں تم درست کہتے ہو۔"

"لیکن یار سعدی کیا ہم لوگ واقعی اس قابل ہیں کہ اس معمے کو حل کر سکیں؟"

"دیکھو بھئی جہاں تک ذہنی پہنچ کا تعلق ہے تو کوئی بڑی بات نہیں کہی جا سکتی۔ خیال تو یہ تھا کہ لوگوں کو چھوٹی موٹی چوٹیں دے کر اپنا الو سیدھا کریں گے لیکن صورت حال خاصی حد تک بدل گئی ہے اور پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کیس میں کامیاب ہو ہی جائیں گے' ممکن ہے ناکامی فش رہیں' لیکن کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے۔ بیگم صاحبہ نے رقم کی بات نہیں کی' حالانکہ شریف النفس خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے رحیم نے جو بات کہی ہے اس سے انحراف تو نہ کریں گی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"ارے یار ٹھیک ہے جاسوس نہیں ہیں' خواہ مخواہ اس لائن میں آ گئے ہیں' لیکن جاسوس کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہوتے۔ بس حالات پر ذرا گہری نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی سوچ ذرا گہری ہوتی ہے۔ کم از کم جاسوسی نہیں جانتے لیکن جاسوسوں جیسی اداکاری تو کر سکتے ہیں۔ اور پھر جو معاملات سامنے آتے ہیں ان پر قیاس آرائی بھی کی جا سکتی ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"بالکل بالکل' لیکن میرا خیال ہے آج رات ہم خاموشی سے گزاریں گے۔ کل صبح حویلی کے اہم افراد سے ملاقات کر لیں گے اس کے بعد جب تعارف ہو جائے گا تب کوئی چکر چلائیں گے۔" سعدی نے کہا اور دونوں کے درمیان یہ بات طے ہو گئی۔

دوسری صبح ناشتے کا وقت ساڑھے آٹھ بجے تھا' چنانچہ یہ لوگ بھی تیار ہو گئے اور جونہی ملازم ان کے پاس پہنچا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔

ناشتے کے کمرے کو کمرہ نہیں ہال کہا جا سکتا تھا۔ ایک بہت ہی لمبی میز تھی جس کے گرد پچاس کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور سب کی سب بھری ہوئی تھیں۔ یقیناً یہ خاندان کے اہم افراد ہوں گے ورنہ اس حویلی کی آبادی تو کافی معلوم ہوتی تھی۔ مہمان خانے کے کمرے سے حویلی کے اس اندرونی ہال تک پہنچتے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حویلی کیا' اچھا خاصا قلعہ ہے۔ جس کی آبادی کافی ہے۔ یقیناً یہ سب ملازم نہیں ہوں گے۔ بلکہ جیسا کہ بیگم جہانداد نے بتایا تھا کہ ان کے اہل خاندان بھی ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یہ پچاس کرسیاں یقینی طور پر خاندان کے ان افراد کے لیے ہی ہوں گی۔

بیگم جہانداد درمیان کی کرسی پر موجود تھیں۔ اور ان کے عین سامنے دو کرسیاں خالی رکھی ہوئی تھیں' جو یقیناً ان لوگوں کے لیے خالی رکھی گئی ہوں گی۔

بیگم جہانداد نے مسکرا کر ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ناشتہ ابھی نہیں لگا تھا۔ انہوں نے کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا' جن میں لڑکیاں' نوجوان اور چند معمر حضرات اور خواتین بھی تھیں۔

''میں آپ سب کو بتا چکی ہوں کہ رخسانہ میری عزیز ترین سہیلی تھی' بچپن سے ہم لوگوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا اور ایک طویل عمر میں نے اس کے ساتھ گزاری ہے۔ پھر وہ ملک سے باہر چلی گئی اس کے بعد میرا اور اس کی ملاقات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کافی عرصہ قبل وہ واپس آ گئی تھی' صرف ایک بار میری اس سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھے اپنے بچوں وغیرہ کے بارے میں بتایا۔ یہ دونوں بچے رخسانہ کے ہیں اور میرے لیے اپنے ہی بچوں کی مانند ہیں' یہ سعدی ہیں اور یہ ظفری۔ میرا خیال ہے آپ دونوں کا تعارف ہو گیا۔ اب آپ سب لوگ ان سے اپنا اپنا تعارف کرائیں۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور پھر تعارف کا سلسلہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔

شہزاد۔ فرحت۔ شہزاد کے ساتھی یعنی بیگم صاحبہ کے بھانجے سینڈو خاں سے بھی تعارف ہوا۔ غالباً بیگم صاحبہ نے اس شخص کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ کافی خطرناک ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔

سینڈو خاں واقعی سینڈو لگتا تھا۔ انتہائی مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک' البتہ چہرے پر ایک انتہائی معصومانہ سی حماقت چھائی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ باقی اس خاندان کے دوسرے افراد سے ملاقات ہوئی خرم ان میں موجود نہیں تھا' کئی اور بھی افراد نہیں تھے جن کے بارے میں بیگم جہانداد نے کہا کہ بعد میں ان سے بھی ملاقات کرا دی جائے گی۔

یہ مختصر سا تعارف ہوا۔ اس کے بعد ناشتہ شروع ہو گیا۔ اسی دوران ظفری اور سعدی نے اپنی پسند کے لوگوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ ناشتے کے بعد سب لوگ باہر نکل آئے۔ بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ سعدی اور ظفری اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے کہ شہزاد نے پیچھے سے آواز دی۔

''ارے صاحب سنیے تو سہی' ہاں آخر آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہمارے بھی کچھ فرائض ہیں۔''

''جی۔'' دونوں رک گئے۔ شہزاد کے ساتھ سینڈو خاں بھی تھا وہ دونوں ان کے نزدیک آ گئے۔

''آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی سعدی اور ظفری صاحب' لیکن مہمانوں کو اتنا الگ تھلگ تو نہیں رہنا چاہیے' سنا ہے کل شام آئے تھے آپ؟''

''جی ہاں۔ پہلی بار آئے ہیں' اس حویلی کے حالات اور ماحول سے واقفیت نہیں رکھتے' بس والدہ نے بیگم صاحبہ کا حوالہ دیا تھا اور ان سے اتنی قربت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے سوچا کہ چلو دیکھ لیا جائے لیکن۔۔۔۔''

''لیکن کیا؟'' شہزاد نے سوال کیا۔

"بس یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہاں بہت سے افراد ہیں اور سب ایک دوسرے میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ باہر کے کسی آدمی کی گنجائش یہاں نہیں نکل سکتی۔" شہزاد مسکرانے لگا۔

"الجھے ہوئے والی بات آپ نے بالکل صحیح کی' لیکن گنجائش والی بات بالکل غلط ہے' آیئے دوستی کرلیں۔" شہزاد نے ہاتھ بڑھایا۔ اور ظفری اور سعدی نے پرتپاک انداز میں اس سے مصافحہ کیا' اس کے بعد سینڈو خاں سے مصافحہ ہوا اور ظفری مسکرا کر بولا۔

"آپ کی شکل بالکل اساسین سے ملتی جلتی ہے۔"

"کس سے؟" سینڈو خاں نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"اساسین سے۔ ایک بہت بڑا پہلوان' جواب نہیں رکھتا اپنا۔ یقینی طور پر اگر اس کا سامنا آپ سے ہو جاتا تو شاید اسے پہلی بار شرمندگی اٹھانی پڑتی۔" ظفری نے کہا اور سینڈو خاں ہنسنے لگا۔

"ہاں ریسلنگ کا مجھے بھی بہت شوق ہے' لیکن میں اساسین کو نہیں جانتا۔" اس نے کہا۔

"یہ افسوس کی بات ہے' بہرصورت آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" ظفری نے کہا۔ اسی وقت فرحت بھی نکل آئی اور شہزاد نے اسے آواز دی۔

"ارے فرحت بات سنو۔" اور فرحت قریب آ گئی۔

"جی۔"

"تمہیں پتا چل چکا ہے کہ یہ امی کی کیلی کے بیٹے' کم از کم ہم لوگوں کو تو ان سے دور نہیں رہنا چاہیے کیونکہ ان سے ہماری ہی قربت کچھ زیادہ ہوئی۔"

"ہاں دور تو انہیں بھی نہیں رہنا چاہیے لیکن یہ حضرات ہم میں گھلنا ملنا پسند کریں تو۔"

"فرحت صاحبہ ظاہر ہے کہ ہم یہاں آپ کے مہمان کے طور پر آئے ہیں۔ آپ سے

الگ تھلگ رہ کر یہاں کچھ وقت گزارنا مقصود نہیں ہے۔ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ اگر آپ لوگ اسی طرح الگ تھلگ رہے تو ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔"

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ درحقیقت بے تکلفی کا ماحول پیدا نہ ہو سکا' ورنہ آپ کو اس حویلی سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔" فرحت نے پُر اخلاق لہجے میں کہا۔

پھر شہزاد ان لوگوں کے ساتھ حویلی کے مختلف حصوں میں گھومتا پھرا۔ اس نے یہاں موجود لوگوں کے بارے میں تفصیلات بھی بتائی تھیں۔ سینڈو خاں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے وہ شہزاد کا سایہ ہو۔ اس کی ہر بات پر گردن ہلانا اس کا فرض تھا۔ لیکن اس فرض میں چمچہ گیری نہیں تھی بلکہ ایک محبت کارفرما محسوس ہوتی تھی۔ ظفری اور سعدی نے اندازہ لگا لیا کہ دراصل سینڈو خاں شہزاد کا بہترین دوست اور بہترین محافظ ہے اور وہ یقیناً اس کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔

حویلی کے ایک الگ تھلگ گوشے میں ایک اور شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخصیت ایک کوارٹر میں فروکش تھی۔ باہر نکلے تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ انہیں سلام کیا۔ نوجوان آدمی تھا لیکن چہرے پر ہلکی ہلکی سی داڑھی تھی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش تھی' ٹوپی پہنے ہوئے اور لباس بھی انتہائی سادہ تھا۔

"یہ مولوی محفوظ ہیں۔" شہزاد نے کہا اور محفوظ صاحب نے سلام کے لیے پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر محفوظ صاحب' ویسے شہزاد محفوظ صاحب کا حدود اربعہ کیا ہے؟"

"ہمارے بہت ہی قریبی ساتھی ہیں۔ اسی حویلی میں پیدا ہوئے اور اسی میں پرورش پائی' بس اللہ نے اپنی طرف راغب کر لیا ہے۔ بس اسی لیے اللہ اللہ کر کے وقت گزارتے ہیں۔ ویسے اچھے انسان ہیں۔" شہزاد نے کہا اور مولوی محفوظ مسکرانے لگے۔

"شہزاد میاں خود ایک اچھے انسان ہیں اس لیے دوسروں کو بھی اچھا سمجھتے ہیں۔ ورنہ ہم گناہ گار لوگ کہاں اس قابل کہ کوئی ہماری تعریف کرے۔"

"اچھا اچھا مولوی محفوظ صاحب اپنے حجرے میں تشریف لے جائیے اب آپ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ آپ سے بہت زیادہ گفتگو کی جائے۔ آ ؤ یار۔" شہزاد نے کہا اور مولوی محفوظ کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ظفری اور سعدی کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی تھی۔ بہرصورت شہزاد کی فطرت میں وہ ایک سرکش سا انسان چھپا دیکھ چکے تھے اور یہ سرکش انسان کچھ بھی کر سکتا تھا اس سلسلے میں ان دونوں کو بال کی کھال نکالنی تھی۔

کافی دیر تک شہزاد اور سینڈو خاں ساتھ رہے اور انہیں حویلی کے بارے میں بتاتے رہے۔ شہزاد ان لوگوں سے بھی ان کی تفریحات کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ظفری اور سعدی نے انتہائی سادگی سے بتایا کہ ابھی وہ طالب علم ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

"آپ کے اپنے کیا مشاغل ہیں شہزاد صاحب؟"

"بس جس حد تک بے تکلفی اجازت دے سکتی ہے اس کے مطابق مشاغل آپ کو بتائے جا رہے ہیں۔ سیر و تفریح، شکار اپنی زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ویسے شکار کے معاملے میں ذرا مختلف فطرت کے مالک ہیں ہم دونوں۔ میرا مطلب ہے میں اور سینڈو خاں۔ جس قسم کا شکار ہم لوگ کرتے ہیں۔ بہت کم شکاری اس قسم کا شکار کرتے ہوں گے لیکن اس کی تفصیلات نہیں بتائی جا سکتی آپ لوگوں کو اس وقت تک جب تک بہت زیادہ بے تکلفی نہ ہو جائے۔"

"اوہ کوئی حرج نہیں ہے ہم خود بھی یہاں چند روز کے لیے مہمان آئے ہیں۔ اندرونی باتیں جان کر کیا کریں گے۔" سعدی نے کہا اور شہزاد گردن ہلانے لگا۔

"مجھے تعاون کرنے والے لوگ بے حد پسند آتے ہیں۔ بہرصورت آپ ہمارے مہمان ہیں جس کی تفریحات آپ کرنا چاہیں۔ ہمیں بتا دیں ہم ان کے لیے حاضر ہیں۔ کیوں سینڈو خاں؟"

"بالکل ٹھیک! بالکل ٹھیک۔" سینڈو خاں نے اپنے مخصوص انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

کافی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد یہ لوگ واپس آ گئے۔ دوپہر کا کھانا پھر اسی ہال میں کھانا پڑا تھا حالانکہ صبح کے ناشتے کے بعد طبیعت پر کسی قدر بوجھ موجود تھا لیکن بہرحال رسم پوری کرنے کے لیے کھانا ہی تھا۔

میز انواع و اقسام کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد یہ لوگ اپنی رہائش گاہ میں آ گئے۔ اس کے بعد تین چار گھنٹے کی چھٹی تھی۔

"ویسے یار ظفری کیا اندازہ لگایا تم نے اس حویلی کے بارے میں؟"

"بس کوئی خاص نہیں، قدیم قسم کا طرز زندگی ہے۔ ویسے برے لوگوں کا گڑھ نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ اچھی طبیعت کی مالک ہیں، لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک بھی اچھا ہے۔ آمدنی بے پناہ ہے۔ جس طرح سے زندگی گزاری جا سکتی ہے گزر رہی ہے۔"

"ارے بھائی میں نے ان ساری باتوں کے بارے میں کب پوچھا تھا۔ میرا مطلب ہے تمہیں کوئی کردار ایسا نظر آیا جو تمہارے لیے باعث دلچسپی ہو؟"

"کوئی خاص نہیں۔ ویسے شہزاد کی طرف دھیان جا سکتا ہے۔" ظفری نے کہا۔ اور سعدی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"وہ کیسے؟"

"غور کرو سعدی، شہزاد سرکش فطرت کا مالک ہے۔"

"سرکش فطرت کے مالک لوگ سازشی نہیں ہوتے۔" سعدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں لیکن اگر وہ سازش کرنا چاہیں تو میرا خیال ہے انہیں دقت نہیں ہوتی۔"

"مگر سازش ان کی فطرت کے خلاف بات ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے مگر انہیں اکسایا تو جا سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" سعدی نے پوچھا۔

"میرا مطلب یہی ہے کہ شہزاد کے ساتھ سینڈو خاں ہے، اس کے لیے سب کچھ کرنے

والا ہے۔ بہترین دوستوں میں شمار کیا جاسکتا ہے اس کا' اور پھر ذہنی طور پر بھی بہت زیادہ تیز نظر نہیں آتا۔ شہزادے سے اتنا متاثر ہے کہ اس کی ہر بات پر گردن ہلا دیتا ہے۔ اگر شہزادا سے مجبور کرے کہ وہ کسی کو قتل کر دے تو میرا خیال ہے یہ ناممکن بات نہیں ہوگی۔"

"اوہ تو کیا۔۔۔ تمہارا مقصد ہے۔۔۔!"

"نہیں نہیں سعدی۔ آخری فیصلے کے طور پر تو نہیں کہہ سکتا لیکن سینڈو خاں ایک تندرست وتوانا آدمی ہے اور تمہیں اس بات کا علم ہے کہ جہانگیر کی موت اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی ہے' گلا دبا کر بھی مارا جاسکتا تھا لیکن اس میں ذرا سی احتیاط کرنا پڑتی۔ یعنی انگلیوں وغیرہ کے نشانات سے بچا جاتا لیکن گردن کی ہڈی توڑ کر کسی کو ہلاک کر دینا بہر صورت ایک انتہائی طاقتور آدمی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن سینڈو خان ہی کیوں اور بھی لوگ اس قسم کی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"ہاں میں نے سینڈو خاں کا نام آخری نہیں لیا ہے۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ دراصل ہمیں کوئی ایسی شخصیت تلاش کرنی ہے جو یہاں ہمیں تمام تر صورت حال سے واقف کرا سکے۔"

"تمہارے خیال میں بیگم صاحبہ اس کے لیے کافی نہیں ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"ظفری' دراصل بیگم صاحبہ کا بھی اپنا ایک مسئلہ ہے' یہ خرم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ کہاں غائب ہے۔"

"ارے ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" سعدی نے کہا۔

"بہرصورت اسے بھی ٹٹولنا پڑے گا۔ لیکن بدقسمتی ہماری یہ ہے کہ ہم یہاں کوئی ایسی حیثیت نہیں رکھتے کہ ہر شخص سے کوئی نہ کوئی سوال کر سکیں۔"

"مولوی محفوظ بھی دلچسپ چیز ہیں۔ مگر یہ بے چارہ ہمارے کس کام آسکتا ہے؟"

"کیوں نہ ایسا کریں کہ مولوی محفوظ سے خفیہ ملاقات کریں؟"

"کریں گے۔ ضرور کریں گے۔"

"اس کے علاوہ یہ فرحت صاحبہ یہ بھی اچھی خاصی معلوم ہوتی ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"نہیں وہ لڑکی اس سلسلے میں ہماری کوئی خاص مدد نہیں کر سکتی۔ دیکھیں گے جو بھی ہماری مدد کر سکے۔ پھر وہ احمد کی بیوہ۔ میرا مطلب ہے بیوی۔"

"ایسی بات نہ کرو ظفری۔ بے چاری کو ابھی سے بیوہ مت کہو۔ اور پھر جیسا کہ بیگم صاحبہ کا کہنا ہے کہ احمد ایک مظلوم آدمی ہے' ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ ویسے تمہارا خیال بھی درست ہے۔ گویا اس وقت ہماری فہرست میں یہ دو تین افراد ہیں۔ خرم سے ملاقات کرنی ہے۔ مولوی محفوظ کو ٹٹولنا ہے' اور احمد کی بیوی کو۔ ویسے فرحت سے بھی ایک آدھ ملاقات ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' کم از کم اہم لوگوں کے خیالات معلوم ہونے چاہئیں۔"

"بھئی ابھی ابتدائی منزل پر ہیں اس لیے کام ذرا اسی انداز میں ہوسکتا ہے' ویسے ہمارا ذہن ان معاملات میں اتنا تیز نہیں ہے کہ فوراً صحیح نکتے پر پہنچ جائیں۔ ہمیں اس کا خیال بھی رکھنا ہے' یہ دوسری بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو اپنی اوقات کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔"

"اچھا اچھا بس۔ کوئی آرہا ہے۔" سعدی نے کہا۔ باہر قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ چند ساعت کے بعد دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور ظفری نے آواز لگائی۔

"تشریف لائیے' تشریف لائیے۔" اندر آنے والی فرحت تھی۔ دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ فرحت سنجیدہ سا چہرہ بنائے اندر آگئی تھی۔

"میں آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوئی ہوں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں فرحت صاحبہ تشریف رکھیے۔ ہم تو یہاں آکر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔"

"کیا؟" وہ کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

"بس' حالانکہ ہم یہ تصور لے کر یہاں آئے تھے کہ اپنی امی کی سہیلی کے ہاں جا رہے ہیں یہاں ہماری پذیرائی ہوگی۔ لوگ ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور خاصی دل چسپیاں رہیں گی' لیکن یہاں کا ماحول خاصا ریزروسا ہے۔ بس یوں ہو رہا ہے جیسے ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے۔" سعدی نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے سعدی صاحب' دراصل اس حویلی کا ماحول اچانک تبدیل ہوگیا ہے۔ یہاں کچھ اصول ضرور مسلط تھے بلکہ ہیں' لیکن ہماری زندگی میں اچھی خاصی تفریحات تھیں اور یہ سب کچھ ایک حادثے کے تحت ختم ہوگیا ہے۔ اور حویلی کی فضا واقعی عجیب سی ہوگئی ہے اتنی عجیب کہ میں واقعی خود بھی گھٹن محسوس کرتی ہوں۔"

"حادثہ؟" سعدی نے سوالیہ انداز میں فرحت کو دیکھا۔

"جی ہاں آپ کو شاید علم نہیں ہے کہ یہاں ایک ڈیڑھ ماہ قبل قتل ہوگیا تھا۔"

"قتل؟" ظفری اچھل پڑا۔

"جی ہمارے بھائی کا قتل۔"

"ارے کون سے بھائی کا؟"

"جہانگیر بھائی کا۔ آپ مجھے کافی عجیب لوگ لگتے ہیں۔ بقول امی کے کہ آپ ان کی سہیلی کے بیٹے ہیں لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کبھی مجھ سے بھی ان سہیلی کا تذکرہ نہیں ہوا۔ بہرصورت اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ صرف اتفاق ہو' کیونکہ امی بے چاری بھی بہت سی الجھنوں کا شکار رہتی ہیں۔ ممکن ہے کبھی ذکر نہ آیا ہو۔ لیکن آپ ہمارے ہاں کے واقعات سے قطعی ناواقف ہیں۔"

"جی ہاں۔ دراصل ہم لوگ بھی اپنی تعلیم میں ہی الجھے ہوئے ہیں' بدقسمتی ہماری یہ ہے کہ ہمارا گھرانہ تنہا ہے۔ جیسا کہ خالہ جان نے آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ ہم لوگ ملک سے باہر تھے۔ خاندان کے کچھ افراد اگر ہوں گے بھی تو وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور جب ہم لوگ اپنے وطن واپس آئے تو ہمیں اپنے اس چھوٹے سے گھرانے کے علاوہ کوئی اور گھر ایسا نہ مل سکا جسے ہم اپنا رشتہ دار

تصور کر سکتے۔ تنہائی کی زندگی تھی۔ پھر شاید ہماری والدہ اور خالہ جان کے درمیان کوئی ملاقات ہوئی اور والدہ نے شاید ان سے یہاں آنے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ ان دنوں چھٹیاں تھیں اور ہم لوگ بور ہو رہے تھے اور پروگرام بنا رہے تھے کہ کہیں جایا جائے کہ والدہ صاحبہ نے کہا کہ سبحان پور چلے جاؤ۔ آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ان حالات میں ہم سبحان پور سے کس قدر واقف ہوں گے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ویسے مجھے حیرت تھی اس بات پر بلکہ مجھے ہی کیا سب کو ہی حیرت تھی اس بات پر کہ آپ اچانک ہی نمودار ہوئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حیرت کی بات ہی ہے۔ ویسے اگر آپ لوگوں کو ہماری آمد پسند نہ آئی ہو تو آپ یقین کریں کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"اس بات کا اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟"

"نہیں نہیں اندازے کی بات نہیں ہے۔ بس میں یونہی سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات اجنبی شخصیتوں کا وجود ذہن پر گراں گزرتا ہے۔"

"آپ لوگ کم از کم میرے ذہن پر گراں نہیں گزرے۔ باقی لوگوں نے بھی ایسے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ آپ نہایت اطمینان سے یہاں رہیں۔ میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ گھر اس وقت سوگوار ہے' ورنہ یہاں اس قدر خاموشی نہیں ہوتی۔ امی جان اپنے اصولوں میں سخت ضرور ہیں لیکن بچوں کے معاملات میں وہ بھی مداخلت نہیں کرتیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد یہاں کا ماحول پھر بہتر ہو جائے۔ لیکن اس وقت شاید آپ کو بہتر فضا نہ ملے۔ تاہم اگر آپ سبحان پور کے نواح دیکھنا پسند کریں تو میں آپ کی معاون ہو سکتی ہوں۔" فرحت نے کہا۔

"جی نہیں۔" ان حالات میں ہمارا بھی فرض یہی ہے کہ اگر یہاں کچھ روز رہیں بھی تو آپ کے ساتھ مکمل تعاون اور ہمدردی کریں۔"

"شکریہ! یہ اچھے انسانوں کی بات ہے۔ ویسے جہانگیر بھائی کا قتل ایک ایسا حادثہ ہے جسے ذہنوں سے مٹانے کے باوجود نہیں مٹایا جاسکا۔"

"ویسے تعجب ہے فرحت صاحبہ۔ انہیں کس نے قتل کر دیا۔ اور یہ جہانگیر صاحب۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ میں آپ سے باتیں ہی کرنے آئی ہوں۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ آپ لوگ یقینی طور پر اس ماحول میں خوش نہیں ہوں گے۔ میں نے سوچا کہ کم از کم آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ اس خاموشی کی وجہ کیا ہے۔"

"یقیناً ان حالات سے واقف ہوں ہمارا فرض بھی ہے۔ گو خالہ جان نے ہمیں اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"جہانگیر بھائی ہمارے سب سے بڑے بھائی تھے۔ ہمارے سوتیلے بھائی۔ ابو کی بڑی بیگم کے بیٹے۔ جہانگیر بھائی اور خرم بھائی آپس میں سگے بھائی ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کو کبھی وہ اپنا نہیں سمجھتے تھے۔ جہانگیر بھائی خود بھی ہم سے نفرت کرتے تھے اور خرم بھائی بھی۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ کھانے کی میز پر خرم نام کی کوئی شخصیت نہیں تھی۔ جہانگیر بھائی کے قتل کے بعد سے خرم بھائی نے ہمارے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اور زیادہ تر آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ' تو وہ آپ کے سوتیلے بھائی ہیں؟"

"جی ہاں۔ بدنصیبی سے وہ اس لفظ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ذہنوں میں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔"

"شہزاد صاحب آپ کے سگے بھائی ہیں؟"

"جی۔"

"اور یہ سینڈو خاں؟"

"یہ امی کے بھانجے ہیں' ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں بچپن ہی میں ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا' تب سے انہوں نے اس حویلی میں پرورش پائی ہے۔" فرحت نے بتایا۔

"اچھا۔ اور وہ ایک صاحب غالباً مولوی محفوظ' ان سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"رشتہ تو کوئی نہیں ہے' لیکن انہوں نے اسی حویلی میں ہی پرورش پائی ہے۔ کئی سال ہوئے ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا' تب سے اکیلے ہی رہتے ہیں۔ پہلے ان کی والدہ ان کے ساتھ تھیں۔ بہر صورت مولوی قسم کے آدمی ہیں' کیا آپ ان سے ملے تھے؟"

"جی ہاں۔ شہزاد صاحب نے ملاقات کروائی تھی' وہ ملازم ہیں آپ کے ہاں؟"

"نہیں نہیں' ان کی حیثیت ملازموں کی نہیں ہے' بس ان کی امی اور وہ ہمیشہ سے حویلی میں رہتے رہے ہیں' نجانے کیا سلسلہ ہے ان کا۔ بس وہ خاندان کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"خوب۔ تو یہ ہے یہاں کا سلسلہ اور حالات۔ مگر قتل کا مسئلہ کیا تھا؟"

"بس کیا بتائیں آپ کو۔ ہماری بدنصیبی' شاید اس حویلی کی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ جہانگیر بھائی باغ میں تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی ان کی اور یہ قتل احمد چچا نے کیا۔ احمد چچا ہماری حویلی کے دیرینہ ملازم ہیں۔ اور جہانگیر بھائی خاصی غلط فطرت کے مالک تھے۔ انہوں نے احمد چچا کی بیٹیوں کو چھیڑا اور احمد چچا نے انہیں قتل کر دیا۔ اس کے باوجود امی نے ان ماں بیٹیوں کو گھر سے نہیں نکالا ہے۔ اس بات پر اس حویلی کے تقریباً آدھے افراد سخت ناراض ہیں امی سے۔"

"ہوں' خرم صاحب بھی ناراض ہوں گے؟"

"وہ تو ان لوگوں کے سخت دشمن ہیں۔ کئی بار امی کو بھی دھمکیاں دے چکے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں گے۔"

"آپ کی امی کے ساتھ کیا رویہ ہے خرم صاحب کا؟"

"نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ بس جس قدر بے عزتی کر سکتے ہیں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ہر وقت پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیسے لینے کے لیے تو وہ حویلی میں ضرور آتے ہیں' اگر کبھی خود ہی موڈ بن جائے تو ہفتوں رہتے ہیں اور باہر نہیں نکلتے اور جب نکلتے ہیں تو یوں بھی ہوتا ہے کہ ہفتوں واپس نہیں آتے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ امی کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ باقی

لوگوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک اچھا نہیں ہے۔"

"شہزاد صاحب تیز مزاج کے آدمی ہیں، کبھی خرم یا جہانگیر صاحب سے ان کا جھگڑا تو نہیں ہوا؟"

"ہو جاتا، لیکن امی اس سلسلے میں ہمیشہ آڑے آجاتی ہیں۔ شہزاد بھائی کئی بار سیخ پا ہوئے، لیکن امی نے انہیں اس سختی سے کنٹرول میں کیا ہوا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"ہوں اور یہ بینڈو خاں؟"

"وہ تو بس ایک معصوم سا آدمی ہے۔ شہزاد بھائی کو بے پناہ چاہتا ہے، ان کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے اس کی اپنی کوئی شخصیت نہیں ہے۔"

"گڈ، ویسے کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے مس فرحت کہ احمد جیسے آدمی نے جہانگیر کو قتل کر دیا؟ یقیناً وہ بوڑھا آدمی ہوگا اور جہانگیر صاحب نوجوان اور اچھے تن و توش کے مالک، پھر احمد نے انہیں کیسے قتل کر دیا؟"

"نہیں، احمد چچا بھی اچھے تن و توش کے مالک ہیں، لیکن وہ ایسے آدمی نہیں ہیں کہ کسی کو قتل کر دیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اب اس بات کا کیا کیا جائے کہ وہ اپنا غصہ برداشت نہیں کر پائے، لیکن اس کے بعد بھی تو یہاں عجیب و غریب واقعات ہوئے ہیں۔" فرحت نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"پتا نہیں کیا چکر ہے، میں تو نہیں سمجھ سکی۔ جعفر چچا ایک بار بتا رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت سیاہ نقاب میں ملبوس ایک شخص ان کے کوارٹر میں داخل ہو گیا اور پستول ان کے سینے پر رکھ کر بولا۔ بتاؤ گھڑی کہاں ہے؟ جعفر چچا کو کسی گھڑی کے بارے میں معلوم نہیں تھا، انہوں نے بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا کہ ان کے پاس کوئی گھڑی نہیں ہے۔ پھر یہی واقعہ محمود مالی کے ساتھ پیش آیا۔ نجانے کون اس حویلی میں اپنی گھڑی تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے حویلی ایسے حالات کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ پھر آپ خود سوچیں کہ یہاں زندگی کیسے باقی رہے۔"

"جی ہاں جی ہاں۔" ظفری نے کہا۔ ویسے ان دونوں نے یہ نکتہ خاص طور پر یاد رکھ لیا تھا۔ گھڑی کہاں ہے؟ ایک دلچسپ سوال تھا اور اس سوال کا جواب بھی دلچسپ ہی ہو سکتا تھا۔ دفعتاً ظفری نے پوچھا۔

"ایک بات بتائیے مس فرحت؟"

"جی۔"

"یہ گھڑی کہاں ہے، کا مسئلہ جہانگیر صاحب کے قتل کے بعد شروع ہوا؟"

"ہاں کئی دن کے بعد۔ میرا خیال ہے حویلی کے کئی افراد اس سوال کا شکار ہیں، مگر یہاں ایک دوسرے کو کسی کی بات معلوم ہی نہیں ہوتی، تمام رازوں کا خزانہ امی کا سینہ ہے۔ مگر وہ اتنی محتاط ہیں کہ کسی کو کسی کے بارے میں کچھ بتاتی ہی نہیں ہیں۔ شہزاد بھائی بھی اکثر ان سے ناراض رہتے ہیں اس سلسلے میں کہ امی سگا بیٹا ہونے کے باوجود انہیں حالات سے باخبر نہیں رکھتیں۔"

"ہوں۔" چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر سعدی نے کہا۔ "بڑے دکھ بھرے حالات ہیں یہاں کے تو۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ یہ حویلی خوشیوں کا گہوارہ ہے یہاں کے لوگ جس مطمئن انداز میں زندگی گزار رہے ہیں وہ قابل رشک تھی لیکن یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ یہاں بھی دکھ موجود ہیں۔ ہم آپ کی پریشانی میں برابر کے شریک ہیں فرحت صاحبہ، ہاں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ ضرور بتا دیں۔"

"نہیں۔" "شکریہ۔ بس یہ میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو حالات سے آگاہ کر دوں۔ تاکہ آپ بد دل نہ ہوں۔" فرحت نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں، اس میں بد دلی کی کیا بات ہے۔" دونوں نے خوش اخلاقی سے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد فرحت چلی گئی۔

"جی اب کیا خیال ہے، قبلہ محترم؟" ظفری نے کہا۔

"یار حالات تو خود بخود ملتے چلے جا رہے ہیں، گھڑی کہاں ہے؟" سعدی بولا اور

ظفری ہنس پڑا۔

''دو نام لیے گئے ہیں اس سلسلے میں۔ جعفر چچا اور محمود مالی۔ یہ جعفر چچا بھی کوئی ملازم چیز ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا خیال ہے تلاش کیا جائے انہیں۔''

''ہاں۔ یقیناً یہ معاملہ خاصا دلچسپ رہے گا۔''

''جعفر چچا کی تلاش میں انہیں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک بوڑھا ملازم تھا۔ ایک ملازم سے ہی انہوں نے جعفر کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایک کوارٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔

''ابھی ابھی اندر گئے ہیں۔'' چنانچہ یہ دونوں اندر پہنچ گئے۔ جعفر چچا نے گردن جھکا کر ان کا استقبال کیا تھا۔ ''کوئی کام ہے میاں مجھ سے؟''

''جی ہاں' بس فرحت بی بی نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ سو ہم آپ سے ملنے آ گئے۔ کیا آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟'' سعدی نے پوچھا۔

''ہاں میاں' اس کوارٹر میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ اور کوئی ہے نہیں میرا۔ بیٹھو' حالانکہ یہ مالکوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے لیکن اخلاقاً یہی کہہ سکتا ہوں۔''

''ارے نہیں جعفر چچا' اوّل تو ہم مالک کہاں ہیں' مہمان ہیں' چند روز کے لیے آئے ہیں چلے بھی جائیں گے۔ فرحت نے ایک واقعہ سنایا تھا۔ ہمیں بڑی دلچسپی ہوئی ہے اس سے ہم نے سوچا کہ آپ سے تفصیلات معلوم کریں۔''

''ہوں۔ کیا واقعہ تھا؟'' جعفر چچا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ گھڑی کا کیا معاملہ ہے؟''

''میں میاں اس گھر کا وفادار ہوں۔ بے شک تم یہاں معزز مہمانوں کی حیثیت رکھتے ہو' لیکن بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ ایک رات ایک آدمی کالے سے کپڑوں میں لپٹا ہوا میرے پاس آیا اور پستول کی نال میری پیشانی پر رکھ کر بولا کہ گھڑی کہاں ہے۔ اب اس گھڑی کے بارے میں کچھ معلومات ہوتیں تو میں اسے جواب بھی دیتا۔ میں نے یہی کہا کہ بھائی اللہ کے واسطے اس فضول بات کو مجھ سے مت پوچھو۔ مجھے اس گھڑی کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ پھر مالی کے

ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور پھر شاید کسی اور سے بھی۔ اس بارے میں پوچھا گیا۔ مگر کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کون بتاتا۔ پتا نہیں کیسی گھڑی تھی وہ کم بخت اور کون تھا وہ بدبخت۔'' جعفر چچا نے کہا۔

''آپ اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟''

''جی ہاں بتا سکتا ہوں۔ سر سے پاؤں تک کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا' چست پتلون' چست قمیض۔ چہرہ بھی ایک کالے سے کنٹوپ میں ڈھکا ہوا تھا' صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان پر بھی جالی لگی ہوئی تھی۔

''تن و توش کیسا تھا؟'' ظفری نے سوال کیا۔

''بھیا میرے اگر کوئی تمہارے سر پر پستول رکھ دے اور وہ بھی اس وقت جب تم سو رہے ہو' تو تم سوتے سے جاگو اور پستول کی نال تمہاری پیشانی پر دباؤ ڈال رہی ہو تو تم اس وقت تن و توش یاد رکھ سکتے ہو۔ یہی کیفیت میری بھی تھی۔ میں نے غور ہی نہیں کیا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ چلا گیا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ یہ گھڑی کہاں سے نکل آئی' بیگم صاحبہ کے علاوہ میں نے کسی اور سے اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔'' جعفر چچا نے بتایا۔

اس کے بعد ان دونوں نے محمود مالی سے سوالات کیے۔ لیکن کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ شام کو چھ بجے کی چائے کے بعد بیگم صاحبہ ان کے ساتھ ہی ٹہلتی ہوئی ان کی رہائش گاہ میں آ گئی تھیں۔

''تم لوگ کام شروع کر چکے ہو؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''جی خالہ جان آپ مطمئن رہیں ہم لوگ صورت حال کا بہت جلد اندازہ لگا لیں گے۔''

''دیکھو بچو' ایک بات میں تم سے اور کہوں وہ یہ کہ اگر کوئی نکتہ مل جائے تو اسے منظر عام پر لانے کی بجائے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا۔ میں اس حویلی کی عزت کو بھی برقرار رکھنے کی خواہاں ہوں۔ اور میں کوئی ایسا حل نکالوں گی جس سے اس حویلی کی عزت رہ جائے۔ تم سمجھ رہے ہو گے میری بات؟ میرے بھی بچے ہیں۔'' میں نہیں چاہتی کہ ان پر کوئی ضرب آئے۔'' بیگم صاحبہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ مطمئن رہیں۔ ہم آپ کو صورت حال سے آگاہ رکھیں گے۔ لیکن ایک درخواست آپ سے ضرور ہے۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"آپ اس سلسلے میں کوئی بات نہ چھپائیں جو ہمارے لیے کارآمد ہو۔"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہے خالہ جان۔"

"کیا؟" بیگم صاحبہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

"آپ نے گھڑی والا واقعہ نہیں بتایا۔"

"ایں۔" بیگم صاحبہ چونک پڑیں۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ سوال بے مقصد ہے۔ ظاہر ہے آپ نے ہمیں جس کام کے لیے دعوت دی تھی' ہم نے اس کا آغاز کر دیا ہے' ظاہر ہے کچھ نہ کچھ معلومات تو ہونی چاہیے تھیں۔"

"ہاں گھر کے دو تین ملازموں سے کسی نے رات کی تاریکی میں یہ سوالات کیے ہیں کہ گھڑی کہاں ہے؟ میں نے اپنے طور پر بہت معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس شخصیت کی کوئی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ جس نے یہ سوالات کیے ہیں۔"

"خالہ جان آپ کو ان واقعات پر کوئی تشویش نہیں ہوئی؟" سعدی نے پوچھا۔

"میری تشویش کا کیا پوچھتے ہو۔ سعدی۔ میں تو ہر لمحہ سولی پر لٹکی رہتی ہوں۔ بس نہ جانے کون کون سے خیالات مجھے کھاتے جا رہے ہیں۔"

"پھر بھی خالہ جان آپ کو اس سلسلے میں تھوڑی بہت تفتیش کرنی چاہیے تھی' یہ ایک فطری بات ہے۔ اپنے ان قرب و جوار کے لوگوں پر آپ نے ضرور نگاہ رکھی ہو گی جن پر آپ کو اس بات کا شبہ ہو سکتا ہے۔ کیا آپ نے کسی ایسی شخصیت کو دیکھا جس کے پاس گھڑی موجود نہ ہو' ظاہر ہے اس واقعے کے بعد آپ کی توجہ خاص طور سے اس طرف گئی ہو گی۔"

"ہاں میں نے ایسا کیا تھا' لیکن مجھے کوئی بھی ایسا نہ ملا جس کے پاس گھڑی موجود نہ

ہو۔ میرا مقصد ہے وہ لوگ جو میرے قرب و جوار میں رہتے ہیں اور جن پر مجھے شبہ ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔ ظاہر ہے اس سے زیادہ گہرائی میں آپ نہ گئی ہوں گی۔ اچھا خیر' اب ہمیں ایک معاون درکار ہے' جس سے ہم یہاں کے سارے معاملات معلوم کر سکیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے جو ہمیں اس کوٹھی کے چپے چپے کے بارے میں سب کچھ بتا سکے۔ ایسی کوئی شخصیت دے سکیں گی مجھے؟"

"ہاں۔ ویسے تم جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو' مجھ سے ہی معلوم کر لو۔"

"نہیں خالہ جان یہ تو ضرورت پڑنے کی بات ہے۔"

"تب ٹھیک ہے' میں فضل کو تمہارے پاس بھیج دیتی ہوں۔ وہ یہیں مہمان خانے میں کام کرے گا۔ میں اسے ہدایت دے دوں گی کہ جس طرح تم کہو' اس پر عمل کرے۔ بس تمہارا کام بن جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ خالہ جان۔" سعدی نے کہا۔ اسی وقت دروازہ طوفانی انداز میں کھلا اور ایک خوب صورت نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ چہرے سے وہ ٹھیک ٹھاک ہی نظر آ رہا تھا' لیکن اس کی آواز میں ایک کرختگی بسی تھی۔

"آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور میں پوری کوٹھی میں آپ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔"

"کیا بات ہے خرم؟" بیگم صاحبہ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہیں بتانا ہے۔" وہ کرخت انداز میں بولا۔

"ہاں بتاؤ' کیا بات ہے؟" بیگم صاحبہ کی آواز بھی کرخت ہو گئی۔

"مجھے پچیس ہزار روپے چاہئیں۔"

"پچیس ہزار صرف؟" بیگم صاحبہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں پچیس ہزار' اور مجھے ان کی سخت ضرورت ہے' مجھے یقین ہے آپ انکار نہیں کریں گی۔"

"تمہارا یقین ایک حماقت ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ فضول آوارگیوں کے لیے میرے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔ تمہارے بارے میں جو اطلاعات مجھے موصول ہوئی ہیں' ان کے تحت میں نے یہ قدم اٹھانا ضروری سمجھا ہے کہ تمہیں پیسے نہ دوں۔"

"دیکھیے امی جان میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے بارے میں جو اطلاعات آپ کو فراہم کی جا رہی ہیں۔ وہ ایک سازش کے تحت ہیں اور سازشی آپ سے اتنے قریب ہیں کہ آپ ان کی بات پر مجھ سے زیادہ یقین کر لیتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ اس حویلی میں کیا ہو رہا ہے؟ زبان نہیں کھولنا چاہتا آپ کا احترام مانع ہے۔ آپ مجھے اس کے لیے مجبور نہ کریں کہ بالآخر ایک دن میں چیخ چیخ کر لوگوں کو حالات بتانے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"کون سے حالات کی بات کر رہے ہو خرم؟"

"وہی جنہوں نے مجھ سے میرا بھائی چھینا ہے۔ آپ یقین فرمائیے امی جان کہ اب میرا دل آپ کو صرف بیگم صاحبہ کہنے کو چاہتا ہے۔ امی جان کہتے ہوئے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس اس وقت سے اور بھی شدید ہو گیا ہے جب سے آپ نے مجھے تنہا کر دیا ہے۔"

"میں نے تمہیں تنہا کر دیا ہے؟" بیگم صاحبہ غرا کر بولیں۔

"خدا ہی جانے کس نے کیا ہے' اس کا اندازہ آپ کو ہی ہو سکتا ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر میرے ساتھ یہ سخت رویہ جاری رہا تو میں مجبور ہوں کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کہوں۔"

"تو تمہیں منع کس نے کیا ہے۔ جاؤ چیخ چیخ کر حویلی کے دروازے پر جا کر کہو کہ یہاں تمہارے دشمن رہتے ہیں۔"

"ہاں' میرے دشمن رہتے ہیں' اس حویلی میں میرا کوئی دوست نہیں ہے سمجھیں آپ؟ لیکن بالآخر یہ حویلی میری ہے۔ آپ سے پہلے میری ماں یہاں رہتی تھیں اور اس تمام حویلی اور جائیداد پر حکومت کرتی تھیں اگر وہ زندہ ہوتیں تو یہ سب کچھ ہمارا ہوتا۔ ٹھیک ہے تقدیر نے اسے ہم سے چھین لیا اور آپ کو ہم پر مسلط کر دیا' لیکن ہم تقدیر کے تمام فیصلوں کو تسلیم نہیں کریں گے۔ میرا

بھائی مجھ سے چھن گیا ہے' میری کمر توڑ دی گئی ہے' لیکن اب بھی میرے بدن میں اتنی سکت ہے کہ میں اپنا تحفظ کر سکوں۔ ٹھیک ہے آپ اس دولت پر سانپ بنی بیٹھی رہیں' لیکن بالآخر ایک دن آپ کو یہ دولت اس طرح اگل دینی پڑے گی جس طرح سانپ اپنا منکا اگل دیتا ہے۔" وہ غراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

بیگم جہانداد ساکت و جامد بیٹھی رہ گئی تھیں۔ پہلے ان کا چہرہ سرخ پھر سفید پڑ گیا۔ وہ بے حد مضمحل اور نڈھال نظر آنے لگی تھیں۔ پھر انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھا تم نے؟ دیکھ لیا؟" ان کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ سعدی اور ظفری کچھ نہ بول سکے۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے بیگم صاحبہ کو دیکھ رہے تھے۔

"میں چلتی ہوں۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں' میں جا رہی ہوں۔" انہوں نے کمزور لہجے میں کہا اور لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"نوٹ کیا عالم پناہ؟" ظفری نے کہا۔

"ہاں نوٹ کیا۔" سعدی بولا اور دونوں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

خرم خود ہی آیا تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر سنبھل گئے۔ اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر کرختگی کے آثار نہیں تھے۔

"ہیلو۔" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہیلو خرم صاحب' تشریف لائیے۔"

"شکریہ' مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا۔ میں اس وقت بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اور یہ میری کمزوری ہے۔"

"وہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ تھا مسٹر خرم۔ ہمیں اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔" سعدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت بدنصیب انسان ہوں۔ دوستی کو اور دوستوں کو ترسا ہوا۔ نہ جانے کیوں لوگ میرے دوست نہیں بنتے۔ یقین کریں اتنا برا بھی نہیں ہوں۔ تنہائی اور اپنے ہی گھر میں

اجنبیت نے مجھے چڑچڑا کر دیا ہے۔ ورنہ کس کی خواہش نہیں ہوتی کہ اپنوں کے درمیان بیٹھ کر ہنسے بولے۔ لیکن تقدیر۔

"تشریف رکھیے خرم صاحب۔ آخر ایسی کیا بات ہے؟"

"یہ بات ہے۔ دولت سانسوں پر بوجھ بن جاتی ہے۔ دولت انسان کا ظرف چھین لیتی ہے۔ اس دولت نے میرا بھائی مجھ سے چھین لیا ہے۔ میرا جہانگیر۔ جو اس دنیا میں میرا واحد سہارا تھا۔"

"کیا آپ دل کا بوجھ ہلکا کرنا پسند کریں گے خرم صاحب جہانگیر صاحب کو کیا حادثہ پیش آیا تھا؟" سعدی نے بڑی شفقت اور دلجوئی کے انداز میں کہا۔

خرم بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار منجمد تھے۔ آنکھوں میں نمی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

بعض اوقات دل پر بوجھ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ دیواروں سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بہت برا انسان ہوں۔ بہت ہی برا' لیکن کبھی کبھی میری برائیاں بھی میرا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ اور میں بالکل تنہا رہ جاتا ہوں۔ نہ جانے آپ لوگ میری باتوں کو کیا سمجھیں۔ لیکن دل کا بوجھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ میں اسے ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور خرم صاحب۔ کہیں ضرور کہیں۔"

"بچپن سے ہم دونوں بھائی محرومیوں کا شکار رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ ہماری سوتیلی ماں ہیں۔ بظاہر بہت نیک' بڑی باوقار لیکن نہ جانے عورت کیوں اس سوتیلے پن کو نہیں بھلا پاتی۔ ہمارے ساتھ بہت سخت رویہ رہا ان کا اور ہمیں ہمیشہ یہ احساس دلایا جاتا رہا کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ بچپن معصوم ہوتا ہے لیکن جوانی۔ نہ جانے انسان کو کیوں عقل آ جاتی ہے۔ ہم دونوں بھائی اس احساس کا شکار رہے کہ ہم تنہا ہیں' اور اس تنہائی نے ہماری محبتوں کو اور بڑھا دیا۔ اور پھر' مجھ سے میرا بھائی بھی چھین لیا گیا۔ جہانگیر مجھ سے بچھڑ گیا۔ ظالموں کو ہماری یہ محبت بھی گراں گزری اور ۔۔۔ اور ۔۔۔۔" خرم نے دونوں ہاتھوں سے چہرا چھپا لیا۔

"دشمنی۔" خرم گلوگیر لہجے میں بولا۔ "صرف ایک دشمنی۔ ہماری محبت انہیں خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ صرف یہ دشمنی کہ ہم دونوں مل کر اس عظیم الشان جائیداد کو ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"اوہ اس کا مطلب ہے کہ ۔۔۔۔۔ آپ کا اشارہ بیگم جہانداد کی طرف ہے؟"

"میرا سینہ جل رہا ہے۔ مجھے میرا بھائی یاد آ رہا ہے۔ میں کسی کا لحاظ نہیں کر سکتا۔ ہاں' یہ ان سب کی سازش تھی۔ وہ سب میرے بھائی کے قاتل ہیں۔"

"آپ نے پولیس کو یہ بیان کیوں نہیں دیا؟"

"اس لیے کہ وہ بیگم جہانداد ہیں اور میں صرف خرم۔ میری کون سنتا؟"

"لیکن قاتل تو پکڑا جا چکا ہے خرم صاحب۔"

"قاتل؟" خرم نے طنزیہ کہا۔ "ہاں قاتل پکڑا جا چکا ہے' لیکن ایک ایسا آدمی جس نے کبھی زندگی میں مکھی بھی نہیں ماری۔ یہ دولت کے کھیل ہیں۔ جس نے خود کو قاتل کہا اس کی بچیوں کا مستقبل محفوظ ہو گیا۔ اب وہ عزت کی زندگی جئیں گی۔ اتنا ملے گا انہیں کہ ان کا باپ دس جنم میں بھی نہیں کما سکتا تھا۔"

"اوہ' تو احمد کو خریدا گیا ہے؟"

"اس حویلی میں' اس عظیم الشان حویلی میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں' آپ لوگوں کو کیا معلوم۔ مولوی محفوظ کو جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ ان سے ملاقات ہو چکی ہے؟"

"جانتے ہیں وہ کون ہے؟"

"نہیں۔"

"ہمارا بھائی۔ ہمارے باپ کا بیٹا۔ لیکن اس کی بدبختی کہ میرے والد نے اس کی ماں سے شادی نہیں کی تھی۔"

اس انکشاف پر سعدی اور ظفری دنگ رہ گئے تھے۔ ان کے ذہن میں ایک نئے خیال

نے جنم لیا تھا۔ دیر تک وہ ان الفاظ کے دھماکے کی بازگشت محسوس کرتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھالا اور سعدی نے کہا۔

"بڑی دلدوز کہانی ہے خرم صاحب آپ کی۔ دل دکھ گیا۔ لیکن جہانگیر کو کس نے قتل کیا؟"

"جان کر انجان بن جائیں آپ تو دوسری بات ہے۔ میرا بھائی اس قدر چوہا بھی نہیں تھا کہ کسی معمولی آدمی کا شکار ہو جائے۔ لیکن میاں اس کام کے لیے پہلوانوں کو بھی پالا گیا ہے۔ آپ نے سینڈو خاں کو دیکھا ہوگا؟" خرم نے کہا۔

"ہاں دیکھا ہے۔ اور اب تم بھی دیکھ لو۔" دروازے پر شہزاد کی آواز سنائی دی اور سب چونک پڑے۔ "اور کچھ زہر اگلنا چاہتے ہو خرم۔ اگلو۔ اس حویلی کو ننگا کر دو۔ اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو۔ پولیس کو بیان دو' ان بے چاروں کے سامنے رونا رونے سے کیا حاصل۔ تمہارا خیال غلط ہے ان کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔ تم جو ملازموں سے ان کے بارے میں چھان بین کر رہے تھے اس کے تحت تمہارا اندازہ غلط تھا۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تمہاری شیطنیت کی تفصیل معلوم کرنے۔ تم ہمیں اپنے بھائی کا قاتل ثابت کرنا چاہتے ہو نا؟ کوشش کرو۔ اور کوشش کرو۔"

"بکواس مت کرو شہزاد۔ وقت حقیقت اگل دے گا۔"

"خرم' تم نے ان لوگوں کے سامنے بدتمیزی کی ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"کیا کرو گے تم میرا؟"

"میں تمہاری زبان کاٹ کر پھینک دوں گا سمجھے تم۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟" شہزاد نے کہا۔ سعدی اور ظفری ارے ارے ہی کرتے رہے اور وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ پہلے تو وہ ایک دوسرے کو گھیدتے رہے۔ پھر دفعتاً خرم کراٹے کا پوز بنا کر کھڑا ہو گیا۔

"بس بس خرم صاحب۔ اس کے لیے میں موجود ہوں۔" دفعتاً سینڈو خاں آگے

بڑھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن اب سعدی اور ظفری خاموش نہ رہ سکے۔ وہ ان لوگوں کے درمیان میں آگئے۔

"یہ سب کچھ غلط ہے۔ آپ لوگ ہمارے کمرے میں ہیں اور پھر یہ تہذیب کے خلاف ہے۔"

خرم سینڈو خاں کو درمیان میں دیکھ کر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو برا بھلا کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"آپ درمیان میں آگئے ورنہ۔۔۔۔۔" شہزاد بولا۔

"یہ مناسب نہیں ہے شہزاد۔"

"کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب' اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ آؤ سینڈو۔" شہزاد نے کہا اور غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا۔ ظفری اور سعدی ہاتھ جھاڑنے لگے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑے۔

"تو یہ ہے صورت حال؟" ظفری بولا۔

"دماغ چکرا کر رہ گیا ہے۔ ہر لمحہ ایک نئی بات۔ یہ مولوی محفوظ۔ ذرا غور کرو اگر یہ بات درست ہے تو کیا اس طرف ذہن نہیں جاتا۔ ایک ایسی شخصیت جس کی کوئی حیثیت نہ ہو کیا کیا اس کے دل میں۔۔۔ اوہ ظفری یہ بات واقعی قابل غور ہے۔ سوچو ذرا۔"

"تحقیقات می لارڈ۔ میرے خیال میں یہ ملازم افضل' اس سلسلے میں کارآمد ہوگا۔ اس سے کچھ معلومات حاصل کی جائیں۔" ظفری نے کہا۔ اور دفعتاً چونک پڑا۔ صوفے کے پائے کے پاس کوئی شے اسے نظر آئی تھی۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ ایک چرمی پرس تھا۔

"یہ پرس' ہم میں سے کسی کا نہیں ہے۔" اس نے پرس کو کھول کر دیکھا ایک کارڈ اس میں موجود تھا۔ "خرم جہانداد۔" پرس میں کچھ نوٹ تھے۔ دو اور وزیٹنگ کارڈ تھے اور ایک رسید تھی۔ ظفری اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ ایک واچ کمپنی کی رسید تھی۔ قیمت سولہ سو اسی روپے۔ نام خرم جہانداد' گارنٹی وغیرہ۔ لیکن تاریخ دیکھ کر ظفری اچھل پڑا۔ اس کا ذہن ایک دم گھوم گیا تھا۔

"سعدی، اسے دیکھو۔ اس نے رسید سعدی کی طرف بڑھادی۔ اور سعدی پہلے تو نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر وہ بھی اچھل پڑا۔

"اوہ۔۔۔۔اوہ۔۔۔۔۔۔۔گھڑی کہاں ہے؟" اس کے منہ سے نکلا۔

گھڑی محمود مالی کے آٹھ سالہ بیٹے سے برآمد ہوگئی۔ سہمے ہوئے بچے نے بتایا کہ یہ گھڑی اسے باغ میں سے ملی تھی۔ واچ کمپنی کے سیلز مین نے تصدیق کر دی کہ اس تاریخ کو یہ گھڑی خرم جہانداد نے خریدی تھی۔ وہ ذاتی طور پر بھی خرم کو جانتا تھا۔

سبحان پور کے ہوٹل سلاطین میں ایس کے رحیم نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔ وہ ان کے تار پر یہاں آیا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے کہا۔

"آپ لوگ تو اب سند یافتہ جاسوس ہوگئے۔ لیکن یہ ثبوت ٹھوس نہیں ہیں۔ صرف ایک گھڑی کی وجہ سے یہ قتل ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔"

"بہر حال دلیل تو ہے۔ گھر میں بھائی کی لاش پڑی تھی اور خرم باہر خریداری کر رہا تھا۔ صاف ظاہر ہے رات کو گھڑی گم ہو جانے پر اس نے فوری طور پر اسی میکر کی دوسری گھڑی خرید لی تھی تاکہ کوئی شبہ نہ کر سکے اور گھڑی مل بھی جائے تو وہ کہہ سکے کہ یہ اس کی نہیں ہے۔"

"لیکن اس بدبخت نے اپنے بھائی کو قتل کیوں کر دیا؟"

"واقعات کی ایک تصویر بنائی ہے ہم نے۔ اگر خرم شہزاد یا فرحت قتل کرتا تو ان دونوں پر شبہ کیا جاسکتا تھا۔ اس نے جہانگیر کو قتل کر کے دوہرا شکار کھیلا۔ جائیداد کا ایک حصہ بھی محفوظ ہوا۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ شہزاد کو اس کیس میں پھانسی ہو جائے۔ اس طرح شہزاد راستے سے ہٹ جاتا۔ اس کے بعد جائیداد کا وارث وہی رہ جاتا تھا۔ لیکن ملازم احمد درمیان میں کود پڑا۔ خرم گھڑی کے لیے بہر حال پریشان تھا اور راتوں کو وہ گھڑی کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا۔"

"بہت بڑا رسک لے رہا ہوں تمہارے لیے۔ ہر چند کہ کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے لیکن دلیل مضبوط ہے۔ ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ میں مقامی پولیس کی مدد سے آج ہی خرم کو گرفتار کر لوں گا، اس کے بعد اللہ مالک ہے۔"

خرم کی گرفتاری سخت سنسنی خیز تھی۔ ایس کے رحیم نے بڑے اعتماد سے اسے گرفتار کیا تھا۔ خرم ششدر رہ گیا۔ اور جب گھڑی اس کے سامنے پہنچی تو وہ نڈھال ہو گیا۔

"یہ میری گھڑی نہیں ہے۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔ "میری گھڑی میری کلائی پر موجود ہے۔"

"نہیں خرم، تمہاری کلائی پر وہ گھڑی ہے جو تم نے اس گھڑی کے گم ہونے پر روہیل واچ کمپنی سے اسی دن خریدی تھی جس دن تمہارے بھائی کی تدفین ہو رہی تھی۔ یہ اس کی رسید موجود ہے۔" پولیس آفیسر نے رسید خرم کے سامنے رکھ دی۔

خرم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اور پھر وہ بول پڑا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ اور بیگم صاحبہ پر غشی طاری ہوگئی تھی۔ سعدی اور ظفری ایس کے رحیم کے ساتھ ہی واپس آگئے تھے۔ ایک ہفتے بعد انہیں بیگم جہانداد کی طرف سے پچیس ہزار روپے کا ایک چیک خط کے ساتھ موصول ہوا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ دونوں فرصت نکال کر ان سے ملاقات کریں اور اس بچی کو بھی ساتھ لائیں جس کا انہوں نے ذکر کیا تھا۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آراء ہدایت پور کی اچانک آمد پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔ انتہائی خوبصورت مرسڈیز بنگلے کے گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو سب کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت تمام لوگ بنگلے کے خوبصورت لان پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ چائے آنے والی تھی انتظار ہو رہا تھا کہ یہ مرسڈیز نظر آئی تھی۔ بیگم صاحبہ کو دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور خوشگوار حیرت سے ان کا استقبال کیا۔

"ماشاء اللہ' ماشاء اللہ بھئی دلی مبارکباد قبول کرو۔۔۔۔ بہت خوبصورت مکان ہے' کب خریدا؟" رسمی گفتگو کے بعد جہاں آراء بیگم نے کہا۔

"کوئی دس ماہ ہو گئے۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"دلی مبارکباد قبول کریں' مضطرب صاحب' خدا نے آپ کو بڑھاپے میں اولاد دی مگر بڑی لائق بڑی فرماں بردار۔"

"اولاد تو یہ اپنے والدین کی ہیں لیکن اللہ نے بڑھاپا سنوار دیا۔" مضطرب صاحب عاجزی سے بولے۔

"اور اولاد بھی ٹوئن یعنی دو دو بیٹے۔"

"جی نہیں تھری ان' ایک بیٹی بھی۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اماں چچا میاں تمہاری گنتی کبھی ٹھیک نہیں ہو گی۔ تھری ان نہیں بڑی اماں چوان۔ میں

بھی ان کا بیٹا ہوں میرا نام ٹیٹو ایم ایم اے سینئر ڈیٹیکٹو عرف مجا ٹرٹلز ہے آداب و نیاز۔۔۔۔" ٹیٹو نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو۔۔۔۔ تم ایم اے پاس ہو؟" بیگم صاحبہ بولیں۔

"جی نہیں۔ ایم ایم اے سے مراد ماہر مارشل آرٹس ہے۔" ٹیٹو بولا۔

"اوہ۔۔۔ بہت خوب۔" بیگم صاحبہ ہنستی ہوئی بولیں۔ "غالباً چائے کا اہتمام ہو رہا ہے۔"

"یوں سمجھ لیجئے آپ کے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔ مضطرب صاحب نے کہا۔

"منگوایئے میں آ گئی ہوں ویسے لگتا ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ خوب ترقی کر گیا ہے۔ یہ قیمتی بنگلہ اسی کا اظہار کرتا ہے۔"

"سنگ بنیاد آپ نے ہی تو رکھا تھا بیگم صاحبہ۔"

"دیکھ لیجئے آج تک اسی کے لیے کام کر رہی ہوں' فون ہے میاں۔۔۔۔؟"

"جی ہاں' تین لائنیں ہیں۔" مضطرب صاحب بولے۔

"ایک فون کرنا ہے مجھے مگر چائے کے بعد۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ بیرون ملک ہوتے ہوئے بھی آج تک اس ادارے کے لیے کام کر رہی ہوں پچھلے دنوں جنوبی امریکہ میں تھی۔ پیرا گوئے میں ایک پاکستانی سرمایہ دار سے ملاقات ہوئی مختصراً تعارف کرائے دیتی ہوں۔ نام چوہدری نور جبین خوش خیلی' بیٹے کا نام چوہدری بدر جبین خوش خیلی' دنیا کے گنے چنے دولتمندوں میں شمار ہوتے ہیں دنیا بھر میں کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ برازیل میں چائے اور کافی کے باغات اور ارجنٹائن میں کپڑے کے سب سے بڑے امپورٹر بولیویا میں تمباکو کے بادشاہ وغیرہ وغیرہ۔

"اعتراض بیگم صاحبہ۔۔۔۔" مضطرب صاحب نے ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

"مضطرب صاحب۔" شکیلہ نے کڑی نظروں سے مضطرب صاحب کو گھورا۔

"تنخواہ میں سے سو روپے بھلے کم ہو جائیں بولے بغیر نہ رہوں گا۔" مضطرب صاحب

نے کہا۔

"بولئے۔ضرور بولئے۔"

"کچھ غلط ہو گیا ہے۔"

"کیا؟"

"عموماً" بیٹے کی ولدیت بتائی جاتی ہے۔آپ نے پہلے ولدیت بتائی پھر بیٹے کا نام بتایا۔"

"جی ہاں چونکہ معاملہ بیٹے کا ہے۔"

"کیا مطلب؟" مضطرب صاحب بولے۔

"مضطرب صاحب آپ بولے جا رہے ہیں۔" ظفری غرایا۔

"اٹھارہ سو رہ گئے' قبول' سمجھے بغیر نہ رہیں گے۔" مضطرب صاحب ڈھٹائی سے بولے۔

"میں بتادوں گی مضطرب فرمایئے لیکن یہ اٹھارہ سو روپے کا کیا معاملہ ہے؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"دو ہزار تنخواہ ملتی ہے احقر کو ادارے سے غیر ضروری بولنے پر سو روپے کٹ جاتے ہیں اس حساب سے اس ماہ تنخواہ سے اٹھارہ سو روپے رہ گئے۔"

"اوہ۔۔۔۔یہ تو بری بات ہے بھئی آپ لوگ ایسا نہ کیا کریں۔" بیگم صاحبہ نے سفارش کی۔

"کچھ نقصان نہیں ہوتا' بیگم صاحبہ۔تنخواہوں کے بل یہ احقر خود بناتا ہے۔اور بل بناتے وقت مالکان کوئی دخل نہیں دیتے۔بھلا اپنے ہاتھوں سے اپنی تنخواہ کیسے کاٹی جاسکتی ہے۔ادائیگی پوری ہی ہوتی ہے خدا کے فضل سے۔" مضطرب صاحب نے کہا اور بیگم جہاں آراء ہنس پڑیں' پھر کہنے لگیں۔

"مضطرب صاحب آپ طویل عرصے تک جئیں گے جو خوشیاں آپ نے سمیٹ لی ہیں وہ آپ کو کبھی بوڑھا نہیں ہونے دیں گی مجھے اس ماحول سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔خصوصاً اس لئے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ترقیاں کر رہا ہے۔بہر حال اب آنے کا مطلب بیان کر دوں اس کے بعد مجھے ٹیلی فون کرنا ہے۔تو میں نے جن حضرات کا تذکرہ کیا تھا یعنی نور جبیں خوش خیلی اور ان کے صاحبزادے بدر جبیں خوش خیلی کا' تو ان کا مسئلہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور جبیں کو دولت سے نوازا ہے اور بدر جبیں ان کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔باپ بیٹے نے بیک وقت ایک خواب دیکھ لیا اور چوہدری صاحب اس خواب کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہو گئے۔ابا جان نے خواب میں اپنے بیٹے کو انسپکٹر جنرل کی وردی میں دیکھا تھا۔تائید صاحبزادے نے کر دی چنانچہ نور جبیں صاحب تل گئے بیٹے کو محکمہ پولیس میں داخل کرنے کے لیے اور تعلقات کی تو آپ بات ہی نہ کریں مسٹر سعدی اور مسٹر ظفری۔اتنے تعلقات ہیں ان کے کہ فوراً ہی پیشکش ہو گئی۔صاحبزادے کو براہ راست ڈی۔ایس۔پی بھرتی کرنے کی لیکن نور جبیں صاحب نے ضرور سمجھا کہ پہلے محکمہ پولیس الف ب سمجھ میں آجائے اور کچھ تربیت مل جائے۔مجھ سے تذکرہ ہوا تو میں نے آپ لوگوں کا نام لے دیا اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔بس نور جبیں صاحب بضد ہو گئے کہ ان لوگوں سے صاحبزادے بدر جبیں کو تربیت دلوائی جائے اور پھر پاکستان آتے ہی میری جان کے پیچھے پڑ گئے اور مجھے یہاں بھیج کر چھوڑا۔اب صورت حال یہ ہے کہ میں یہاں پہنچی ہوں یہاں سے مجھے ٹیلی فون کرنا ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو اس تربیت کے لئے آمادہ کر لیا ہے اور اس کے بعد ان دونوں حضرات کو تشریف لانا ہے سوائے دوستو کیا میری لاج رکھ سکو گے؟ بدر جبیں صاحب ایک رئیس زادے ہیں اور رئیسوں کی قدیم روایات کے آخری نمائندے کو برداشت کرنا پڑے گا۔ چوہدری صاحب کی بھی یہی کیفیت ہے۔میری مراد نور جبیں صاحب سے ہے۔دولت مند ہیں لیکن پڑھنا لکھنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔البتہ بدر جبیں صاحب کو چوہدری صاحب نے تعلیم دلائی ہے۔تفصیل خود انہی سے معلوم کر لیں۔بھئی تم لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جب پولیس کے

اعلیٰ ترین افسران نورچشم بدرجبیں کو اپنی فرزندی میں لینے کے لیے تیار ہیں تو تمہیں کیا؟ دیکھ لو تھوڑی سی تفریح ہی رہے گی اور میری لاج رہ جائے گی۔" سعدی اور ظفری گول گول دیدے گھما رہے تھے۔ بڑا دلچسپ مسئلہ تھا۔ تاہم بیگم جہاں آراء کا مسئلہ ایسا تھا کہ ان کی کسی بات پر انکار کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے سعدی اور ظفری کو دیکھا تو سعدی کہنے لگا۔۔۔۔

"بھلا ہماری یہ جرت ہوسکتی ہے کہ آپ کے کیے ہوئے کسی وعدے سے انکار کر سکیں۔"

"خیر یقین تو مجھے پورا پورا تھا اور تمہیں بھی ان لوگوں سے مل کر خوشی ہوگی۔ اچھے اور سادہ لوح لوگ ہیں۔ کسی طرح باعث نقصان نہیں بنیں گے۔ چائے پلایئے مضطرب صاحب۔ اس کے بعد میں انہیں ٹیلی فون کردوں' اور چائے کے بعد بیگم جہاں آراء نے محترم چوہدری نور جبیں صاحب کو فون کردیا اور انہوں نے اطلاع دی کہ وہ فوراً پہنچ رہے ہیں۔ نورجبیں ایک شاندار سوٹ میں ملبوس صاحبزادے بدرجبیں کے ساتھ مضطرب صاحب کے خوبصورت بنگلے میں داخل ہوگئے۔ قابل دید شخصیت تھی مونچھیں گلہری کی دم کی مانند دونوں سمت اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں' آدمی خوبصورت اور بارعب تھے۔ شیروانی اور شلوار میں ملبوس سر پر پٹھانی ٹوپی صاحبزادے بدرجبیں ایک حسین تراش کے سوٹ میں چپکتے دمکتے چہرے ہی سے حماقت ٹپکتی تھی۔ ان دونوں کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کا انتظام فوری طور پر مضطرب صاحب نے کرایا تھا کیونکہ شام کی چائے کا وقت تو نکل ہی چکا تھا۔ غرض یہ کہ سعدی اور ظفری سے چوہدری صاحب کا تعارف کرایا گیا بدرجبیں کو پیار سے بالے کہا جاتا تھا۔ انہیں سعدی اور ظفری کے سامنے انٹرویو کے لئے پیش کردیا گیا۔ شکیلہ بھی موجود تھی۔ شکیلہ نے سوال کیا۔

"بدر صاحب آپ کی تعلیم کیا ہے؟"

"بی اے پاس کیا ہے ہم نے۔" بدرجبیں شرمائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"میں تفصیل بتاتا ہوں جی۔ پہلے انہوں نے کیا دسواں پاس بیس ہزار روپے میں۔"

"جی۔۔۔۔؟" شکیلہ نے بھنویں اٹھا کر نورجبیں کو دیکھا۔

"او بی بی غریب آدمی تھا کہنے لگا مکمل کام کرا دے گا۔ بلاوجہ بچے کو ہلکان نہیں ہونا پڑے گا لیکن پھر بھی ہم نے ٹیوشن رکھ دی تھی۔ اس کے پیسے الگ خرچ ہوئے۔ باقی بیس ہزار روپے دے کر ہم نے اسے میٹرک کرادیا۔"

"اوہ گڈ۔۔۔اس کے بعد۔۔۔"

"اس کے بعد دس ہزار روپے میں "ایف" کرایا اور سولہ ہزار روپے "اے" میں لگے۔ پہلے اس نے "ایف" کیا پھر "اے" کرلیا۔"

"جی۔۔" سعدی حیرت سے بولا اور بیگم جہاں آراء نے سعدی کو اشارہ کردیا کہ وہ خاموش رہے۔

"بھئی تم حیران کیوں ہو رہے ہو۔ "ایف" "اے" دو سال میں ہوتا ہے نا اور ایف اے کے بعد ہم نے "بی" پہلے کرایا اور پھر "اے" کرا دیا۔ ویسے ہمیں اس انگریزی تعلیم پر اعتراض ہے۔ شروع کرتے ہیں "اے" سے بعد میں "بی" آتا ہے مگر پڑھائی لکھائی میں پہلے "بی" کرایا پھر "اے" کرایا۔ انگریز قوم ہوتی ہی الٹی ہے۔۔۔"

"بے شک' بے شک۔۔۔" مضطرب صاحب نے بمشکل تمام قہقہہ ہضم کرتے ہوئے کہا۔

"او جی ہمیں کیا۔ جب ہمارے بھائیوں نے اپنے آپ پر انگریزی کو سوار کرا ہی لیا ہے تو پھر وہ "بی" کریں چاہے "اے" کریں۔ پہلے "ایف" کرلیں پھر "ڈی" کرلیں۔ جو ان کی مرضی ہے کریں۔ تو بھائیو تمہاری تعریفیں کی ہیں بیگم صاحب نے اور بیگم صاحبہ کو ہم جانتے ہیں۔ بڑی اچھی انسان ہیں یہ اور جس کی یہ تعریف کردیں وہ تو بس سبحان اللہ ہی ہوگا۔ تو ہمارے بیٹے کو تم لوگ جاسوس نمبر ون بنا دو۔ سیکرٹ ایجنٹ وہی جو انگریزی والے ہوتے ہیں۔ ڈشوں' ڈشوں۔۔۔کیا سمجھے۔" چوہدری صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ اطمینان رکھیں چودھری

صاحب۔ ذرا دیکھئے کچھ عرصے بعد بالے میاں کو۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''او جیتے رہو۔ جیتے رہو' بھئی ہمارا اکلوتا بچہ ہے۔ تو اب ہم یہ کرتے ہیں کہ فوراً ہی اس کی یہاں رہائش کا انتظام کر دیتے ہیں۔ بس تم لوگ جو بھی ٹائم مقرر کر لو۔ اس میں یہ تمہارے پاس رہا کریں گے بلکہ سارا دن ہی رہا کریں گے۔ ہم ان کی ابھی تربیت مکمل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد محکمہ پولیس تو ہے ہی اپنا۔ جب چاہیں گے بھرتی کرا دیں گے۔ تو بالے میاں تم تیار ہو۔۔۔؟''

''جی ڈیڈی۔۔۔'' بالے میاں نے جواب دیا۔

''بس تو پھر ہم کل صبح کو اس سلسلے میں باقاعدہ کام کر لیں گے۔''

رات کا کھانا کھا کر چوہدری صاحب چلے گئے۔ بیگم جہاں آراء بھی ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں اور یہاں قہقہوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ چوہدری نور اور چوہدری زادے بدر جبیں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر دوسرے دن صبح کے ناشتے سے فراغت بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ گھر کے ملازموں نے چوہدری بدر جبیں اور نور جبیں کے آنے کی اطلاع دی لیکن اس سے پہلے جو افراد داخل ہوئے انہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک ایک کر کے لوگ اندر آ رہے تھے اور ہر ایک کے کاندھے پر مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے۔ کوئی پندرہ ٹوکرے اندر آ گئے اور مضطرب صاحب دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔ آنے والے آخری افراد چوہدری صاحب تھے اور دونوں چودھریان اندر آ گئے ان کا بہر طور استقبال کر کے انہیں احترام سے بٹھایا گیا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے۔

''وہ جی بھئی یہ استادی اور شاگردی کی رسم جو ہوتی ہے نا چلو بالے میاں اپنے استادوں کے گلے میں ہار تو ڈالو۔''

بیگم جہاں آراء اس وقت موجود نہیں تھیں۔ قابل دید منظر تھا۔ سعدی اور ظفری اور شکیلہ کو ہاروں سے لاد دیا گیا۔ بیگم جہاں آرا پوری تفصیل بتا چکی تھیں۔ مضطرب صاحب مارشل ٹیٹو اور

دوسرے افراد کو بھی پھولوں سے محروم نہیں رکھا گیا تھا۔ چوہدری صاحب نے کہا۔

''اور وہ جی۔ جو استادی کی کچھ رسم ہوتی ہے۔ وہ بھی ہمیں ادا کرنی ہے آپ کا کیا نام ہے بھائی جی؟'' انہوں نے سعدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''فدوی کو سعدی کہتے ہیں۔''

''آپ کو دس ہزار روپے مہینہ نذرانہ ملے گا اور آپ کا کیا نام ہے جی؟''

''ظفری۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''دس ہزار روپیہ آپ کے اور بی بی آپ؟''

''جی' مجھے شکیلہ کہتے ہیں۔'' شکیلہ شرما کر بولی۔

''دس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ آپ کا اور میاں جی آپ؟''

اس بار مضطرب صاحب سے پوچھا گیا تھا۔

''خادم کو مضطرب کہتے ہیں۔''

''آپ کیا کرتے ہیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں؟''

''جنرل منیجر ہوں جناب۔۔۔۔''

''پانچ ہزار روپے آپ کو اور میاں تم؟'' اس بار انہوں نے مارشل ٹیٹو سے کہا۔

''میں اس ادارے کا فائٹر ہوں۔''

''انگریزی میں ہو؟''

''جی نہیں' اردو میں۔''

''اردو میں فائٹر؟ چلو ٹھیک ہے پانچ ہزار روپے مہینہ تمہارے۔''

''جی!'' ٹیٹو گرتے گرتے بچا۔

''اور آپ لوگوں کے لئے تو میں الگ سے ہی تحفے لایا ہوں۔'' بیگم مطلق صاحبہ کو سونے کا ایک انتہائی قیمتی سیٹ جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور مضطرب صاحب کے لیے

چیزوں کا ایک بڑا پیکٹ پیش کیا گیا اور اس طرح یہ رسم استادی مکمل ہوگئی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں لیکن سب سے زیادہ سحر زدہ مضطرب صاحب اور ٹیٹو تھے۔ جنہیں پانچ پانچ ہزار روپے ماہوار وظیفہ دوران تربیت ملنا تھا۔ ظاہر ہے ایسی تربیت کے لئے وہ یہی دعائیں مانگ سکتے تھے کہ زندگی بھر ختم نہ ہو۔ چوہدری صاحب اس وظیفے کی ایک ماہ کی ادائیگی فوری طور پر کر گئے۔ جس کی بناء پر یہ سب کچھ مذاق نہیں محسوس ہوا اور اس کے بعد انہوں نے رخصت کی اجازت مانگ لی۔ لیکن آج سب ہی کے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی تھی۔ بھلا اس کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر آج کیسے کھل سکتا تھا۔ مضطرب صاحب قہقہے لگانے لگے اور سعدی اور ظفری اور شکیلہ دس دس ہزار روپے کی اس آمدنی پر ششدر رہ گئے۔ جو گھر بیٹھے ہوگئی تھی اور اس کے بعد بدر جبیں صاحب بڑی قیمتی شخصیت بن گئے۔ چوہدری نور جبیں نے اور بھی بہت سے حیرتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے۔ بیگم جہاں آراء تو چلی گئیں لیکن ان لوگوں کو وہ ایک قیمتی تحفہ دے گئی تھیں جس کا نام بدر جبیں خوش خیلی تھا۔ بدر جبیں خوش خیلی صاحب کے لئے انتہائی خوبصورت کوٹھی خریدی گئی تھی جہاں انہیں دوران تربیت قیام کرنا تھا۔ کوئی درجن بھر ملازمین اس کوٹھی کے نگراں تھے۔ سعدی' ظفری' شکیلہ وغیرہ کو وہاں پورا پورا حق حاصل تھا کیونکہ استاد تھے اور باقی تمام افراد بھی بدر جبیں صاحب سے بے پناہ خوش تھے۔ بدر جبیں درحقیقت ایک معصوم سا نوجوان آدمی تھا۔ جس کے اندر کوئی ایسی گہرائی نہیں تھی جو کسی کے لئے ناقابل قبول ہوتی تمام انتظامات کر لئے گئے۔ بدر جبیں صاحب کی تربیت کے۔ ویسے بھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے پاس اس وقت کوئی خاص کیس نہیں تھا۔ چنانچہ ساری توجہ بدر جبیں صاحب پر ہی تھی۔ مضطرب صاحب دفتر میں انہیں شاعر بنانے کے چکر میں لگے رہا کرتے تھے۔ ٹیٹو انہیں مارشل آرٹس کے سارے گر بتانے پر تلا ہوا تھا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ صرف تماشہ دیکھ رہے تھے۔ فی الحال بدر جبیں صاحب ٹیٹو اور مضطرب صاحب ہی کی تحویل میں تھے اور انہیں اندرونی تربیت دی جا رہی تھی۔ خصوصاً ٹیٹو اور مضطرب صاحب کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے تھے کیونکہ پانچ ہزار روپے فی کس آمدنی معمولی

چیز نہیں ہوتی۔ سعدی نے طے کیا کہ بدر جبیں صاحب پہلے تعاقب کرنے کا طریقہ سیکھیں اور ٹیٹو کو ان کا نگراں مقرر کر دیا گیا۔ سعدی' ظفری' اور شکیلہ نے ایک چارٹ بنا کر دیا کہ اس طرح کام کا آغاز ہوگا اور اس چارٹ کے تحت کام شروع ہوگیا۔ اس سلسلے میں مارشل ٹیٹو کو ہدایات دے دی گئی تھیں۔ بدر جبیں صاحب کے پاس تو ایک خوبصورت اسپورٹس کار موجود تھی۔ ٹیٹو کو نئی موٹر سائیکل دے دی گئی اور اس کے بعد تعاقب کا آغاز ہوگیا۔ طے یہ ہوا کہ تھا کہ کسی بھی طرح ایک ایسی شخصیت کو نگاہوں میں رکھا جائے جو مشکوک محسوس ہو اور اس کے بارے میں بدر جبیں تفصیلات معلوم کر کے رپورٹ پیش کر دیں۔ ابتدائی چھ یا سات مختلف لوگوں کا تعاقب کرنے میں صرف کئے گئے۔ لیکن انتخاب ہمیشہ غلط ہو جاتا تھا۔ جس شخص کو مشکوک سمجھا جاتا وہ ایک بالکل عام آدمی نکلتا۔ بدر جبیں صاحب خود ہی انتخاب کرتے تھے۔ ٹیٹو کو اس مسئلے میں بولنے کی گنجائش نہیں ملتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ بالے میاں یعنی بدر جبیں صاحب نے بیزار لہجے میں کہا۔

"یہ الٹے سیدھے بڈھوں کا تعاقب کر کے مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے مارشل۔ میرا خیال ہے اگر تعاقب کے سلسلے میں بھی خوبصورت چہروں کا انتخاب کیا جائے تو تعاقب پر لطف ہو جاتا ہے۔"

"ہاں مگر بعض اوقات ایسے تعاقب کا نتیجہ چند جوتوں کی شکل میں نکلتا ہے۔"

"پرسنالٹی۔۔۔۔ مائی ڈیئر مارشل۔۔۔۔ پرسنالٹی۔ میرے خیال میں ہم پر کسی کو جوتے اٹھانے کی جرات نہیں ہو سکتی۔"

"کر کے دیکھ لو۔" مارشل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور اس کے بعد شکار منتخب کیا جانے لگا۔ ایک شاپنگ سینٹر سے ایک بہت ہی خوبصورت عورت باہر نکلی اور کار میں بیٹھ گئی۔ بالے میاں نے مارشل ٹیٹو کا شانہ دبایا۔

"صورت ہی سے مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ یقینی طور پر کوئی ایسی عورت جو کوئی خطرناک

قدم اٹھانے جارہی ہے۔"

"وہ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔"

"بھائی بڑی قیمتی گاڑی میں بیٹھی ہے۔سوچ لو مصیبت نہ آجائے۔"

"میری اسپورٹس سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔تم اپنی موٹر سائیکل پر جاؤ۔" بالے میاں نے کہا اور پھر ان کی اسپورٹس خوبصورت مرسیڈیز کے پیچھے لگ گئی۔بڑی احتیاط سے تعاقب کیا جاتا رہا وہ مختلف جگہوں پر گئی اور پھر شام ڈھلے ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوگئی۔کار اندر جاکر پارک کردی گئی۔بالے میاں یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ایسے موقعوں پر مارشل ٹیٹو ذرا فاصلے پر ہی رہتا تھا اور اسے اجازت نہیں تھی کہ دوران تربیت بالے میاں کے معاملے میں مداخلت کرے۔کچھ دیر سوچتے رہے اور اس کے بعد دروازے پر لگی ہوئی بیل کا بٹن بجایا۔چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ٹیٹو دور ہی سے یہ تمام کاروائی دیکھ رہا تھا۔

ویسے بالے میاں کا طریقہ کار بھی یہی رہا تھا۔بعض جگہ تو وہ انتہائی حماقت کا ثبوت دیتے تھے ایک بار ایک شخص سے پوچھ بیٹھے۔

"بھائی میاں کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جارہے ہو؟ دو گھنٹے ہوگئے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے اماں پاگل ہوگئے ہو کیا؟ کبھی ادھر کبھی ادھر۔کوئی ڈھنگ کا کام کرو دفع ہوجاؤ یہاں سے" اور دیکھنے والا انہیں کوئی دیوانہ سمجھ کر حیران رہ جاتا تھا تو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ٹیٹو کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد اس نے بالے میاں کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔درحقیقت بالے میاں نے چوکیدار سے یہی کہا تھا کہ وہ مکانات کے مکین سے ملنا چاہتا ہے اور چوکیدار نے اسے کوئی معزز شخصیت سمجھ کر اندر بھیج دیا تھا۔وہ اندر داخل ہوگیا۔ابھی اس خوبصورت عمارت کے برآمدے میں ہی قدم رکھا تھا کہ ایک کٹ کھنے قسم کا معمر آدمی بغلی گوشے سے باہر نکل آیا۔اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے اور وہ گہری نگاہوں سے بالے میاں کو

گھور رہا تھا۔

"تشریف لے آئے آپ۔۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔آپ خیریت سے ہیں۔"

"میں تو خیریت سے ہوں لیکن تمہاری خیریت آج خداوند کریم سے نیک ہی چاہتا ہوں۔ذرا ادھر جانے کے بجائے میرے ساتھ آجاؤ۔" بالے میاں اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس بغلی کمرے میں اندر داخل ہوگئے۔بڑا ساوسیع وعریض کمرہ تھا اور اس کے بعد ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔وہ شخص انہیں لئے ہوئے اس دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوگیا اور اندر پہنچنے کے بعد اس نے دروازہ بند کردیا۔بالے میاں چونک کر پلٹے اور اس دیکھتے ہوئے بولے۔

"وہ۔۔۔۔دروازہ کیوں بند کردیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس شخص نے کہا اور جیب میں رکھا ہوا پستول نکال کر بالے میاں کی جانب کردیا۔بالے میاں کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"اور اس پستول کو حاضر وناظر جان کر کہو کہ جو کچھ کہو گے سچ کہو گے۔" اس شخص نے پستول کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔۔؟"

"اور جھوٹ بولو گے تو اس میں سے نکلی ہوئی گولیاں تمہارے حلق میں پیوست ہوجائیں گی۔"

"ارے بب۔۔۔باپ رے۔۔۔مگر جناب بھائی۔۔۔۔۔بب۔۔۔۔بات کیا ہے؟"

"کب سے تعلقات ہیں اس سے تمہارے؟"

"کک۔۔۔۔کس سے؟"

"زرینہ سے۔۔۔"

"زر۔۔۔زرینہ۔۔۔۔کون زرینہ۔۔۔۔؟"

"دیکھو اگر تم دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو سب بیوقوف نہیں ہوتے۔ بہت دن سے اس کی حرکتیں دیکھ رہا ہوں اور آج میں نے طے کیا تھا کہ چھپتا چھپاتا جائزہ لوں گا۔ تو یہ رنگ رلیاں ہو رہی ہیں میرے پیچھے۔ یعنی میں کما کما کر مرا جا رہا ہوں اور وہ۔۔۔۔وہ میرے پیچھے۔۔۔میرے پیچھے۔۔۔"

"نن۔۔۔نن۔۔۔نجانے آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟"

"وہ تو میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ تمہیں بتا دوں گا کہ میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے اگر تم مجھے اپنے بارے میں بتا دو تو زیادہ بہتر ہے۔"

"نن۔۔۔نجانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اس کوٹھی میں کیسے داخل ہوئے؟"

"پپ۔۔۔پیچھا کرتا ہوا۔" بالے میاں نے جواب دیا۔

"کس کا؟"

"ایک خوبصورت خاتون کا۔"

"اور اس کے باوجود تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تت۔۔۔تعلق تو ہے۔"

"ہوں۔۔۔پکڑے گئے نا' میں پہلے ہی کہتا تھا' پہلے ہی کہتا تھا دوستوں نے بہت سمجھایا تھا مجھے مگر میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ ایک منٹ ٹھہرو' ایک منٹ ٹھہرو۔۔۔۔" اس شخص نے کہا اور دیوار میں لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا پھر باہر دستک سن کر اس نے دروازہ کھولا تھا' چار آدمی اندر آ گئے۔

"باندھ دو اسے' رسیوں سے باندھ دو۔" اس نے کہا اور بالے میاں اچھل پڑے۔

"دد۔۔۔دیکھئے جناب! میں بھی ایک معزز آدمی ہوں۔"

"آج میں تمہیں ایک ایسا معزز آدمی بنا دوں گا کہ زندگی بھر معزز ہی رہو گے سمجھے۔"

بالآخر چاروں آدمیوں نے بالے میاں کے دونوں ہاتھ پشت پر کس دیئے۔ پیروں کے بیچ میں رسی ڈال کر انہیں ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ بالے میاں کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"جج۔۔۔جناب۔۔۔آخر۔۔۔آخر۔۔۔"

"ایک منٹ' ایک منٹ۔۔۔۔ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔" چند لمحات کے بعد وہی خوبصورت عورت بدلے ہوئے لباس میں اندر داخل ہوئی تھی۔ معمر شخص نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا عورت کہنے لگی۔

"کیا بات ہے ڈیئر کیوں بلایا ہے مجھے؟"

"انہیں دیکھ کر بھی یہ سوال کر رہی ہو مجھ سے؟"

"کیا مطلب؟"

"تم بھی اسی طرح اجنبیت کا اظہار کرو گی میں کہتا ہوں تم سمجھتی کیا ہو مجھے زرینہ۔۔۔؟"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" عورت کرخت لہجے میں بولی۔

"آج رنگے ہاتھوں پکڑا ہے تم سمجھیں کہ میں بنکاک چلا گیا ہوں۔ مگر سارا کھیل رچایا تھا میں نے۔ بہت دن سے تمہارے بارے میں شک کا شکار تھا۔ آج دیکھ لیا سب کچھ اپنی آنکھوں سے اب بتاؤ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ریاض' آخر تم مجھے کیا سمجھتے ہو اور یہ کون ہے؟"

"مجھے پوچھ رہی ہو؟"

"میں کہتی ہوں دوسروں کے سامنے تم مجھ سے یہ بدتمیزی نہیں کر سکتے۔ یہ کون ہے اور تم نے اسے کیوں باندھ رکھا ہے؟"

"کھول دوں۔" معمر شخص نے سوال کیا۔

"گولی مار دو اسے۔ مجھے کیا۔"

"کس دل سے کہہ رہی ہو بیگم۔۔۔؟"

"دیکھو ریاض اگر تم کوئی تماشہ ہی بنانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ یقین کرو میں نہیں جانتی یہ کون شخص ہے۔"

"ہوں' آج میں اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا ہوں زرینہ۔ بہت دنوں سے مجھے اس قسم کے اشارے مل رہے ہیں کہ میرے ملک سے باہر جانے کے بعد تمہارے دوست اکثر یہاں آتے رہتے ہیں۔ راتوں کو یہیں وقت گزارتے ہیں اور صبح سورج کی روشنی نکلنے سے پہلے چلے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میری اور تمہاری عمر میں کافی فرق ہے لیکن میں ایک باعزت انسان ہوں اور اپنے نام کے ساتھ یہ بدنامی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں مجھے قبول کیا ہے۔ اس کے بعد میری عزت کیوں اس طرح اچھالتی پھر رہی ہو۔۔۔؟"

"ریاض۔۔۔ دل تو چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کروں جو کسی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ نہیں کیا ہوگا' لیکن۔۔۔ لیکن خود کو سنبھالو۔ ہوش میں آؤ' تمہارا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہے کیا؟ میں اس کمینے شخص کو جانتی بھی نہیں ہوں۔ میں کہتی ہوں یہ یہاں آیا کیسے؟"

"سچ جناب۔۔۔ مم۔۔۔ میری بھی سن لیں۔ آپ بڑی عنایت ہوگی۔" بالے میاں گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تمہاری میں نہیں سنوں گا ٹھیک ہے تم اسے نہیں جانتی ہو؟"

"بالکل نہیں' کون ہے یہ کمینہ؟ اور یہاں' کیا کرنے آیا تھا؟"

"پروگرام کے مطابق پہلے آپ تشریف لائیں اس کے بعد یہ اندر داخل ہوئے۔ یہ بات تو آپ کو معلوم ہی تھی کہ میں بنکاک گیا ہوا ہوں آپ مطمئن ہوں گی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں بنکاک نہیں گیا بلکہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ آج میں ساری باتیں منظر عام پر لے آنا چاہتا تھا اور

فرماتی ہیں کہ آپ اسے نہیں جانتیں۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں اس پر لاؤ پستول مجھے دو میں اس کی ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں۔"

"ارے ارے۔۔۔ بب۔۔۔ باپ کا مال سمجھا ہے کیا۔۔۔؟ مم۔۔۔ میں۔۔۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ تم دونوں کو پپ۔۔۔ پھانسی ہو جائے گی سوچ لو' اچھی طرح سوچ لو۔"

"ہاں معمولی آدمی تو آپ واقعی نہیں ہو سکتے ظاہر ہے زرینہ کے منظور نظر ہیں مگر ٹھیک ہے۔ زرینہ تم کہتی ہو کہ تم اسے نہیں جانتیں تو پھر یہ یہاں کیوں داخل ہوا؟"

"مم۔۔۔ مجھ سے پوچھئے جناب' مجھ سے پوچھئے۔"

بتائیے۔"

"پیچھا کرتا ہوا آیا ہوں یہاں۔"

"کیوں؟" معمر شخص نے پوچھا۔

"ایں۔۔۔" بالے میاں کو اس کے بعد کا جواب معلوم ہی نہیں تھا بہر طور ان سے سوال و جواب ہوتے رہے اور اس کے بعد زرینہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ معمر شخص نے علاقے کے تھانے کو ٹیلی فون کیا اور کچھ دیر کے بعد پولیس انسپکٹر چار کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر آ گیا بالے میاں کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ تھانے چل پڑے۔ مارشل ٹیٹو نے تھانے تک ان کا تعاقب کیا اور اس کے بعد ایک پبلک کال بوتھ سے سعدی اور ظفری کو ٹیلی فون کر دیا۔ سعدی اور ظفری نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اتفاق کی بات یہ کہ تھانے کا انچارج ان دونوں کا شناسا تھا۔ اسے ساری صورتحال بتائی گئی اور اس نے کچھ سوچ سمجھ کر بالے میاں کو سعدی اور ظفری کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی حالانکہ اس نے کہا تھا کہ اس شخص کو باقاعدہ ایک بڑے آدمی ریاض خاں نے اس کے حوالے کیا ہے اور اس بارے میں تفتیش کرنے کی ہدایت کی ہے۔ مسئلہ الجھ جائے گا لیکن سعدی اور

ظفری نے کہا کہ اگر مسئلہ الجھ جائے تو وہ اسے خود سلجھا لیں گے۔ بعد میں بالے میاں کو کافی دیر تک سمجھایا گیا تھا کہ کسی خوبصورت عورت کا تعاقب کرنا بری بات نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں گھس جانا ایسی مشکلات کا حامل ہو سکتا ہے جو بعد میں تکلیف دہ ثابت ہوں اور بالے میاں نے اعتراف کیا تھا کہ آئندہ وہ اس سلسلے میں احتیاط رکھیں گے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ بہت دیر تک بالے میاں کی گرفتاری اور ان کی بیان کی ہوئی تفصیلات پر ہنستے رہے تھے۔ معاملہ واضح ہو گیا تھا۔ ریاض خاں کو اپنی بیوی پر شک تھا اور اس نے اس طرح اس کو چیک کرنا چاہا تھا۔ پھنس گئے بیچارے بالے میاں۔ بہرحال بالے میاں اور اس واقعہ کا کئی دن تک اثر رہا لیکن چند ہی روز کے بعد ایک اور خوبصورت لڑکی نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ مارشل ٹیٹو کو ذرا سخت ہدایت کر دی گئی تھی کہ ایسے مواقع پر وہ بالے میاں کے معاملات میں براہ راست مداخلت کر سکتا ہے۔ یہ تو صرف اتنا ہی ہوا تھا کہ ریاض خاں نے انہیں پولیس کے حوالے کر دیا تھا کہیں کوئی گھر میں بند کر کے ہاتھ پاؤں نہ توڑ ڈالے۔

بہرحال اس نئی ہدایت کے تحت باقی چند روز تک بالے میاں نے مختلف لوگوں کا تعاقب کیا تھا اور مارشل ٹیٹو نے جو رپورٹ دی تھی' وہ یہ تھی کہ بالے میاں کو اب تعاقب کا سلیقہ آتا جا رہا ہے اور وہ جس شخص کا تعاقب کرتے ہیں اسے شبے کا موقع نہیں دیتے۔ جو نئی لڑکی بالے میاں کو پسند آئی تھی تعاقب کے لئے۔ بلاشبہ خوبصورت تھی اور اس دن ایک خوبصورت ریستوران میں بیٹھ کر بالے میاں نے اسے دیکھا تھا اور مارشل ٹیٹو کو اسی کی جانب متوجہ کیا تھا۔"

''اسے دیکھ رہے ہو؟''

''کسے؟''

''وہ جو نیلے رنگ کے سوٹ میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''لل۔۔۔لڑکی ہے۔'' مارشل ٹیٹو بولا۔

''اسی کی بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں دیکھا' کیوں؟''

''تم اس کا چہرہ دیکھو۔ بالکل کرسٹائن کلر نظر آتی ہے سمجھتے ہو نا کرسٹائن کلر؟''

''ہاں سمجھتا ہوں۔ مگر مگر۔۔۔''

''کلر کا مطلب کیا ہے' قاتل۔۔۔قاتل۔۔۔وہ یقینی طور پر قاتل ہے۔''

''آپ نے اس کا نام بھی تجویز کر دیا بالے میاں اور اسے قاتل بھی تصور کر لیا؟''

''ثابت کر کے دکھاؤں گا۔'' بالے میاں نے سینہ پھاڑ کر کہا۔

''اس کے گھر میں گھس جائیں گے۔''

''ایں۔۔۔گھر۔۔۔گھر میں تو نہیں گھسوں گا لیکن اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔''

بالے میاں کا مضبوط لہجہ دیکھ کر ٹیٹو نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اسے سعدی اور ظفری کی دی ہوئی ہدایات یاد آ گئی تھیں۔ اس نے کہا۔

''اگر وہ کسی خاص جگہ پہنچ جائے بالے میاں تو آپ رک کر میرا انتظار کیجئے گا۔ فوراً ہی اس کے گھر میں گھسنے کی کوشش نہ کریں۔''

''نہیں نہیں گھر میں نہیں گھسوں گا وعدہ ہے۔'' اور اس کے بعد اس لڑکی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کئی جگہوں پر گئی اور بالے میاں ان جگہوں کے بارے میں نوٹس لیتے رہے۔ دوسرے دن پھر ایک جگہ سے اس کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔ ایک خوبصورت سی عمارت میں وہ ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی اسی تعاقب میں گزرا۔ بالے میاں پریشان ہو گئے' کہنے لگے۔

''یار ٹیٹو یہ کوئی جرم کیوں نہیں کرتی؟''

''کیا مطلب؟'' ٹیٹو حیرت سے بولا۔

''میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن بالے میاں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کوئی مجرمہ ہی ہے۔۔۔''

"میری نگاہوں کو کیا سمجھتے ہو تم۔ محکمہ پولیس کے لئے مجھے ویسے ہی منتخب نہیں کیا گیا یوں سمجھ لو کہ اب میں اس میں خود کفیل ہو گیا ہوں۔"

"کس میں؟"

"میرا مطلب ہے شناخت کرنے میں۔ مجھے اتنا سلیقہ آ گیا ہے وہ ضرور کوئی بڑی مجرمہ ہے۔"

"پھر بھی جب تک وہ کوئی جرم نہ کرے آپ کو اس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے۔"

"اماں ایک بات سنو ٹیٹو۔"

"جی بالے میاں۔"

"تم نے کبھی محبت کی ہے کسی سے؟"

"جی نہیں!"

"بڑے فضول آدمی ہو اگر وہ مجرمہ نہ بھی نکلی تو کم از کم اس سے محبت تو کی جا سکتی ہے۔"

"اس سلسلے میں میں سعدی صاحب سے پوچھ کر جواب دوں گا۔"

"ابے دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"تو پھر۔۔۔بغیر پوچھے۔۔۔؟"

"عشق بغیر پوچھے ہی کیا جاتا ہے تم نے چونکہ کیا نہیں ہے اس لئے تمہیں تمیز نہیں ہے۔"

"مگر بالے میاں آپ تو اسے مجرمہ کہہ رہے ہیں۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیا کسی مجرم سے عشق نہیں کیا جا سکتا؟" بالے میاں بگڑ کر بولے اور مارشل ٹیٹو نے فوراً تصدیق کر دی کہ مجرموں سے عشق کیا جا سکتا ہے لیکن چوتھے دن اس ڈرامے کا بھی ڈراپ سین ہو گیا۔ جب شام کو ساڑھے پانچ بجے لڑکی اپنے فلیٹ سے باہر نکلی اس

کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور اس نے نیچے اتر کر ایک ٹیکسی روکی تھی۔ بالے میاں کی آنکھوں میں فتح مندی کی چمک نظر آنے لگی۔ مارشل ٹیٹو اس وقت ساتھ ہی تھا کہنے لگا۔

"چلو تیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے آج کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ ہو سکتا ہے اس بیگ میں کوئی چیز موجود ہو جس کی بنا پر ہم اس پر ہاتھ ڈال سکیں۔"

"مگر بالے میاں ہاتھ تو ہمیں کسی قیمت پر نہیں ڈالنا۔ جرم ہو جائے اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں وہ جرم کرنے جا رہی ہے۔" اور تعاقب شروع ہو گیا۔ لڑکی ائیرپورٹ پہنچی تھی اور پھر وہ اندر داخل ہو گئی اور بالے میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ مارشل ٹیٹو اپنی موٹر سائیکل ایک طرف پارک کر چکا تھا۔ ٹہلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔

"ٹیٹو لگتا ہے وہ کہیں جا رہی ہے؟"

"اسے خدا حافظ کہہ دیں بالے میاں۔" بالے میاں کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ مضمحل لہجے میں بولے۔

"یہ تو برا ہوا جرم کرنے سے پہلے ہی نکل گئی۔"

"اب آپ یہ نہ معلوم کریں کہ وہ کہاں گئی ہے کیونکہ آپ کے ڈیڈی آپ کو بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔" تین دن تک بالے میاں اس لڑکی کے لئے اداس رہے تھے۔ مہینہ پورا ہونے کو تھا اور مہینے کی پہلی ہی تاریخ ہوئی تھی کہ چوہدری نور جبیں صاحب بنفس نفیس تشریف لے آئے۔ اچانک ہی آمد ہوئی تھی اور ان لوگوں کو ان کے آنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ مضطرب صاحب نے محفل مشاعرہ جمائی ہوئی تھی اور سب ہی لوگ موجود تھے کہ چوہدری نور جبیں خوش خیلی کے آنے کی اطلاع ملی اور مشاعرے کی محفل درہم برہم ہو گئی۔ چوہدری صاحب کو بڑی خوشدلی سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ چالیس ہزار روپے ماہوار کی آسامی تھی۔ معمولی بات نہیں تھی۔ چوہدری صاحب مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور بالے میاں کو سینے سے لپٹا

کر خوب پیار کیا کہنے لگے۔

''صحت تو تیری اچھی ہو رہی ہے بھئی۔ بول تیرا جاسوسی کا کام کیسا چل رہا ہے؟''

''ٹھیک ہے ڈیڈی۔''

''استاد و تم بتاؤ ہمارا بیٹا کیسا جا رہا ہے تمہاری شاگردی میں؟''

''بہت شاندار چوہدری صاحب۔ انتہائی شاندار۔''

''او مجھے یقین تھا میرے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں تم دیکھ لینا ایک دن محکمہ پولیس کے سب سے بڑے عہدے پر فائز ہوگا۔''

''ہمیں یقین ہے چوہدری صاحب۔۔۔۔''

''یہ کچھ چیزیں لائے ہیں ہم بالے میاں کے لئے۔۔۔۔ ذرا تم لوگ دیکھ لو۔ ہماری سمجھ میں ایسی باتیں نہیں آتیں۔ دراصل پچھلے دنوں' ہم جرمنی گئے تھے وہاں رہتا ہے اس کا ماموں۔ بہت بڑا کاروباری ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ بالے میاں جاسوسی سیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے یہ کچھ چیزیں بالے میاں کے لئے خرید کر بھیجی ہیں ذرا ان کا جائزہ لے لو۔'' چوہدری صاحب نے اپنے ساتھ آنے والے ڈائیور کو اشارہ کیا اور ڈرائیور باہر جا کر ایک بڑا سا بریف کیس نکال لایا۔ بریف کیس سعدی' ظفری وغیرہ کے سامنے کھولا۔ اس میں عجیب و غریب قسم کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ جس میں نجانے کیا کیا کچھ موجود تھا ساتھ ہی اس کا لٹریچر بھی تھا۔ سعدی اور ظفری اسے پڑھنے لگے۔ جرمنی سے آنے والے تحائف اتنے بیش قیمت تھے کہ ان لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ننھے ننھے ٹرنسمٹر جنہیں کالر ٹرانسمیٹر کہا جا سکتا تھا ان کا ایک سیٹ موجود تھا جو بارہ ٹرانسمیٹر پر مشتمل تھا۔

لٹریچر میں انہیں ہینڈل کرنے کی ترکیب لکھی ہوئی تھی۔ یہ ٹرانسمیٹر کالر میں پن کئے جا سکتے تھے۔ اتنے طاقت ور اور وسیع حیطہ عمل کے ٹرانسمیٹر تھے کہ اس کے حجم کے ساتھ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سعدی اور ظفری لٹریچر دیکھتے رہے اور ٹرانسمیٹر دیکھتے رہے۔ درحقیقت ایسی نایاب

شے کے حصول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بڑے آدمیوں کے کھیل تھے۔ دوسرے پیکٹ میں ڈکٹوفون رکھے ہوئے تھے۔ یہ ڈکٹوفون بھی اپنی نوعیت کے انتہائی جدید ڈکٹوفون تھے اور انہیں میگنٹ سسٹم پر کسی بھی جگہ لگایا جا سکتا تھا اور ان سے دور دور تک آوازیں ریسیو کی جا سکتی تھیں۔ یہ تحفے بالے میاں کے ماموں نے بالے میاں کے لئے بھیجے تھے۔ بالے میاں تو خیر ان کی اہمیت کو کیا سمجھتے لیکن سعدی اور ظفری ششدر رہ گئے تھے۔ بہرحال انہوں نے کافی تعریفیں کیں بھلا ایسا آسامی کا ہاتھ لگ جانا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ چوہدری صاحب نے ان لوگوں کو اس کی تنخواہیں یا وظیفہ ادا کیا اور اس کے تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ بالے میاں کو آرام کرنے کیا اجازت دے دی گئی تھی چنانچہ وہ بھی چوہدری صاحب کے ساتھ اپنی کوٹھی کی جانب چل پڑے تھے۔ محفل مشاعرہ تو ختم ہو گئی لیکن تمام لوگ ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے رہے۔ سعدی نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا ظفری دولت کیسے کیسے گل کھلائے گی اور کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔ اب ذرا دیکھوان صاحب کو دیکھو دلچسپ بات ہے ویسے کیا تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو کہ بالآخر ایک نہ ایک دن اپنے بھائی بدر جبیں ملک میں ایک شاندار پولیس آفیسر کی حیثیت سے تسلیم کر لئے جائیں گے۔''

''ہاں۔۔۔۔ میں اس بات کی تصدیق کر سکتا ہوں۔'' مضطرب صاحب کہنے لگے۔

''مطلب۔۔۔۔'' شکیلہ نے سوال کیا۔

''بھئی محکمہ پولیس میں بڑے بڑے نایاب لوگ موجود ہیں اور اس کے نتائج اخبارات کی خبروں کے ذریعے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ فلاں واقعہ ہوا فلاں کیس ہوا' پولیس نے موقع واردات کا جائزہ کیا اور اس کے بعد تین چار دن تک پولیس مصروف تفتیش رہی اور بالآخر مجرم کی تلاش میں ناکام رہی۔ کیسوں کی تفصیل درج ہوتی ہے۔ واقعات اور حادثے ہوتے ہیں پولیس باقاعدگی سے تفتیش کرتی ہے۔ ڈاکو ڈاکے ڈالتے ہیں اور اس کے بعد آخری لائن جو اس خبر کی دی

جاتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ پولیس مصروف تفتیش بھی اور مجرم کو تلاش کرنے میں ابھی تک ناکام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جانتے ہو کیا ہے؟ ظاہر ہے بالے میاں جیسے لوگ باآسانی پولیس کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اس کے بعد وہاں اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن اصل معاملہ بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔''

''مجھے آپ سے اختلاف ہے مضطرب صاحب۔'' ظفری نے کہا۔

''کیا؟''

''بالے میاں جیسے لوگ وہاں نہیں پہنچتے کیونکہ اگر بالے میاں جیسے لوگ وہاں پہنچیں تو محکمہ پولیس کے اعلیٰ افسران بہت سے ایسے معصوم مجرموں کو جو حالات کی بنیاد پر مجرم بن جاتے ہیں دوسری حیثیت دے دیں انہیں مجرم بنا کر جیل میں ٹھونسنے کے بجائے ان کے وہ مصائب پورے کر دیں جن کی بنا پر انہیں جرم کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تو صورتحال ہی مختلف ہے۔ مختلف طریقوں سے لوگوں کو پھانسا جاتا ہے اور ان سے رشوتیں لی جاتی ہیں۔ بالے میاں جیسے لوگ ہی اگر محکمہ پولیس میں پہنچ جائیں تو جرم کی تفتیش تو بے شک نہ ہو سکے لیکن بے گناہوں کو مجرم بنا کر ان سے رشوتیں نہ وصول کی جا سکیں کیونکہ بالے میاں جیسے لوگ پیٹ بھرے لوگ ہوتے ہیں۔''

مضطرب صاحب پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے۔ ویسے یہ ایک بڑی سچائی تھی خصوصاً اس محکمے کے بارے میں مضطرب صاحب اور سعدی نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ بہر طور بالے میاں کی وجہ سے کم از کم ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ کم از کم جو رقم وصول کی جا رہی ہے اس کے بارے میں یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ ملتی رہے گی۔ اس وقت تک جب تک ہم بالے میاں کو اپنی تربیت میں مکمل نہ قرار دے دیں لیکن اس وقت تک ان کے لئے کچھ کیا بھی جائے اور اس سلسلے میں بہت سے کئی نئے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے۔ بدر جبیں عرف بالے میاں ویسے تو سونے کی کان تھے۔ جب جی چاہے کھودو اور سونا نکال لو۔ نور جبیں صاحب کی آنکھوں کا نور جن کے ایک اشارے پر نور جبیں اپنی دولت کا ایک ایک ذرہ لٹا دینے کو تیار۔

سینکڑوں کی آنکھوں کے تارے۔ ماموں میاں نے جرمنی سے جو قیمتی ٹرانسمیٹر سیٹ بھیجے تھے وہ شاید کسی بڑے سے بڑے سیکرٹ ایجنٹ کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ ڈکٹوفون پھر لندن میں پھوپھا میاں تھے۔ امریکہ میں خالو تھے اور نجانے کون کون کہاں کہاں تھا۔ تحائف کے انبار لگتے جا رہے تھے کوئی کچھ بھیج رہا تھا کوئی کچھ۔ ایک الگ سے کوئی محکمہ جاسوسی قائم کیا جا سکتا تھا۔ جس سے جرائم کے خلاف کام کرنے کے لئے بڑی مدد حاصل ہو سکتی تھی اور ایسے جدید ترین آلات مہیا ہو سکتے تھے جو مقامی پولیس کے پاس لٹریچر کی شکل میں بھی موجود نہ تھے۔ سعدی، ظفری، شکیلہ، مضطرب صاحب، مضطرب صاحب اور تمام افراد دولت کا یہ کھیل دیکھ دیکھ کر ششدر تھے۔ نور جبیں صاحب اگر چاہتے تو بالے میاں کو نجانے کیا سے کیا بنا سکتے تھے۔ لیکن بالے میاں اور ان کا مشترکہ خواب عملی جامہ پہنے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بالے میاں کو بننا تھا ایک اعلیٰ پولیس آفیسر جو قانون کی حفاظت کے لئے نجانے کیا سے کیا کر ڈالے اور نور جبیں صاحب انہیں مکمل تربیت دلانے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ وقت گزرتا رہا بالے میاں کو اپنے رجحانات کا آہستہ آہستہ علم ہو رہا تھا اور سب سے زیادہ بے تکلفی ان کی ٹیٹو ہی سے ہوئی تھی کیونکہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ابھی تعاقب کا کورس چل رہا تھا اور اس کی تکمیل کے بعد دوسرے معاملات کی جانب توجہ دینی تھی لیکن تعاقب کے سلسلے میں بالے میاں ہمیشہ اپنے ہی انتخاب پر تکیہ کرتے تھے اور بعد میں انہوں نے مارشل ٹیٹو سے کہا تھا۔

''اے بھائی مارشل دراصل آدمی کام بے شک کرے لیکن ایسا کرے جس میں جی لگتا ہو اب تم دیکھو پیدل تعاقب کرو تو ان کے چنک مٹک چلنے کا انداز اور۔۔۔ اور'' بالے میاں شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑے۔ ٹیٹو نے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا پھر بولا۔

''اور اگر گاڑی میں ہوں۔''

''تب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ بس ہونا حسین چہرہ اور لڑکی ہی چاہیے بھلا مردوں کا تعاقب بھی کوئی تعاقب ہوتا ہے۔''

''اور جب تم محکمہ پولیس میں آ جاؤ گے تب۔۔۔؟''

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں مردوں کی نسبت عورتیں یقینی مجرم ہوتی ہیں۔" بالے میاں نے اپنی منطق بیان کی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"خاص طور سے خوبصورت لڑکیاں۔۔۔ پیدائشی مجرم ہوتی ہیں' سمجھ گئے۔"

"وہ کیسے میرے بھائی۔" ٹیٹو نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"اور کوئی جرم وہ کریں یا نہ کریں مگر کسی کے دل کا خون ضرور کر دیتی ہیں اور خون بہر طور خون ہوتا ہے۔ وہ کچھ بھی نہ کریں بس ایک نظر دیکھ لیں وہ تمہیں یاد ہے مضطرب صاحب نے کیا سکھایا تھا۔"

"مضطرب صاحب نے؟"

"ہاں۔"

"کیا سکھایا تھا؟"

"یاد کرلوں۔ بالے میاں نے کہا اور دماغ پر زور دینے لگے پھر بولے۔

"وہ جو ہے نا کہ یارب نگاہ ناز پر لائسنس کیوں نہیں' یہ بھی تو قتل کرتی ہے شمشیر کی طرح۔۔۔ کیا سمجھے۔"

"ہوں' مسٹر سعدی اور ظفری کو بتانا پڑے گا کہ مضطرب صاحب تمہیں خراب کر رہے ہیں۔"

"ابے نہیں پیارے بھائی' یہ بات مت بتانا' مضطرب صاحب مجھے خفیہ شعر سناتے ہیں۔"

"خفیہ شعر۔"

"ہاں وہ بھی بڑے شاندار اب میں تمہیں کیا سناؤں۔"

بالے میاں نے کہا لیکن ٹیٹو بھی وفادار تھا۔ فیصلہ کرلیا کہ سعدی اور ظفری کو یہ نگاہیں ناز کے لائسنس کا شعر ضرور سنائے گا۔ بہرحال یہ ساری ذمہ داریاں ان سب کو سنبھالنی پڑ رہی تھیں۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس دوران ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اور کوئی ایسا کیس بھی نہیں ملا تھا جس پر کام شروع کیا جاتا۔ چنانچہ اسی مشغلے کو دلچسپ جانا گیا حالانکہ باقی لوگ تو صرف عام زندگی گزار رہے تھے۔ ٹیٹو تھا جو اس بالے میاں کا سب سے قریبی ساتھی تھا اور بالے میاں نے بالآخر ایک دن ایک اور لڑکی کو منتخب کرلیا۔ ٹیٹو کو خصوصی فائدہ یہ حاصل تھا کہ بالے میاں کے اخراجات پر لنچ اور ڈنر کرتا تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تفریح گاہ چلا جاتا تھا کیونکہ معاملہ تربیت کا تھا اور بالے میاں گانٹھ کے پورے۔ چنانچہ اس وقت بھی شہر کے ایک انتہائی خوبصورت ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں رات کا کھانا کھایا گیا تھا اور کھانا کھاتے کھاتے بالے میاں کی نظریں اس لڑکی پر پڑی تھیں۔ عجب سحر انگیز حسن تھا دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا۔ بالے میاں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ جبکہ ٹیٹو کھانے کے دوران ادھر ادھر دیکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے اطمینان سے کھانا ختم کیا اور پانی کا پورا گلاس حلق میں انڈیلنے کے بعد گلاس کے پیندے سے بالے میاں کی صورت دیکھی جو پتھرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔ پانی کا آخری گھونٹ حلق سے اتر چکا تھا۔ ٹیٹو نے گلاس رکھا بالے میاں کو دیکھا پھر نیچے موجود کھانے کو اور اس کے بعد اس کی نگاہوں نے بالے میاں کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ تبھی وہ اس کی نگاہوں میں آگئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لڑکی حسین تھی لیکن ٹیٹو کا تجربہ یہ کہتا تھا کہ وہ اس ملک سے تعلق نہیں رکھتی۔ رنگ مغربی نہیں تھا خدوخال میں بھی مشرقیت رچی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ مقامی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ بہرطور بالے میاں کو اس نے متوجہ کیا اور بالے میاں چونک کر ٹیٹو کو دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"لڑکی۔"

"وہ تو میں نے بھی دیکھی ہے مگر آپ کو کیا ہوا؟"

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔"

"تو پھر کھانا کھایئے۔"

"ایں ہاں' کھاتا ہوں۔ لیکن تم۔۔۔ تم ادھر نظر رکھو وہ تو انتہائی خطرناک لڑکی معلوم

ہوتی ہے اس کی نگاہیں اور اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے ہیں کہ وہ کسی ایسی سنسنی کا شکار ہے جس کو کوئی مفہوم نہیں دیا جا سکتا لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ یقیناً یا تو وہ کوئی جرم کرنا چاہتی ہے یا پھر کر چکی ہے۔"

"آپ کھانا ختم کر لیجئے بالے میاں اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"ہاں، بالکل" بالے میاں جلدی جلد کھانا معدے میں اتارنے لگے اور پھر بولے۔

"یہ اٹھے گی تو ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہے۔" ٹیٹو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

بہرطور اس عمدہ ڈنر کے بعد بالے میاں کو حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کی جو چاہیں درگت بنائیں۔ غرض یہ کہ بالے میاں اس لڑکی کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہے لیکن ٹیٹو جانتا تھا کہ بات صرف ان کی حسن پرستی کی ہے اور اس نے اپنے آپ کو بالے میاں کے ساتھ خوار کرنے کے لئے تیار کر لیا تھا تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ لڑکی ایک مشروب کی چسکیاں لیتی رہی تھی۔ پھر ایک دراز قد آدمی اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ سو فیصد مغربی ہی تھا۔ لڑکی نے اسے دیکھا کچھ گفتگو ہوئی اور اس کے بعد وہ شخص بھی سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا اور بالے میاں کا منہ بگڑ گیا۔ انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"رقیب روسیاہ پر لعنت خدا کی۔"

"مضطرب صاحب کا شعر ہے؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"نہیں، میرا ذاتی۔"

"اچھا اچھا گویا شاعری کا آغاز ہو گیا۔"

"ابے بیکار کی باتیں مت کرو۔ دیکھو نا وہ کمبخت وہاں آ کر بیٹھ گیا۔"

"تو پھر!"

"مطلب یہ کہ وہ اس کے ساتھ اچھا لگ رہا ہے۔"

"بالے میاں آپ ایک مشکوک لڑکی کو نگاہوں میں رکھے ہوئے ہیں اس کے ساتھی کو بھی نظر میں رکھیے۔"

"دو آنکھوں میں کیا کیا رکھوں، چلو ٹھیک ہے۔"

"اس کے علاوہ آپ نے شعر بھی غلط پڑھا ہے۔" ٹیٹو خود بھی کافی ذہین تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"آپ نے اسے رقیب روسیاہ کہا ہے۔"

"بالکل کہا ہے۔"

"مگر اس کا رنگ گورا ہے۔"

"رقیب ہمیشہ بدشکل اور بدنما نظر آتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ عقلمند بننے کی کوشش مت کرو۔"

"اس بات کو مان لیتا ہوں۔" ٹیٹو نے فوراً ہی کہا۔ بالے میاں کا موڈ بگڑنا اس کے لئے نقصان کا باعث بھی ہو سکتا تھا پھر لڑکی اور نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور بالے میاں نے ٹیٹو کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مارشل تم احتیاط سے میرا تعاقب کرو اور خبردار میرے کسی معاملے میں وقت سے پہلے مداخلت مت کرنا۔" بالے میاں نے آفیسرانہ شان سے کہا۔ ظاہر ہے ایک مشکوک مجرمہ کا تعاقب کرنے جا رہے تھے۔ پہلے بالے میاں باہر نکلے ان دونوں کے پیچھے، اور اس کے پیچھے مارشل ٹیٹو۔ لڑکی اور اس کا ساتھی ایک کار میں بیٹھ گئے تھے۔ یہ ایک پرائیویٹ کار تھی جو غالباً کسی ہوٹل کی ملکیت تھی۔ چھوٹا سا مونوگرام بنا ہوا تھا اس پر لیکن اتنے فاصلے سے نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے یا کون سے ہوٹل کا مونوگرام ہے۔ بالے میاں نے اپنی اسپورٹس سنبھال لی اور اس کے بعد ٹیٹو نے اپنی موٹر بائیک پھر تعاقب شروع ہو گیا۔۔۔۔ ٹیٹو جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلے گا ایک بار بالے میاں پکڑے گئے تھے ایک شریف آدمی کی بیوی کا تعاقب کرنے کے الزام میں اور اس کے گھر میں گھس جانے کے چکر میں۔ اس لئے اس دن سے محتاط تو ہو گئے تھے لیکن چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا، چنانچہ لڑکی کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے وہ شہر کے ایک فور اسٹار ہوٹل تک پہنچے تھے اور پھر لڑکی کی کار کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی کار بھی ہوٹل کی پارکنگ میں

کھڑی کر دی تھی۔ البتہ ٹیٹو کی موٹر بائیک ذرا فاصلے پر رکی تھی۔ ایسی جگہ جہاں وہ محفوظ بھی رہ سکے اور ٹیٹو ایک لمحے کے نوٹس پر اسے لے کر فرار ہو سکے۔ بالے میاں ان دونوں کو نگاہوں میں رکھے آہستہ آہستہ نیچے اترے تھے اور اس کے بعد یہ دیکھ کر ان کی باچھیں خوشی سے کھل گئی تھیں کہ لڑکی کا ساتھی اس سے معذرت کر کے واپس پلٹا تھا اور اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا تھا۔ یعنی اس کار میں جس میں وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ تقدیر بالے میاں کو چانس دے رہی تھی لڑکی واقعی بہت خوبصورت تھی۔ وہ لفٹ میں پہنچی تھی بالے میاں ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گئے۔ اب کیا کیا جائے لیکن فوراً ہی ان کے ذہن میں ترکیب آ گئی برابر کی سمت لپکے اور برق رفتاری سے سیڑھیاں عبور کرنے لگے۔ مارشل ٹیٹو ذرا پیچھے رہ گیا تھا لیکن اسے بھی سیڑھیاں ہی استعمال کرنا پڑی تھیں۔ لفٹ پہلی منزل پر نہیں رکی تو بالے میاں دوسری منزل کی طرف لپکے۔ تیسری چوتھی اور پھر پانچویں منزل پر لفٹ رکی۔ بالے میاں کا سانس بری طرح چڑھ رہا تھا لیکن آدمی تندرست و توانا تھا۔ برداشت کر گئے۔۔۔۔! البتہ پانچویں منزل پر لڑکی لفٹ سے اتر کر ایک سمت بڑھی تو ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ فوراً ہی اس کا تعاقب شروع کر دیتے۔ سانسیں بحال کرنے میں چند لمحات لگے لیکن اس سے بھی فائدہ ہی ہوا۔ کیونکہ انہوں نے لڑکی کو راہداری کے ایک کمرے کے دروازے پر رک کر دروازے کا تالا کھولتے ہوئے دیکھا تھا۔ دل ہی دل میں انہوں نے سوچا۔

"تو یہاں رہتی ہیں خاتون مگر کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے تعارف ہو سکے۔" ہوٹل کے کمرے میں قیام پذیر کسی خاتون سے اتنا خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہئے کوئی مناسب بات سمجھ میں نہیں آئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ لڑکی سے تعارف حاصل کیا جائے مشکوک تو خیر وہ کیا ہی ہو سکتی تھی البتہ خوبصورت ضرور تھی اور بالے میاں کا دل مچل اٹھا تھا کہ کم از کم اس سے تھوڑی دیر باتیں ہی کر لی جائیں لیکن کوئی خاص تدبیر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران ٹیٹو بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ پانچ منزل کی سیڑھیاں طے کرنا اسے بہت برا لگا تھا لیکن دل کو بار بار سمجھانا پڑتا تھا۔ ایسی موٹی آسامیاں کم ہاتھ آتی ہیں۔ تھوڑی سی بھاگ دوڑ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دل رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تو ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ اس وقت بھی

اصل معاملہ کچھ نہیں تھا لیکن اصل معاملہ تو شروع ہی سے کچھ نہیں تھا۔ بھلا کسی ایسے آدمی کو کیا تربیت دی جا سکتی ہے جو قدرتی طور پر احمق ہو۔ جہاں تک معاملہ اس کے محکمہ پولیس میں بھرتی ہونے کا تھا تو یہ مسئلہ مارشل ٹیٹو کا اپنا نہیں تھا۔ جو کچھ بھی ہونا ہے سعدی' ظفری جانیں یا پھر محترم نور جبیں جو اپنے اس ناکارہ بیٹے کو بہر طور محکمہ پولیس میں ایک اعلیٰ عہد دلانا چاہتے تھے۔ بالے میاں کمرے کے دروازہ پر رک گئے۔ سر کھجانے لگے نجانے کس خیال کے تحت نیچے جھکے اور کمرے کے دروازے کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ اسی وقت کمرے کے بالکل سامنے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر نکل آئے۔ یہ دروازہ بالے میاں کے بالکل عقبی کمرے کا دروازہ تھا اور ان دونوں نے با آسانی بالے میاں کو دیکھا جنہیں ان کے باہر نکلنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ غالباً اندر کا منظر کچھ ایسا ہی تھا کہ بالے میاں محو حیرت ہو گئے تھے۔ مارشل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے لیکن اس وقت اس کی آنکھیں خوف سے سکڑ گئیں جب اس نے ان دونوں کو بالے میاں کے عقب میں دیکھا اور ساتھ ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں پستول بھی دیکھے جو انہوں نے بالے میاں کی کمر سے لگا دیئے تھے۔ بالے میاں چونک کر سیدھے ہو گئے۔ یہاں کوئی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن بالے میاں کے چہرے پر پھیلی دہشت صاف دیکھی جا سکتی تھی پھر ان میں سے ایک شخص نے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اس کے بعد دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں بالے میاں سمیت غڑاپ سے اندر داخل ہو گئے۔ مارشل ٹیٹو کا دماغ چکرا گیا تھا اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقت ہو رہی تھی کہ اب کیا کرے۔ سعدی' ظفری کو بالے میاں پر پڑنے والی اس نئی افتاد کی اطلاع دے یا خود اس سلسلے میں مداخلت کرے' فیصلہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ ادھر بالے میاں کی جان معمول کے مطابق نکل گئی تھی۔ درحقیقت صورت حال کچھ ایسی ہی ہو گئی تھی کہ وہ سحر زدہ ہو گئے تھے۔ لڑکی نے اندر داخل ہونے کے بعد روشنی جلائی تھی اور عین اس وقت جب بالے میاں کی نگاہیں کی ہول سے جا لگی تھیں لڑکی لباس تبدیل کر رہی تھی کیونکہ کسی کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا اس لئے اس نے کوئی تعارف نہیں کیا تھا اور دروازہ بھی بند تھا اور بالے میاں پر اس سے زیادہ برا وقت کوئی نہیں پڑا تھا۔ جو اس وقت پڑا تھا جونہی لڑکی نے لباس کی تبدیلی مکمل کی بالے میاں کو اپنی

کمر کے پچھلے حصے میں گدگدی سی محسوس ہوئی۔ چونک کر سیدھے ہوئے تو ان دونوں کو دیکھا جوان پر پستول تانے ہوئے تھے۔ رنگ فق ہو گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں مصیبت کا احساس ہو گیا۔ منہ سے آواز نہیں نکل سکی اور پھر ان دونوں نے بالے میاں کو دیکھتے ہوئے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھل گیا دونوں نے ایک طرح سے بالے میاں کو اندر دھکا دے دیا تھا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہو گئے تھے۔ بالے میاں گرتے گرتے بچے کیونکہ دھکا کافی زور سے دیا گیا تھا۔ ادھر لڑکی جو دروازہ کھولنے آئی تھی ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک سمت ہو گئی تھی۔ ان دونوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ پستول بدستور ان کے ہاتھوں میں موجود تھے اور بالے میاں پر تھرتھری طاری ہو گئی تھی۔ دہشت سے ان کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ لڑکی حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کی ہول سے اندر جھانک رہا تھا۔"

"کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کون ہو سکتا ہے؟" لڑکی پُرخیال نگاہوں سے بالے میاں کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ خود بتائے گا۔"

"اوہ کیا ان لمحات میں ہم ایسی کوئی مصیبت مول لے سکتے ہیں؟"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"خاموشی سے گردن دبا کر ختم کر دو اور اس کی لاش یہیں چھوڑ کر نکل چلو۔"

"ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔"

"مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔"

"کیے لیتے ہیں یہاں کون پوچھنے آئے گا کہ ہم کیا کر رہے ہیں چلو آگے بڑھو۔"

دوسرے آدمی نے بالے میاں کی گردن پکڑ کر انہیں کمرے کے بیچوں بیچ لا کر کھڑا کیا۔ لڑکی گہری نگاہوں سے بالے میاں کا چہرہ دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"بب۔۔۔ بدر۔۔۔۔ بب۔۔۔۔ بدر۔۔۔۔ بدر۔۔۔ ۓ" بالے میاں کے منہ سے پورا جملہ نہیں نکل سکا۔

"کیا بک رہا ہے یہ۔۔۔۔؟"

"پتہ نہیں۔۔۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"اگر تم نے ٹھیک سے جواب نہیں دیا تو سمجھ لو کہ تمہاری موت بالکل قریب آ جائے گی۔"

"کک۔۔۔ کیا جواب دیں۔۔۔ ہم۔۔۔ ہم تو وہ۔۔۔ تو۔۔۔ وہ تمہیں جاسوسی تعاقب۔۔۔ میرا مطلب ہے حسن۔۔۔ حسن۔۔۔ میں حسن کا پجاری اور اور آگے کیا کہوں۔۔۔؟" بالے میاں کہنے لگے۔ لڑکی نے پریشان نگاہوں سے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ اور دونوں شانے ہلا دیئے پھر ان میں سے ایک بولا۔

"ہو سکتا ہے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو، معلومات تو کرنی ہی چاہئے بغیر معلومات حاصل کئے اگر ہم نے اسے قتل بھی کر دیا تو کہیں کوئی اور خطرہ پیش نہ آ جائے۔"

"مہر وا ایئر پورٹ پہنچ چکا ہے۔ ساری تیاریاں مکمل کر لے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے ہی میں کوئی خطرہ پیش آ جائے۔"

"مہر وا ایئر پورٹ پہنچ چکا ہے۔ ساری تیاریاں مکمل کر لے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے ہی میں کوئی خطرہ پیش آ جائے۔"

"امکانات ہو سکتے ہیں۔"

"سنو دوست، تم جو کوئی بھی ہو اپنی زبان کھول دو ورنہ کیا فائدہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"آپ۔۔۔ آپ یقین کریں اگر۔۔۔ اگر آپ لوگوں نے مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور میرے والد صاحب کو پتہ چل گیا تو یوں سمجھ لو کہ۔۔۔"

"بکواس مت کرو تم چہرے سے بیوقوف نظر نہیں آتے چنانچہ ہم تمہاری اس قسم کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔" بالے میاں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں۔ ہوش و حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ پستولیں دیکھ دیکھ کر چکرا رہے تھے۔ ان لوگوں نے جو گفتگو کی تھی وہ بھی بخوبی سن لی تھی اور یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ اس وقت بہت بری طرح پھنسے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی ایسی کوئی مشکل اس حد تک پیش نہیں آئی تھی اور اب' اب حواس گم ہو رہے تھے۔ بمشکل تمام بولے۔

"پپ۔۔۔ پیارے بھائی۔۔۔ وو۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں کروں گا اس بار معاف کر دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ۔"

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

"بدر۔۔۔ بدر جبیں ہوں' پیار سے بالے میاں کہا جاتا ہے مجھے۔ تربیت۔۔۔ تربیت لے رہا ہوں تعاقب کرنے کی۔ جاسوس بننے کی۔۔۔ مم۔۔۔ محکمہ پولیس۔"

"پولیس۔۔۔" وہ تینوں بیک وقت چیخ پڑے۔

"لڑکی کہنے لگی۔

"تو میرا اندازہ بالکل درست تھا۔"

"ارے نہیں توبہ توبہ' پولیس پولیس نہیں۔۔۔ بالکل پولیس نہیں۔ وہ تو بس ڈی ایس پی مم۔۔۔ میرا مطلب ہے نور جبیں۔ ارے میرے ابا۔۔۔" بالے میاں بری طرح نروس ہو گئے تھے۔ ادھر مارشل ٹیٹو بری طرح خوفزدہ تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اندر نجانے کیا ہو رہا ہو جس طرح اس نے ان دونوں آدمیوں کی جارحانہ کارروائی دیکھی تھی اس سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بالے میاں پر کچھ بڑی ہی بری بیتنے والی ہے۔ اب اگر سعدی اور ظفری کو اطلاع دینے کے لئے جاتا تو نجانے پیچھے کیا ہو جائے۔ بحالت مجبوری وہ آگے بڑھا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ذہن میں تدبیر آ گئی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر سے آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"ویٹر سر۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہ ایک میسج آیا ہے سر آپ کا۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"میسج۔۔۔"

"یس سر۔۔۔" ٹیٹو بولا۔ چند لمحات خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً صورت حال کچھ اس طرح کی ہو گئی ہو گی کہ بالے میاں بول نہ سکیں لیکن ٹیٹو تیار تھا اسے اندازہ تھا کہ دروازہ کھولنے والا کس پوزیشن میں ہو سکتا ہے اور اس پوزیشن میں اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی دروازہ تھوڑا سا کھلا ٹیٹو نے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت سے دروازے کو دھکا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ایک پاؤں اوپر اٹھ گیا۔ سامنے کھڑے ہوئے شخص کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی اور ٹیٹو کے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔ ٹیٹو نے فوراً ہی اس نے چھلانگ لگا کر چھاپ لیا اور اسے بری طرح رگیدتا ہوا دور تک لے گیا اور اس کے فوراً ہی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تاکہ آواز باہر نہ جا سکے۔ وہ ایک عمل طے کر کے اندر آیا تھا چنانچہ نیچے گرنے والے کو فوراً ہی شانوں سے اٹھا کر کھڑا کر لیا اور اسے اپنی ڈھال بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے اندر کا منظر دیکھا تھا دوسرا آدمی پستول بالے میاں کی کنپٹی پر رکھے کھڑا ہوا تھا اور لڑکی ایک سمت الگ کھڑی ہوئی تھی۔ گویا بالے میاں کو پستول کے بل پر خاموش رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی لیکن جس شخص کو ٹیٹو کے گھونسوں اور اس کی جسمانی قوت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا حلیہ بری طرح بگڑ گیا تھا کیونکہ ٹیٹو جسمانی طور پر طوفان تھا اور جب عمل کرتا تھا تو وہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ مدمقابل کے حواس گم ہو جائیں۔ ٹیٹو نے اسے عقب سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس کی کمر پر انگلی لگاتے ہوئے کہا۔

"اپنے ساتھی سے کہو پستول پھینک دے ورنہ میرے پستول کی گولی تمہارے سینے میں اتر جائے گی سمجھے۔"

"پپ۔۔۔ پستول پھینک دو" دوسرے آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"کیوں پھینک دوں، یہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے قتل کر دے لیکن اس کے بعد اس شخص کی زندگی نہیں بچا سکے گا" دوسرے آدمی نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف رخ کر کے بولا۔

"دیکھو اسے تم دیکھو"

"خبردار۔۔۔ خبردار۔۔۔" ٹیٹو نے کہا۔ پستول تو اس کے پاس تھا ہی نہیں کہ اپنی دھمکی کو عملی جامعہ پہنا سکتا لیکن یہ دونوں خاصے خطرناک نظر آ رہے تھے یعنی لڑکی اور اس کا دوسرا ساتھی جو مسلسل بالے میاں کی کنپٹی پر پستول رکھے کھڑا ہوا تھا۔ دوسرا آدمی جو دروازہ کھولنے آیا تھا غالباً اس دھوکے میں مار کھا گیا تھا کہ آنے والا ویٹر ہی ہے۔ اس وقت اچانک ٹیٹو کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے ان دونوں کو پستول لئے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ دوسرے آدمی کا پستول اس کے کوٹ کی جیب میں ہوگا۔ چنانچہ ٹیٹو نے برق رفتاری سے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لمحے میں پستول ٹیٹو کے ہاتھ میں آ گیا۔ لڑکی جو جارحانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی بالکل قریب پہنچ گئی لیکن ٹیٹو نے پھرتی سے اس کی پنڈلی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ فائر کی آواز کمرے میں گونجی اور اس آواز سے وہ شخص بھی اچھل پڑا جس نے بالے میاں کی کنپٹی پر پستول رکھا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے ٹیٹو نے اس پر بھی فائر کر دیا۔ ٹیٹو کا نشانہ تو تھا ہی کمال کا پستول کی گولی اس شخص کی کلائی پر پڑی اور اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ باہر بہت سے دروازے کھلنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور وہ دونوں زخمی ہو گئے تھے۔ تیسرا آدمی وہ تھا جسے ٹیٹو نے اب تک اپنے قابو میں کیا ہوا تھا چنانچہ پستول کا دستہ پوری قوت سے اس شخص کے سر کی پشت پر پڑا اور اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے۔ پھر وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ جس شخص کی کلائی زخمی ہوئی تھی وہ جھپٹا مار کر اپنے پستول کی جانب جھپٹا لیکن ٹیٹو نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اس کے شانوں پر جا پڑا۔ دوسرے لمحے اس شخص کا سر پوری قوت سے زمین سے ٹکرایا اور اس کی بھی دلخراش چیخ نکل گئی۔ لڑکی تو پہلے ہی ناکارہ ہو چکی تھی۔ غالباً اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ زمین پر بری طرح لوٹ رہی تھی اور کراہ رہی تھی۔ ادھر اندر ہنگامے کی آوازیں سن کر بہت سے لوگ

کمرے کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بڑی سنسنی اور دہشت پھیل گئی تھی۔ غالباً ہوٹل کے منیجر نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ بالے میاں کا تو دم ہی خشک تھا۔ اس سارے ہنگامے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ابھی تک انہوں نے اس سلسلے میں خود کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ ادھر مارشل ٹیٹو نے دوسرے آدمی کا پستول بھی اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور وحشت زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ بالے میاں کو بچانے کے لئے یہ عمل اس نے کر ڈالا تھا لیکن اس کے بعد کی کارروائیاں اسے کافی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی بڑی مصیبت سر اٹھانے والی ہے۔ سعدی اور ظفری سے امید تو تھی کہ کسی بھی مشکل سے مشکل مرحلے میں وہ اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے اور کسی نہ کسی شکل میں اسے مصیبت سے بچا لیں گے لیکن پھر بھی دو آدمی اس کے ہاتھوں میں موجود پستول سے زخمی ہوئے تھے۔ یعنی ایک لڑکی اور ایک وہ شخص اور اندازہ یہ ہوتا تھا کہ غیر ملکی ہیں۔ اس لئے ذرا سہا ہوا تھا مشکلات پیش آ سکتی تھیں پھر باہر دستک دی جانے لگی اور کسی نے چیخ کر کہا۔

"پولیس آ گئی ہے پولیس آ گئی ہے دروازہ کھولو۔ اگر دروازہ نہیں کھولا تو ہم فائرنگ شروع کر دیں گے اور اندر موجود ایک ایک شخص کو ختم کر دیا جائے گا۔ دروازہ کھولو دروازہ کھولو" مارشل ٹیٹو آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی مقامی تھانے کا انچارج پستول تانے کھڑا ہوا تھا۔ مارشل ٹیٹو کو دیکھتے ہی اس نے کڑک کر کہا۔

"خبردار۔۔۔ خبردار پستول پھینک درورنہ گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا" مارشل ٹیٹو نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ اندر تشریف لے آیئے انسپکٹر صاحب۔ یہ پستول حاضر ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا پستول بھی۔" اس نے دوسرے آدمی کا پستول بھی انسپکٹر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ انسپکٹر نے اپنے ساتھ آئے ہوئے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے مارشل ٹیٹو کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ پھر اس نے سامنے نظر دوڑائی اور ساری صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ بالے میاں تو خوف سے تھرائے ہوئے کھڑے تھے۔ لیکن انسپکٹر کی نظر زمین پر پڑی ہوئی لڑکی پر پڑی اور اس کا

منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لڑکی کو دیکھتا رہا پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"میرے خدا۔۔۔میرے خدا۔۔۔مونٹینا ڈینیام۔۔۔یہ۔۔۔یہ۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ تو بہت خطرناک عورت ہے اور تم لوگ۔۔۔۔تم لوگ۔۔۔۔اوہو یہ دونوں بھی۔۔۔اوہو۔۔۔اوہو۔" انسپکٹر شدید حیرت کے عالم میں کہہ رہا تھا اور مارشل ٹیٹو حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پولیس والوں نے باہر کے افراد کو اندر نہیں آنے دیا تھا۔ انسپکٹر نے مونٹینا کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔۔۔۔

"وہی ہے۔۔۔۔سو فیصد وہی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں انسپکٹر صاحب کہ یہ کون ہے؟" ٹیٹو نے سوال کیا۔

"مونٹینا ڈینیام منشیات کی بہت بڑی اسمگلر۔ شہر کی ساری پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں تھی اور اسی کی گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے مگر۔۔۔۔مگر تم کون ہو اور یہ کیا تم نے اسے زخمی کیا ہے۔" اب تو مارشل ٹیٹو کی جان میں جان آگئی۔ صورت حال کو فوراً ہی سمجھ لیا۔

"آپ صورت حال کو سمجھ نہیں رہے انسپکٹر صاحب۔ ان صاحب سے ملئے یہ بدر جبیں خوش خیلی ہیں۔ ان دنوں محکمہ جاسوسی کے لئے تربیت حاصل کر رہے ہیں اور مونٹینا ڈینیام جیسی خطرناک عورت کو گرفتار کرنا انہیں کا کارنامہ ہے۔"

"ان کا ایک ساتھی اور ہے وہ کہاں مل سکتا ہے؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

بالے میاں جو اس صورت حال کا بغور جائزہ لے رہے تھے ایک دم سنبھل گئے ان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اس سے اچھا موقع بھلا کہاں ہاتھ آ سکتا ہے۔ فخریہ انداز میں بولے۔

"وہ ایئر پورٹ پر موجود ہے اور وہاں ان تینوں کا انتظار کرے گا یہ تینوں ملک سے باہر نکلنے والے تھے۔"

"یقیناً ان کے پاس منشیات کا ذخیرہ بھی ہوگا۔ انہوں نے یہاں مختلف اداروں سے کافی مقدار میں ہیروئن خریدی ہے۔ چلو تلاش کرو" انسپکٹر کے حکم پر پولیس کانسٹیبل پورے کمرے

کی تلاشی لینے لگے۔ دروازہ ایک بار پھر انسپکٹر نے اندر سے بند کر دیا تھا۔ کمرے میں ایک بریف کیس سے ہیروئن کا ایک بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہوا اور بالے میاں کا سانس خوشی سے سینے میں نہ سما رہا تھا۔ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا انہوں نے۔ مارشل ٹیٹو بھی جانتا تھا کہ یہ کارنامہ اپنے نام سے منسوب کرنے کے بجائے بالے میاں کے نام سے منسوب کر دینا زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نور جبیں خوش خیلی صاحب اس کارنامے سے خوش ہو کر نجانے کس کس طرح ان لوگوں کو نوازدیں۔ انسپکٹر نے فوراً ہی انتظامات کئے اور ایک پارٹی ایئر پورٹ روانہ ہوگئی۔ تمام تفصیلات لے کر ساتھ ہی ان تینوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ بالے میاں اور مارشل ٹیٹو بھلا ساتھ کیوں نہ جاتے۔

تھانے پہنچنے کے بعد دونوں زخمیوں کو تو پولیس کی نگرانی میں ہسپتال کی طرف روانہ کر دیا گیا ادھر مارشل ٹیٹو نے فون پر سعدی اور ظفری کو مختصر الفاظ میں صورت حال سے آگاہ کیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ بالے میاں کی چال دیکھنے کے قابل تھی۔ اکڑ اکڑ کر چل رہے تھے۔ سارا خوف دور ہوگیا تھا۔ مارشل ٹیٹو بھی اس بات پر مطمئن تھا کہ معاملہ منشیات کی ایک اسمگلر کا ہے اس لئے اب اس پر کوئی بات نہیں آئے گی۔ چنانچہ اس نے بالے میاں کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کر دی تھی اور انسپکٹر بڑی عقیدت کی نگاہوں سے اس عظیم جاسوس کو دیکھ رہا تھا۔ جس نے ابھی دوران تربیت ہی اتنا شاندار کارنامہ سرانجام دے دیا تھا۔۔۔۔

کچھ دیر کے بعد سعدی اور ظفری بھی تھانے پہنچ گئے اور تمام صورت حال کو انہوں نے سنبھال لیا۔ تیسرا آدمی بھی ایئر پورٹ سے گرفتار ہو کر تھانے پہنچا دیا گیا تھا۔ اس طرح بدر جبیں خوش خیلی کا پہلا کارنامہ منظر عام پر آنے کے لئے بے چین تھا۔۔۔۔۔۔!!!!!!

☆......☆......☆

شکیلہ دوپہر کو چلی گئی تھی' مطلق صاحب نے گھر پر مشاعرے کا بندوبست کیا تھا اور شعرا کے لیے طعام کا بندوبست بھی تھا جس کی تیاریاں گھر پر ہی کرنی تھیں اس لیے شکیلہ بیگم صاحبہ کا ہاتھ بٹانے کے لیے چلی گئی تھی۔

مطلق صاحب نے ان لوگوں کو جس برے وقت میں بھرپور سہارا دیا تھا اس کی مثال ناممکن تھی اور اب یہ لوگ وہ احسان سود در سود چکا رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے مطلق صاحب کو پلکوں پر سنبھال لیا تھا اور ان کی کوئی آرزو آرزو نہیں رہی تھی۔ ان کا کلام جیسا بھی ہوتا' اخبارات ورسائل میں چھپتا۔ ایک پبلشر ان کا دیوان چھاپ رہا تھا جس کے اخراجات ان لوگوں نے برداشت کیے تھے لیکن پبلشر کو ہدایت تھی کہ وہ مطلق صاحب سے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ بلکہ انہیں معاوضہ بھی پیش کرے جسے یہ لوگ خود ادا کریں گے' پبلشر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا چنانچہ دیوان کی پبلشنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

کچھ شعراء ایک پڑوسی ملک سے آئے تھے ان کے اعزاز میں مطلق صاحب نے اپنے ہاں مشاعرہ رکھا تھا۔ مضطرب صاحب کو بھی دعوت دی تھی اور مضطرب صاحب نے آج صبح سے چھٹی لے رکھی تھی۔ ایک کمرے میں قید ہو کر وہ آج کے مشاعرے کے لیے تازہ غزل چرا رہے تھے۔ کمرہ شاید اسی لیے بند کیا گیا تھا کہ اس چوری کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔ عذر یہ تھا کہ یکسوئی کی ضرورت ہے۔

للوا نے تمام ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی لیکن آج کا دن پرسکون تھا۔ شام کو پونے پانچ جب یہ لوگ اٹھنے کی تیاریاں کر رہے تھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ ''جی فرمائیے!'' اس نے کہا۔

''دیکھیے۔ یہ۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے؟''

''جی ہاں۔''

''میں کسی ذمہ دار شخص سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''میرا نام سعدی ہے۔ اس ادارے کا ایک ذمہ دار رکن ہوں۔ فرمائیے کیا کام ہے؟''

''آپ لوگ معاوضہ لے کر پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟'' نسوانی آواز نے کہا۔

''درست اطلاع ملی ہے آپ کو لیکن معاوضے کی رقم پچیس ہزار ہوتی ہے۔''

''مجھے منظور ہے۔ آپ آج ہی مجھ سے مل سکتے ہیں۔''

''ضرور۔ کہاں؟''

''دیکھیے براہ کرم' میرے اس فون کی بات راز رکھیے گا' میں شام کو سات بجے آپ کا انتظار کروں گی۔''

''کہاں خاتون؟''

''سی گل اپارٹمنٹس۔ یہ برائٹ روڈ پر ہیں۔ آپ نمبر ففٹی ون میں ٹھیک سات بجے تشریف لے آئیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''یہ میں آپ سے ملاقات کے وقت بتاؤں گی۔''

''یہاں آپ ہی ملیں گی یا کوئی اور بھی ہوگا؟''

''صرف میں۔ لیکن خدا کے لیے آپ ضرور تشریف لے آئیں میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔''

"معاوضہ ایڈوانس ہوتا ہے خاتون؟" سعدی نے کہا۔

"میں آپ کو دگنا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں فوراً ادائیگی ہوگی' ٹھیک سات بجے۔"

"بہتر ہے۔" سعدی نے کہا۔ اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سعدی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کسی سوچ میں غرق ہو گیا تھا۔ ظفری پیپر ویٹ گھما رہا تھا۔ "کیا خیال ہے عزیزم۔ جاؤ گے؟" چند لمحات کے بعد سعدی نے کہا۔

"کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"تم اگر نہ جانا چاہو تو میں چلا جاؤں گا۔" سعدی نے کہا۔

"نہیں یہ میری ڈیوٹی ہے۔ لیکن کوئی فراڈ نہ ہو۔ میرے خیال میں فون پر ہم نے آج تک کوئی کیس نہیں لیا۔"

"کیس تو ہم نے اب بھی نہیں لیا۔ بس یہ خیال ہے کہ یہ فون مذاق نہ ہو۔"

"کاروبار میں بعض اوقات مذاق بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں ہمیں مذاق محسوس ہوتی ہیں لیکن اگر انہیں مذاق سمجھ کر ٹالتے رہے تو کاروبار ہی چوپٹ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے دیکھ لو' ممکن ہے کوئی سنجیدہ معاملہ ہی ہو۔ اور اس نے غلط نہ کہا ہو۔" سعدی بولا۔

"لیکن سات بجے کا وقت دیا ہے اس نے' یہ دو گھنٹے کہاں گزارے جائیں؟"

"گھر چلو' میرے خیال میں مطلق صاحب سے معذرت بھی کر لینا' ویسے بھی تمہیں وہاں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس سے ملاقات کے بعد جو بھی صورت حال ہو' واپس آ جانا۔ ظاہر ہے فوراً تو کام شروع نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" ظفری نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ لوگ دفتر سے باہر نکل آئے۔

مطلق صاحب کسی مرغے ہی کی طرح پھولے پھولے پھر رہے تھے۔ نئی شیروانی' علی گڑھ کٹ

پائجامے میں وہ خوب جچ رہے تھے' صحت بھی پہلے سے بہت بہتر ہو گئی تھی' شعرائے کرام میں سے چند پہلے ہی آ چکے تھے اور غزلوں اور نظموں پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا' اندر گھر سے انواع واقسام کے کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں' ظفری اور سعدی نے مسکرا کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر اپنے اپنے کمروں کی جانب چلے گئے۔

ٹھیک پونے سات بجے ظفری گھر سے نکل آیا۔ مطلق صاحب سے اس نے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ ایک انتہائی ضروری کام سے اسے کچھ دیر کے لیے جانا ہے۔ واپسی میں مشاعرے میں ضرور شریک ہوگا۔

مطلق صاحب کو اس پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے ظفری کو بخوشی جانے کی اجازت دے دی۔ اور چند ساعت کے بعد ظفری کی موٹر سائیکل برائٹ کی طرف دوڑنے لگی۔

یہ علاقہ شہر کے پرسکون علاقوں میں سے ایک تھا۔ درمیانہ درجے سے کچھ اونچے لوگوں کا علاقہ تھا اور وہاں 'سی گل اپارٹمنٹس' نامی بلڈنگ بے حد مشہور تھی۔

خوبصورت ترین اپارٹمنٹس تھے اس عمارت میں تھوڑی دیر کے بعد ظفری عمارت کے سامنے پہنچ گیا' اس نے عمارت کی بغلی سمت موٹر سائیکل کھڑی کی' حالانکہ شام کے ساتھ بجے تھے۔ لیکن بادل گھرے ہونے کی وجہ سے تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اور گھروں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔

بلڈنگ کے صدر دروازے پر ایک لمبا چوڑا پٹھان چوکیدار بیٹھا تھا' لیکن ابھی شاید اس کی ڈیوٹی شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے کسی بھی آنے جانے والوں پر اس کی توجہ نہیں تھی۔

ظفری موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر داخل ہو گیا' نیچے دیوار پر ایک چارٹ بنا ہوا تھا جس میں فلیٹوں کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ فلیٹ نمبر اکیاون تیسری منزل پر تھا۔

لفٹ موجود لیکن لفٹ مین موجود نہیں تھا۔ اس لیے وہ کام نہیں کر رہی تھی' چنانچہ ظفری زینوں کی جانب بڑھ گیا۔ پہلی منزل' پھر دوسری منزل' پھر تیسری منزل۔ تیسری منزل پر فلیٹ نمبر

اکیاون راہداری میں کافی آگے جا کر تھا۔ چوڑی راہداری میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ عورتیں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں' درمیانہ سا ماحول تھا' ظفری فلیٹ نمبر اکیاون کے سامنے پہنچ گیا' اور پھر اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تھی اور ظفری سوچ رہا تھا کہ اس درجے کے لوگ کیا کسی پرائیویٹ کام کے لیے پچیس ہزار روپے ادا کر سکتے ہیں۔ اس نے دوسری بار کال بیل پر انگلی رکھی اور گھنٹی بجنے لگی۔ لیکن اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

پھر اس کا ہاتھ بے اختیار دروازے پر جا پڑا تھا' اور دروازہ کھل گیا۔ ظفری نے متعجب ہو کر ادھر ادھر دیکھا' اور پھر دروازے پر انگلی سے دستک دی۔

نجانے کیا بات تھی' کوئی دروازے پر نہیں آیا تھا' کچھ دیر وہ سوچتا رہا' پھر اس نے دروازے میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔

''کوئی ہے۔۔۔کوئی موجود ہے۔۔۔؟'' لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

ظفری ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر سر کھجانے لگا۔ پہلے بھی یہ خیال ذہن میں تھا کہ کہیں یہ فون مذاق نہ ہو۔ اب پھر یہی خیال ذہن میں اتر آیا تھا' ظاہر ہے کسی نہ کسی کو تو اس کے لیے فلیٹ میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ کوئی اس سے ملے تو یہ سوال کیا جائے کہ یہاں سے کوئی ٹیلی فون کیا بھی گیا ہے یا نہیں۔ اس نے دو قدم اور آگے بڑھ کر پھر آواز لگائی۔

''گھر میں کوئی ہے۔۔۔۔اگر ہے تو جواب دے۔'' اور جواب میں اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کسی نے کچھ بولنے کی کوشش کی ہو۔ یہ آواز بالکل سامنے والے دروازے کے اندر سے آئی تھی۔

ظفری کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے کچھ خطرات سے جاگے اور پھر وہ ٹھٹکتے ہوئے سے انداز میں آگے بڑھا۔ اور اس نے سامنے والے کمرے کا بند دروازہ کھول لیا۔

اندر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دروازے میں کھڑے ہو کر ایک بار پھر اس نے

اپنے وہی الفاظ دہرائے۔ ''کیا کمرے میں کوئی موجود ہے؟''

''آں۔ہاں۔'' ایک کراہ سی سنائی دی اور ظفری بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے دروازے کے برابر دیوار پر ہاتھ پھیر کر سوئچ بورڈ تلاش کیا اور دوسرے لمحے کمرے میں روشنی ہو گئی۔ لیکن اس روشنی میں ظفری نے جو کچھ دیکھا اس نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

وہ ایک نوجوان لڑکی تھی' خوبصورت خدوخال کی مالک' گھٹاؤں کی مانند بکھرے ہوئے بال۔ لیکن اس کے نچلے بدن سے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ کمرے کے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور سرخ خون پیلے رنگ کے قالین پر عجیب سا منظر پیش کر رہا تھا۔

لڑکی کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کا پیٹ چاک تھا اور اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی ہوئی تھیں۔ ظفری کے حلق سے ایک آواز نکل گئی اور پھر یہ آواز ایک چیخ میں تبدیل ہو گئی' چونکہ دوسرے لمحے اس نے باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

ذہین نوجوان تھا۔ صورت حال ایک لمحے میں اس کی سمجھ میں آ گئی اور دوسرے لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

یقیناً کوئی قرب و جوار میں موجود تھا اور دروازہ اس نے باہر سے بند کیا ہو گا۔ کیونکہ راہداری میں تو کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ ظفری نے دروازہ زور سے اندر کی طرف کھینچا لیکن اسے باہر سے لاک کر دیا گیا تھا اس نے بدحواسوں کی طرح دروازہ پیٹنے کی کوشش نہیں کی تھی اس طرح قرب وجوار کے لوگ دروازے کے گرد جمع ہو جاتے اور پھر اندر کے ماحول کو دیکھ کر ان میں سے کوئی کچھ نہ سوچتا اور ظفری کی خاطر تواضع شروع ہو جاتی' چنانچہ وہ ایک لمحے دروازے کے قریب کھڑا بدن میں ہونے والی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے جلدی سے دروازہ اندر سے بھی بند کر دیا' کیونکہ اگر باہر کوئی تھا اور اس نے ظفری کے خلاف یہ سازش کی تھی' تو چند ہی لمحات میں یہاں مجمع جمع ہو جانا چاہیے تھا اور پھر اس نے مجمع کو اندر آنے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔

ظفری فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کرنا چاہیے وہ ایک بار پھر دروازے

کے پاس سے پلٹ کر اندر آیا۔ جہاں لڑکی موجود تھی، لیکن لڑکی دم توڑ چکی تھی۔ اس کا داہنا گال قالین سے لگا ہوا تھا اور وہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ ظفری نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ لیکن لڑکی میں اب زندگی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور پھر یہ وقت تجسس کے لیے غیر مناسب سمجھ کر پھر باہر نکل آیا۔ دوسرے لمحے اس نے اس اپارٹمنٹ کے دوسرے حصوں کی تلاشی لے ڈالی۔ اور پھر ایک ہی جگہ اسے نظر آئی۔

باورچی خانے کا عقبی حصہ تھا، جہاں شاید ایگزاسٹ فین لگانے کے لیے ایک گول سا سوراخ بنایا گیا تھا، کیونکہ ابھی اس سوراخ میں ایگزاسٹ فین نہیں لگایا گیا تھا اس کے نشانات بھی نہیں تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ مرمت کے لیے گیا ہوا ہے، ممکن ہے اپارٹمنٹس میں رہنے والوں کا ارادہ ہو یہ فین لگنے کا۔ اور انہوں نے اس کے لیے جگہ بنوا دی ہو۔ لیکن اس گول سوراخ کے پاس ہی سینٹری پائپ بھی نظر آ رہے تھے۔ ہر چند کہ تیسری منزل تھی، لیکن ان سینٹری پائپ کے ذریعے ظفری جیسا پھرتیلا شخص نیچے اتر سکتا تھا اور پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس طرف بالکل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ظفری نے اس سلسلے میں سوچ بچار مناسب نہیں سمجھی اور جوتے اتارنے لگا۔

اس وقت اسے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ بیرونی دروازہ زور سے بجایا جا رہا تھا۔ ظفری نے اپنے حواس قائم رکھے، ورنہ تیسری منزل سے اگر پائپ ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر ٹانگوں کی سلامتی مشکل تھی۔ اس نے پھرتی سے اپنے آدھے بدن کو باہر نکالا اور ہاتھ بڑھا پائپ پکڑ لیا۔ ہر چند کہ پائپ سیمنٹ کے بنے ہوئے تھے، لیکن بہر طور ظفری اگر تھوڑی سی ہمت سے کام لیتا تو یہ پائپ نیچے تک پہنچانے میں اس کی مدد کر سکتے تھے۔ اس نے اس کڑے میں ہاتھ پھنسا دیا جو دیوار میں پیوست تھا اور پائپ کو دیوار کے ساتھ چپکانے میں معاون تھا۔ کڑے میں ہاتھ پھنسا کر اس نے اپنا بدن باہر نکالا اور پاؤں بھی باہر نکال دیے اس کے بعد اس نے پائپ کو پکڑا اور نیچے جانے لگا۔

بس تقدیر ہی کا سہارا تھا، اگر اسے اس طرح اترتے ہوئے دیکھ لیا جاتا تو یقینی طور پر وہ سو فیصدی مجرم قرار پا جاتا، لیکن یہاں تقدیر نے اس کا ساتھ دیا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے پہنچ گیا۔ زمین پر قدم ٹکا کر اس نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ یہاں تو رک کر سانس لینا بھی خطرناک تھا، اس نے برق رفتاری سے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور اس جگہ سے کافی دور نکل گیا۔

سانس تھا کہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ تقدیر نے اس بار ایک بہت بڑے جال میں پھنسا دیا تھا، لیکن خوش بختی تھی کہ فوری طور پر کوئی مشکل پیش نہ آئی، وہ وہاں سے آہستہ آہستہ سامنے کے رخ کی جانب آنے لگا اور پھر اس سمت پہنچ گیا جہاں اس کی موٹر سائیکل کھڑی ہوئی تھی، لیکن اس نے پولیس والوں کو دیکھ لیا تھا۔

دو پولیس والے موٹر سائیکل پر تعینات تھے اور ان کے نزدیک ہی پولیس کی ایک جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ ظفری سر کھجانے لگا۔

یہ تو کوئی باقاعدہ سازش معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کیا چند ہی لمحات میں پولیس بھی پہنچ جاتی، یقیناً پولیس کو پہلے سے اطلاع دی گئی ہوگی۔

تعجب کی بات ہے، ان کا کون سا دشمن ایسا پیدا ہو گیا تھا جو ان کے لیے یہ مصیبت کھڑی کر دے۔ موٹر سائیکل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام ہی سے تھی اور یقینی طور پر اس کے ذریعے ظفری کا پتا بآسانی چلایا جا سکتا تھا۔ اس وقت تو ان لوگوں کے نزدیک پہنچنا بھی خطرناک تھا۔ کیونکہ راہداری میں موجود عورتوں نے اسے دیکھا تھا۔ یقینی طور پر اس کا حلیہ پولیس والوں کو بتا دیا گیا ہوگا۔ چنانچہ ظفری نے موٹر سائیکل کے نزدیک جانا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے ایک سمت چل پڑا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ فوری طور پر مطلق صاحب کے گھر جائے اور شکیلہ اور ظفری کو اطلاع دے۔ صورت حال بڑی عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ کافی دور نکلنے کے بعد اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھا گھر جا رہا تھا، لیکن یہ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ اتنا بدحواس ہو گیا تھا، قتل کی سو فیصدی ذمہ داری اس پر ہی عائد ہو سکتی تھی۔

ظفری سیدھا گھر پہنچا تھا۔ یہاں کی رونق شباب پر تھی۔ شعرائے کرام آچکے تھے' ابھی مشاعرے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ لیکن بھلا انہیں کہاں تاب تھی۔ کوئی نہ کوئی' کہیں نہ کہیں سے ایک آدھ شعر دھکیل دیتا' گرہ لگتی اس پر اور پھر داد کے ڈونگرے برسنے شروع ہو جاتے۔

سعدی اور شکیلہ وغیرہ بھی وہیں تھے' مضطرب صاحب کی پھبن قابل دید تھی' اچھی خاصی کمائی کر چکے تھے وہ' چنانچہ مشاعرے وغیرہ کے لیے عمدہ قسم کے لباس بھی سلوا لیے گئے تھے۔ اس وقت ایک خوبصورت کپڑے کی شیروانی پہنے ہوئے گویا دولہا بنے بیٹھے تھے۔

سعدی نے دور ہی سے ظفری کو دیکھ لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

'' کہو کیا رہا؟'' اس نے سوال کیا۔

'' ادھر آؤ' کمرے میں آجاؤ۔'' ظفری نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور سعدی اسے بغور دیکھتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا۔

صورت حال بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ سعدی' میرے خیال میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی تاریخ میں پہلی بار ہم کسی الجھن میں گرفتار ہوئے ہیں۔

'' ہوا کیا؟'' سعدی نے تعجبانہ انداز میں پوچھا اور ظفری اسے تفصیل بتانے لگا۔ پوری کہانی سنانے کے بعد اس نے گہری سانس لے کر سعدی کی طرف دیکھا۔ سعدی کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔

'' واقعی یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ خاص طور سے اس لیے کہ تمہاری موٹر سائیکل بھی وہیں پھنس گئی۔ اگر موٹر سائیکل کسی طرح تمہارے ہاتھ لگ سکتی تو ہم اپنے بچاؤ کا بہترین انتظام کر سکتے تھے۔ اس کے بعد پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔ لیکن موٹر سائیکل کے نمبر سے سارے کام کر لیے جائیں گے اور پولیس بآسانی ہمارے پاس پہنچ جائے گی۔''

'' ہاں یقیناً اب کیا کیا جائے' یہ بتاؤ؟'' ظفری نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

'' کوئی خاص بات نہیں ہے ظفری' تم یوں کرو کہ یہاں نہ رکو' بلکہ اس مکان میں چلے

جاؤ جو ہماری پرائیویٹ رہائشگاہ ہے وہیں آرام کرو میں تم سے فون پر رابطہ قائم رکھوں گا۔ تم بھی مجھے دفتر فون مت کرنا' میں خود ہی تمہیں کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے صورت حال سے آگاہ کروں گا' مطلق صاحب سے ان معاملات کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' تم بس ان سے معذرت کرو اور کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے چلے جاؤ۔ سعدی نے پرخیال لہجے میں کہا۔

'' میرے خیال میں سعدی اس تکلف میں نہ پھنسو۔ مطلق صاحب سے معذرت کرنا بے کار ہے۔ ضدی قسم کے آدمی ہیں اگر پیچھے پڑ گئے تو الجھنیں خاصی بڑھ جائیں گی۔''

'' اچھا اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔ حالانکہ اب تو یہ ساری چیزیں حماقت معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن بہرطور ان سے بھی نمٹنا ہے۔'' سعدی نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی۔

پھر پلٹتا ہوا بولا۔ '' لیکن اب کرو گے کیا سعدی؟''

'' بالکل بے فکر ہو جاؤ ظفری۔ ظاہر ہے ہم لوگ اتنے بودم بھی نہیں ہیں کہ کسی ایسی مشکل سے نمٹ نہ سکیں۔ قتل تم نے تو نہیں کیا۔ میں صورت حال کا جائزہ لیتا ہوں اور اس کے بعد کوئی نہ کوئی عمل کریں گے۔''

'' میرے خیال میں اس سلسلے میں آفتاب احمد سے رابطہ قائم کرو۔ بیگم ہدایت پور کے حوالے سے۔''

'' یقیناً یقیناً کچھ نہ کچھ تو کروں گا' تم بالکل بے فکر رہو۔ ہوشیاری سے چلے جاؤ اور میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہیں رنگ کروں گا تاکہ مجھے پتا چل جائے کہ تم خیریت سے وہاں پہنچ چکے ہو۔''

'' او کے۔'' ظفری نے جواب دیا اور تیزی سے واپس چل پڑا۔

سعدی کی آنکھوں میں اس وقت سخت پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد شکیلہ بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے متعجب نگاہوں سے ظفری کو دیکھا' جو بیرونی دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ پھر اس نے سعدی سے پوچھا۔

'' ارے یہ ظفری کہاں گیا؟''

"ایک مشکل پیش آ گئی ہے شکیلہ۔ ظفری بے چارہ ایک چکر میں پھنس گیا ہے۔ ظفری کیا بلکہ ہم تینوں ہی اس چکر سے نمٹنے کے لیے ہمیں ذرا تگ ودو کرنی پڑے گی۔"

"ہوا کیا؟" شکیلہ نے پوچھا۔ اور سعدی نے وہی کہانی شکیلہ کو بھی سنا دی۔ شکیلہ خود بھی پریشانی سے گردن ہلانے لگی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"اب کیا پروگرام ہے سعدی؟" اس کا مقصد ہے کہ ہم اب ان تمام تفریحات میں حصہ بھی نہ لے سکیں گے، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں پولیس اس کی تلاش میں یہاں تک نہ پہنچ جائے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں یہ ممکن ہے شکیلہ۔"

"لیکن سعدی کیا پولیس اتنی پھرتی سے یہاں تک پہنچ سکتی ہے؟"

"ہاں شکیلہ اور اس کے امکانات بھی ہیں۔"

"اوہ بڑی ہتک ہو گی سعدی اگر پولیس یہاں تک پہنچ گئی تو اور خاص طور سے اس لیے بھی کہ یہاں مشاعرے کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں پولیس کو اندر نہیں آنے دوں گا' لیکن تم بھی اپنی کسی کیفیت سے پریشانی کا اظہار نہیں ہونے دینا۔" سعدی نے کہا۔

مشاعرہ جاری رہا۔ لیکن پولیس یہاں نہ آئی اور تھوڑی دیر کے بعد سعدی نے گھر سے نکل کر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک پبلک کال بوتھ سے ظفری کو فون کیا' ظفری پہنچ چکا تھا سعدی مطمئن ہو کر باہر نکل آیا۔

شکیلہ اس دوران گھر کی نگرانی کرتی رہی تھی تاکہ اگر پولیس یہاں تک پہنچ جائے تو صورت حال کو وہیں کے وہیں روک دے لیکن ایسا نہ ہوا' مشاعرہ تو ساری رات جاری رہنے کے لیے تھا۔ یہ دونوں اٹھ کر چلے آئے اور تقریباً ساری رات ہی یہ اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے' صبح کے وقت سعدی آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

حسب معمول گیارہ بجے وہ لوگ دفتر پہنچے تو ایک پولیس انسپکٹر مع دو کانسٹیبلوں کے باہر

انتظار کے کمرے میں ان کے منتظر تھے۔ بڑی بڑی مونچھوں والے پولیس انسپکٹر کے چہرے ہی سے خشونت کا اظہار ہوتا تھا۔ سعدی اور شکیلہ اندر داخل ہوئے تو پولیس انسپکٹر نے اپنی خشمناک نگاہوں سے انہیں گھورا۔

سعدی نے ایک لمحے میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ چہرے پر پر رعب آثار پیدا کر کے پولیس انسپکٹر کو لفٹ دیے بغیر اندر داخل ہو گیا۔

مضطرب صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ لیکن سعدی کے پہنچنے کے فوراً بعد ہی وہ بھی پہنچ گئے۔ پولیس انسپکٹر کی اور ان کی گفتگو کرنے کی آوازیں سعدی کو سنائی دے رہی تھیں۔ پھر مضطرب صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"یہ پولیس افسر کسی قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں آیا ہے۔"

"بھیج دیں۔" سعدی نے پر رعب لہجے میں کہا اور پولیس آفیسر اندر داخل ہو گیا۔

"یعنی۔ یعنی۔ محکمۂ پولیس کے وقت کا احساس ہے آپ کو؟" اس نے غصیلے انداز میں کہا اور سعدی نے سامنے رکھا ہوا فائل اٹھایا۔ اس کے بند کھولے اور اسے سامنے رکھ لیا۔

"میں آپ سے کچھ عرض کر رہا ہوں مسٹر۔" پولیس آفیسر نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔

"تشریف رکھیے جناب۔" سعدی نے نرم لہجے میں سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پولیس آفیسر زور سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔" اس نے ایک کارڈ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دیا۔

"جی۔" سعدی نے فائل پر سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ اس نے قلم اٹھا کر سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر کچھ نشانات لگائے اور پھر مضطرب صاحب کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔

مضطرب صاحب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ پولیس انسپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' سعدی نے وہ فائل مضطرب صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مصروفیت کے اوقات میں اس وقت تک کسی کو اندر نہ بھیجا کریں جب تک میں اس کی ہدایت آپ کو نہ کروں۔"

"جی جی وہ۔۔۔وہ۔۔۔" مضطرب نے بوکھلا کر پولیس آفیسر کی طرف دیکھا۔ جس کا غصہ اب انتہائی حدود تک پہنچ گیا تھا۔

"یہ فائل لے جائیے اور آئندہ میری بات پر عمل کیجئے۔" سعدی نے کہا۔

"جی بہتر۔" مضطرب صاحب صورت حال کی نزاکت کو سمجھ گئے تھے۔

تب سعدی نے سرد نگاہوں سے پولیس انسپکٹر کو دیکھا اور بولا۔ "جی فرمائیے کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

"میں۔۔۔میں یہاں تم لوگوں کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔"

"ہوں۔ وارنٹ۔" سعدی مختصراً بولا۔ شکیلہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

"میں خود وارنٹ ہوں۔ سمجھے آپ؟" پولیس انسپکٹر دھاڑا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر وارنٹ۔ براہ کرم اس پیڈ پر لکھ دیجئے کہ آپ ہم لوگوں کو بغیر کسی وارنٹ کے گرفتار کرنے آئے ہیں۔" سعدی نے ایک پیڈ آگے بڑھایا۔

"میں۔۔۔میں کہتا ہوں یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے نا؟" انسپکٹر نے کہا۔

"کمال کی بات ہے صاحب' آپ اندر بھی تشریف لے آئے ہیں اور آپ کو اس بات کا یقین بھی نہیں ہے کہ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے۔"

"یہاں کتنے افراد کام کرتے ہیں؟" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"اس وقت تو کل پانچ افراد ہیں' لیکن ہمارا اسٹاف بڑھنے والا ہے۔ میں۔۔۔میں آپ کی آمد کی وجہ جاننا چاہتا ہوں' آپ جو یہ آتش فشاں ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے میری آپ سے گزارش ہے کہ خود کو ٹھنڈا کریں اور اگر اس وقت آپ خود کو ٹھنڈا نہ کر سکیں تو پھر کسی وقت تشریف لائیں۔ یہ پرچون کی دکان نہیں ہے کہ آپ دکاندار کو آکر دھمکیاں دینے لگے۔ آپ بغیر وارنٹ کے یہاں سے ایک پیپر ویٹ تک اٹھا کر نہیں لے جاسکتے' سمجھے آپ' نام کیا ہے آپ کا؟" سعدی نے غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اور انسپکٹر ایک لمحے کے لیے جز بز سا ہو گیا۔

"واہ صاحب یہ خوب رہی' یعنی' یعنی وہ پانچوں آدمی' میرا مطلب ہے وہ پانچوں افراد

یہاں موجود ہیں؟"

"جی نہیں۔ ان میں سے چار افراد یہاں موجود ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"پانچواں کہاں ہے؟"

"اس سلسلے میں آپ کو نہیں بتایا جاسکتا۔" سعدی بولا۔

"میں جناب عالی۔ میں ایک قتل کے سلسلے میں تحقیقات کرنے کے لیے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ سمجھے آپ؟"

"جی تو تحقیقات کیجئے آپ' منع کس نے کیا ہے آپ کو' آپ تو یہاں آتے ہی اس انداز میں شور مچانے لگے' جیسے ہم نے قتل عام برپا کیا ہو' کس بنیاد پر آپ ہمیں گرفتار کرنے آئے ہیں اور کس سلسلے میں گرفتار کرنے آئے ہیں کیا اس قتل کے الزام میں جس کی آپ تحقیقات کرنے یہاں آئے ہیں؟" سعدی نے سوال کیا۔

"میں آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔ مسٹر۔ پولیس آفیسر کو شاید اپنی تندی کا احساس ہو گیا تھا۔

"خوب' ویری گڈ مس شکیلہ دیکھا آپ نے' یہ حضرت ہم سے تعاون چاہتے ہیں۔ اب تک یہ کتنے مؤدب انداز میں ہم سے تعاون کی درخواست کر رہے تھے' آپ نے اپنا نام نہیں بتایا آفیسر۔ اوہ سوری۔ میں آپ کا کارڈ تو دیکھنا بھول ہی گیا۔ انسپکٹر ریاض۔ بہت خوب ہاں تو ریاض صاحب آپ اس خوف ناک انداز میں ہم سے کیا تعاون چاہتے ہیں؟" سعدی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"آپ کا پانچواں ساتھی کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"وہ کسی کیس کے سلسلے مین رات سے گیا ہوا ہے۔"

"رات سے؟" انسپکٹر چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔ اکثر ہوتا ہے کہ ہم لوگ مسلسل آؤٹ ڈور رہتے ہیں۔ مصروفیت جو ٹھیری۔"

"سلسلہ کیا تھا؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"میں نے عرض کیا نا' ہمارا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ اپنے معاملات کسی باہر کے آدمی کو نہیں بتاتا۔ آپ کو کیا تکلیف ہے اس سلسلے میں فرمایئے؟"

"یہ موٹر سائیکل کا نمبر۔ آپ ہی کا ہے؟" پولیس افسر نے جیب سے ایک سلپ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دی۔

"جی ہاں ہمارا ہی ہے۔"

"رات کو یہ موٹر سائیکل آپ کے نمائندے کے پاس تھی؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی۔" سعدی نے جواب دیا۔

"یہ موٹر سائیکل' سی گل' اپارٹمنٹس کے گیٹ پر پائی گئی ہے۔ اور اس پر جو صاحب تھے وہ اس سے اتر کر سی گل اپارٹمنٹس کے اپارٹمنٹ نمبر ا کیاون میں داخل ہوئے اور وہاں انہوں نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا' پھر جب باہر لوگوں کو علم ہو گیا اور انہوں نے انہیں وہاں قید کر دیا تو وہ وہاں سے عقبی پائپ کے ذریعے اتر کر فرار ہو گئے اور موٹر سائیکل وہیں چھوڑ گئے۔"

"خوب۔ یہ رات کی بات ہے؟"

"جی۔" انسپکٹر ریاض نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "اب تو میں یہ حق رکھتا ہوں کہ آپ سے آپ کے نمائندے کے بارے میں پوچھوں۔ اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کروں یا اب بھی آپ مجھ سے تعاون نہیں کریں گے؟"

"ضرور ضرور' آپ سے تعاون کیا جائے گا۔ فرمایئے کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"اس شخص کا نام کیا ہے جو اس وقت اس موٹر سائیکل پر تھا؟"

"ظفری۔ ادارے کے ڈائریکٹرز میں سے ہے!"

"خوب' اس ادارے کی کیا نوعیت ہے؟ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا چیز ہے؟" انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ ڈی ڈی اور ٹی جو ہے نا' آپ اس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پائیں گے انسپکٹر

صاحب۔ یہ ذرا آپ سے اونچی چیز ہے۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کیس کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں۔"

"ہوں' اس ادارے کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کرنا پڑے گا۔ پہلی بار یہ میری نگاہ میں آیا ہے۔ اور مجھے ریاض کہتے ہیں۔ سمجھے آپ؟"

"جی جی' آپ کو ریاض کہتے ہیں' سنا بھئی شکیلہ ان صاحب کو ریاض کہتے ہیں۔"

"اوہ کیا واقعی انہیں ریاض کہتے ہیں۔" شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

انسپکٹر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا' لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا' اندازہ ہو چکا تھا اسے بھی کہ غلط لوگوں کے سامنے ہے۔

"تو اس وقت یہ ظفری کہاں ملے گا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"بازار میں مل جائے گا' تلاش کر لیں' موٹر سائیکل تو آپ کے پاس ہے۔ ویسے یہاں آیا تو آپ کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے گی' فون نمبر دے دیجئے براہ کرم۔" سعدی نے کہا اور فائل پھر اپنے آگے سرکا لیا۔

"میں اس کی رہائش گاہ کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"کسی ہوٹل میں رہتا ہے' ہم نے اس بارے میں معلومات نہیں حاصل کیں۔ ہمیں صرف اپنے کام سے غرض ہے۔" سعدی نے جواب دیا۔

"تو آپ لوگ مجھ سے تعاون نہیں کریں گے؟"

"اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے مسٹر۔ براہ کرم ہم مصروف ہیں۔"

"بہتر ہے' تو پھر آپ کی زبان تھانے میں ہی کھلوانی پڑے گی' میں آپ کی شاطرانہ باتوں کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"پلیز۔" سعدی نے گھنٹی بجائی اور ٹیٹو اندر داخل ہو گیا۔

"ان حضرات کو باعزت طریقے سے باہر پہنچا دو۔" سعدی نے کہا اور انسپکٹر غراتے

ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"میں ۔۔۔ میں تم لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ سمجھے۔ بہت اچھی طرح دیکھ لوں گا۔۔۔ تم مجھے ۔۔۔ تم مجھے نہیں جانتے۔"

"آپ کا نام انسپکٹر ریاض ہے۔" سعدی نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔ اور انسپکٹر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر انہیں اسی وقت گرفتار بھی کر سکتا تھا لیکن تجربے کار آدمی تھا جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ اپنی پشت بھی رکھتے ہیں' اس کے بغیر کسی کا ایک پولیس آفیسر سے اس قسم کی گفتگو کرنا ممکن نہیں ہوتا چنانچہ اس نے خود کو قابو ہی میں رکھا تھا' چند لمحات کے بعد وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے خلاف نفرت کا طوفان تھا۔

انسپکٹر کے جانے کے بعد سعدی گردن کھجانے لگا۔ شکیلہ سعدی کی پریشانی رات سے ہی محسوس کر رہی تھی۔ اسے خود بھی تو احساس تھا کہ اس بار صورت حال کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سعدی اٹھ گیا۔ "او کے شکیلہ' دفتری معاملات تمہیں سنبھالنے ہیں' میں چلتا ہوں۔"

"پروگرام کیا ہے سعدی؟"

"کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا ہے۔ بہر حال یہ ہمارے لیے تجربہ ہے مستقبل میں ہمیں بہت سے خطرناک حالات سے واسطہ پڑے گا' ہمیں ان سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہو گی۔"

"پھر بھی سعدی کچھ نہ کچھ تو پروگرام بنانا پڑے گا۔ ظفری بیچارہ خاصی الجھن میں پھنس گیا ہے۔"

"تمہارا کیا مشورہ ہے اس سلسلے میں؟"

"میری تو یہ رائے ہے کہ سیدھے سیدھے آفتاب احمد صاحب سے ملاقات کر لو۔ یہ لوگ ہماری پشت پناہی کے لیے بہت سی باتیں کر چکے ہیں۔ اس وقت ان سے فائدہ اٹھاؤ۔"

سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی۔

"ہاں اچھا مشورہ ہے' ٹھیک ہے میں پھر ایسا ہی کرتا ہوں۔" اور وہ دفتر سے باہر نکل آیا۔ مضطرب صاحب منیجر کے کمرے میں بیٹھتے ہوئے دفتری کاموں میں مصروف تھے۔

سعدی نیچے اترا۔ اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ تھوڑے فاصلے پر اس نے ٹیٹو کو دیکھا جو دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ سعدی رک گیا۔ ٹیٹو اس کے قریب پہنچ گیا۔

"نارتھ وے' پولیس اسٹیشن۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ حضرات نارتھ وے پولیس اسٹیشن گئے تھے۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔ اور سعدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہ تو تم ان کے تعاقب میں بھی دوڑ گئے؟"

"جج۔ جی جناب والا۔ یہ میری ڈیوٹی ہے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔" سعدی نے کہا۔ اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس ہیڈ آفس کے کمپاؤنڈ میں اتر گیا' خوش قسمتی تھی کہ ڈی آئی جی صاحب موجود تھے۔ سعدی نے بیگم ہدایت پور کے حوالے سے اپنا کارڈ اندر بھجوایا تو آفتاب احمد صاحب نے اسے فوراً طلب کر لیا۔

دو افراد ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آفتاب احمد صاحب نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا اور پھر سامنے پڑی ہوئی کرسی کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں افراد سے اپنی گفتگو ختم کی۔ ان سے اجازت چاہی اور کہا کہ وہ فی الوقت کچھ مصروف ہیں اور معذرت چاہتے ہیں۔ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ڈی آئی جی صاحب مسکراتے ہوئے سعدی سے بولے۔

"بھئی بیگم ہدایت پور کے حوالے کی کیا ضرورت تھی ہماری تحقیقات سے تمہارے سلسلے

میں جو رپورٹ موصول ہوئی اس نے تمہاری ایک الگ شخصیت بنا دی ہے۔ مجھ تک پہنچنے کے لیے اب تمہیں کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں۔"

"شکریہ جناب' ہم ایک الجھن میں پھنس گئے ہیں۔"

"ہاں ہاں' بتاؤ کیا بات ہے؟ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

اس کے بعد سعدی نے انہیں گزشتہ رات سے لے کر انسپکٹر ریاض تک کے واقعات سنا دیے۔

"بھئی تمہیں تو اس قسم کے واقعات سے دن رات نمٹنا ہوگا۔ اس لیے تمہیں پامردی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ویسے مجھ سے بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ اور ہاں ظفری کہاں ہے؟"

"وہ موجود ہے جناب' میں نے اسے ابھی پولیس کی نگاہوں سے دور رہنے کی ہدایت کر دی ہے اس وقت تک جب تک کہ میں اس سلسلے میں کوئی مثبت قدم نہ اٹھا لوں۔"

ہوں' کوئی حرج نہیں ہے۔ تم چاہو تو اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے حالات سمجھا دوں گا۔ ویسے سی گل اپارٹمنٹس کا علاقہ نارتھ وے پولیس اسٹیشن کی حدود میں آتا ہے۔ ٹھیرو میں انسپکٹر ریاض سے رابطہ قائم کر کے اس کیس کی تفصیلات طلب کیے لیتا ہوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔ اور سعدی ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

ڈی جی آئی صاحب نے اپنے پی اے کو بلا کر اس سلسلے میں ہدایات کر دی تھیں۔ اور تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد جبکہ سعدی ڈی آئی جی کے دفتر میں بیٹھ کر دو کپ کافی پی چکا تھا۔ اس سلسلے کی رپورٹ موصول ہوگئی۔

سی گل اپارٹمنٹس کا یہ فلیٹ جس میں کل قتل کا یہ حادثہ پیش آیا' کافی عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا اور کئی دن سے اخبار میں اس کے بارے میں "کرائے پر خالی ہے" کے اشتہارات شائع ہو رہے تھے۔ فلیٹ کے مالک کا نام آر پی میڈا ہے جو دیسی عیسائی ہے جس نے بڑی حیرت سے کہا کہ وہ اس لڑکی یا فلیٹ میں کسی کی موجودگی کے بارے میں قطعی نہیں جانتا۔ پڑوسیوں نے بھی یہی

بتایا کہ عام طور سے مختلف لوگ اس فلیٹ کو کرائے پر لینے کے لیے آتے رہے ہیں' لیکن یہ ابھی تک کرائے پر نہیں چڑھا۔ وہ لڑکی ان کے لیے اجنبی تھی۔

تفصیلات وہی تھیں جو سعدی ڈی آئی جی صاحب کو بتا چکا تھا۔ یعنی باہر کسی نے راہداری میں خون خون کا نعرہ لگایا تھا۔ اور پڑوسی اسی بند فلیٹ کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے گشتی پولیس کو سی گل اپارٹمنٹس میں ہونے والے خون کے بارے میں بھی اطلاع دی تھی اور پولیس فوراً ہی جائے واردات پر پہنچ گئی تھی۔ لڑکی کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں تھی کہ وہ کون ہے۔ اس کے لباس اور فلیٹ میں موجود چیزوں سے اس کی کوئی نشاندہی نہیں ہو سکی تھی۔

فلیٹ میں جو سامان موجود تھا وہ مسٹر آر میڈا ہی کا تھا اور وہ فرنشڈ فلیٹ کرائے پر دینا چاہتے تھے۔

سعدی نے ڈی آئی جی صاحب کی موجودگی میں یہ تمام تفصیلات پڑھیں۔ ڈی آئی جی صاحب بھی اس پر غور کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے سعدی سے پوچھا۔

بتاؤ اب اس سلسلے میں تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ نے یہ جو کچھ کیا ہے جناب یہ میرے اوپر احسان عظیم ہے میں اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں' بس اتنی سی گزارش ہے کہ ظفری کو گرفتاری سے بچایا جائے تاکہ ہم اس سلسلے میں مکمل یکسوئی سے کام کریں اور جو کچھ بھی بن سکا وہ کریں۔ ابھی میرے ذہن میں کوئی پروگرام واضح نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ظفری کو اپنے ساتھ اس تحقیقات میں شامل کر لوں۔" سعدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے مطمئن ہو۔ ظفری کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ اس کی موٹر سائیکل نارتھ وے پولیس اسٹیشن سے حاصل کر لینا۔ میں اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دوں گا؟"

"جی بہت بہتر۔"

"ویسے سنو سعدی۔ سعدی ہی ہے نا نام تمہارا؟" ڈی آئی جی نے سعدی کا کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی جی۔"

"تم اس سلسلے میں اگر کوئی خاص بات معلوم کر سکو تو فون پر مجھے اطلاع دے دینا۔ اور کسی قسم کی فکر مت کرنا۔ تمہاری ہر طرح سے امداد کی جائے گی۔ بلکہ یہ کیس تو تمہارے لیے ایک تجرباتی کیس ثابت ہوگا' یقیناً چھوٹے موٹے معاملات سے آگے نکل کر تمہیں بعض اوقات ایسے معاملات سے بھی سابقہ پڑے گا' ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ تو ہو ہی چکا ہے کہ جو بھی کیس قابل دست اندازیٔ پولیس ہوگا۔ تم اس کی نشاندہی کرو گے' اور پولیس کی مدد کرو گے' اسی طرح پولیس بھی تمہاری مدد کرتی رہے گی۔

"میں اسے اپنے لیے فخر سمجھتا ہوں جناب کہ مجھے ایک ایسے کام کی اجازت دی گئی ہے' جو ہمارے ملک میں رائج نہیں ہے' اور مجھے اس کے لیے آپ جیسے مہربان کی سرپرستی حاصل ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے ہاں پرائیویٹ جاسوسی کا نظام موجود نہیں ہے' لیکن تمہارے بارے میں جو رپورٹ ہمارے پاس موجود ہے' وہ بہت تسلی بخش ہے اور قانونی حدود میں رہ کر ہم تمہیں اس قسم کے کاموں کی اجازت دے چکے ہیں۔ اس طرح پولیس کو کم از کم کچھ ایسے کارکن مل سکتے ہیں جو ایسے لوگوں سے بآسانی رابطہ رکھ سکتے ہیں جو پولیس تک نہیں پہنچ جاتے اور جرائم کی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمارا بھی فائدہ ہے۔ ہر چند کہ یہ معاملات قانونی حیثیت نہیں رکھتے لیکن قانون کی امداد کرنے کے لیے قانونی حیثیت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

سعدی تھوڑی دیر تک ڈی آئی جی صاحب کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر ممنونیت کے جذبات کا اظہار کر کے وہاں سے اٹھ گیا اب وہ بالکل مطمئن تھا۔

موٹر سائیکل نارتھ وے کے پولیس اسٹیشن میں موجود تھی۔ سعدی نے پہلے ظفری کو اس کی قیام گاہ سے ساتھ لیا' اس کے بعد دونوں نارتھ وے پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔

انسپکٹر ریاض اپنے آفس میں موجود تھا' ان دونوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے

تاثرات پھیل گئے۔

"تشریف لائیے آپ حضرات' میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے لوگ اپنی مطلب براری کے لیے پہلے اعلیٰ احکام سے رابطہ قائم کرتے ہیں' بہر طور قانون کسی کے گھر کی میراث نہیں ہوتا۔ آپ لوگوں نے کوئی غیر قانونی حرکت کی تو کب تک ان سہاروں سے بچ سکیں گے۔ موٹر سائیکل باہر برآمدے میں کھڑی ہے۔ میں نے اس کی رپورٹ تیار کر لی ہے۔ یہ چابی موجود ہے۔ آپ اسے لے جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ انسپکٹر ریاض' لیکن کیا آپ کو اپنے اعلیٰ افسران پر بھروسہ نہیں ہے۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈی آئی جی صاحب قتل کے ایک مجرم کو کچھ مراعات دیں گے؟"

"نہیں میں یہ تو نہیں سمجھتا' لیکن مشتبہ لوگوں کو اتنی جلدی شبے کی فہرست سے خارج نہیں ہو جانا چاہیے۔ قتل کا یہ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا گیا ہے۔ ورنہ میں آپ سے معلومات حاصل کرتا کہ آپ وہاں کیوں تشریف لے گئے تھے اور اس وقت اندر کیسے بند ہو گئے تھے جب لڑکی قتل ہوئی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اس وقت کا حوالہ دیتی ہے۔ جب آپ اندر موجود تھے اور لڑکی قتل ہوئی تھی لیکن اب کیس ہی ہمارے ہاتھ سے لے لیا گیا ہے تو میں کیا کروں؟"

"بہر طور انسپکٹر ریاض قتل ہم لوگوں نے نہیں کیا' لیکن ہم بھی اس کی تحقیقات کریں گے' کیونکہ کسی نہ کسی طور پر ہم اس میں ملوث ہو گئے ہیں۔ تحقیقات کی رپورٹ آپ کو دوستانہ طور پر پیش کر دی جائے گی۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ ہم مجرم ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

انسپکٹر ریاض خاموش رہا۔ وہ ابھی تک ان لوگوں سے بد اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔

چنانچہ سعدی اور ظفری وہاں سے نکل آئے۔

شکیلہ نے ظفری کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی تھی اور پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کر کے ہی آؤ گے' یقینی طور پر تمہاری ملاقات آفتاب احمد صاحب سے ہوئی ہوگی؟"

"ہاں شکیلہ' لیکن ایک بار پھر' ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا ہے۔ آخر اس سارے مسئلے کی بنیاد کیا ہے؟"

"بے فکر رہو سعدی یہ کیس میرا ہے اور میں اس سلسلے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے ہی رہوں گا۔ ہم لوگوں کو اپنے آپ کو آزمانا چاہیے اگر ہم ایسے پیچیدہ سلسلوں میں ناکام رہتے ہیں تو پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے ادارے کو چلائیں جس کی بنیاد ہی یہ ہو۔" ظفری نے کہا۔

"خوب خوب' میرے شیر کو جوش آ گیا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی اس کیس کے ڈائریکٹر تم ہوئے' لیکن یار اس کی ادائیگی کہاں سے ہوگی۔" سعدی نے کہا۔

"میں اس لڑکی کے لیے افسردہ ہوں' کون تھی وہ ہم سے کیا چاہتی تھی' ظفری پر خیال لہجے میں بولا۔ اور سعدی اور شکیلہ اس کی شکل دیکھنے لگے بہرطور تھوڑی دیر کے بعد ظفری وہاں سے باہر نکل آیا۔ کم از کم وہ مصیبت ختم ہوگئی تھی جسے اس نے چھپنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے درحقیقت ان لوگوں کے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ انہوں نے ان کی حیثیت مضبوط کر دی تھی۔ ورنہ ان کے اپنے وسائل اتنے نہ تھے کہ وہ اس قسم کے معاملات میں ملوث رہ سکتے۔

ظفری نے سی گل اپارٹمنٹس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آر پی میڈا کی شخصیت کا پورا ریکارڈ حاصل کیا' لیکن اس کی شخصیت مشتبہ نہیں تھی۔ ایک سیدھا سادا کرسچین تھا جو طویل عرصے سے شرافت کی زندگی بسر کرتا چلا آ رہا تھا اور شریف شہریوں میں شمار ہوتا تھا۔ لڑکی کے بارے میں' کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ کب اپارٹمنٹ میں آئی تھی۔

دو دن گزر چکے تھے۔ یہ تیسرا دن تھا۔ ظفری' سعدی اور شکیلہ دفتر میں موجود تھے کہ باہر سے مضطرب صاحب تشریف لائے۔ چہرہ گلنار تھا جس کا مقصد یہی تھا کہ کوئی کیس آیا ہے انہوں نے کسی چودھری ارشاد علی کے بارے میں اطلاع دی اور چند لمحات کے بعد ان لوگوں نے چودھری ارشاد علی کو بلوا لیا۔

بڑی بڑی گھنی مونچھوں والا یہ شخص چہرے سے ہی پر رعب نظر آتا تھا' بلند و بالا قد اور بھرے بھرے بدن نے اس کی شخصیت کو کشش بخش دی تھی۔ شیروانی اور شلوار میں ملبوس تھا۔ سر پر پگڑی تھی بہرطور وہ شخص خاصا پر رعب نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"شکریہ۔" چودھری ارشاد نے نرم لہجے میں کہا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے تاثرات نمایاں تھے۔

"فرمایئے چودھری صاحب کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں آپ لوگوں سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔" چوہدری ارشاد علی نے پر رعب لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ میرا نام سعدی ہے۔ یہ ظفری ہیں اور یہ ہماری ساتھی شکیلہ ہیں۔"

"خوب' بڑی مسرت ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔ میں ایک انتہائی ذاتی مسئلے میں آپ لوگوں کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ عرصے قبل میں یورپ میں تھا۔ یورپ میں پرائیویٹ جاسوسی کے ادارے ہوتے ہیں۔ ایسے عزت دار لوگوں کو جس کسی کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے مصیبت کے جال میں پھنس گئے ہوتے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے بڑی تقویت ہوتی ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کا ادارہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ کیا میں کسی سلسلے میں اس ادارے کی خدمات حاصل کر سکتا ہوں جس کے لیے میں پولیس سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں پولیس سے خود کو چھپانا چاہتا ہوں۔" چودھری ارشاد نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

سعدی نے ظفری کی جانب دیکھا اور ظفری نے شکیلہ کی طرف۔ پھر سعدی نے چودھری ارشاد کی طرف رخ کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہم ایسے کسی مسئلے میں آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں چودھری صاحب۔ فرمایئے کیا خدمت کی جاسکتی ہے آپ کی؟''

''پہلے آپ اپنے معاملات سے آگاہ کر دیں' یہ بتائیں کہ اگر کوئی بالکل ہی نجی قسم کی الجھن ہو' ایسی الجھن جسے پولیس سے چھپانا بے حد ضروری ہو تو آپ اس کے لیے کیا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔''

''ہمارا معاوضہ پچیس ہزار ہے اور ہم یہ رقم ایڈوانس وصول کرتے ہیں۔''

''اگر آپ کو سو سو روپے کی سو سو نوٹوں کی دس گڈیاں پیش کی جائیں' یعنی آپ کے طلب کردہ معاوضے کی چوگنی رقم تو کیا آپ سوالات کی طرف سے زبان بند کر سکتے ہیں؟ میرا مقصد ہے کہ آپ صرف کام کرنے کا یہ معاوضہ وصول کریں۔ کام کی نوعیت کیا ہے' اس بارے میں نہ پوچھیں' میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے؟''

''جی ہاں ممکن ہو سکتا ہے۔'' سعدی نے جواب دیا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے قیام کے بعد سے یہ پہلا ایسا آدمی تھا جس کی شکل وصورت بری نہ ہونے کے باوجود ان لوگوں کو بری لگ رہی تھی۔ بہر حال چودھری ارشاد سے ہونے والی گفتگو کے سلسلے میں وہ تینوں ہی محتاط ہو گئے تھے۔

تب چودھری ارشاد نے اپنی شیروانی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور دونوں جیبوں سے پانچ پانچ گڈیاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ پورے ایک لاکھ روپے تھے۔

''فرمایئے' ہمیں آپ کی کیا خدمت انجام دینا ہو گی؟''

''تین دن قبل کسی لڑکی نے سی گل اپارٹمنٹس کے فلیٹ نمبر اکیاون سے فون کیا تھا آپ کے ادارے کو' وہ کون صاحب تھے جو اس لڑکی کی امداد کے لیے وہاں پہنچے تھے؟'' چودھری ارشاد علی نے سوال کیا۔ اور ان تینوں کے ذہن جھنجنا کر رہ گئے' یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ چودھری

ارشاد اس سلسلے کی کوئی کڑی ہو گی۔

ظفری نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''وہ میں تھا جناب' جسے اس لڑکی نے بلوایا تھا۔''

''ہوں چودھری ارشاد نے سر سے پیر تک ظفری کو گھورا اور پھر کہنے لگا۔ ''لڑکی تم سے کیا چاہتی تھی نوجوان؟''

''افسوس اسے یہ بتانے کا موقعہ نہ مل سکا۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''دیکھو دوست یہ ایک لاکھ روپے میں نے تمہیں اسی لیے ادا کیے ہیں اس کی موت کے بارے میں تفصیلات جان سکوں۔ اس ادائیگی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم لوگ اپنی زبان بند رکھو اور کسی کو یہ نہ بتاؤ کہ چودھری ارشاد تمہارے پاس آیا تھا یا نہیں آیا تھا۔ اور اگر آیا تھا تو کس لیے آیا تھا۔ دوستو ہر انسان کی عزت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ نادان لوگ اس عزت کو ملیا میٹ کرنے پر تل جاتے ہیں' میں بھی ایک ایسی ہی بدنصیبی کا شکار ہو گیا ہوں' اس لڑکی کا تعلق مجھ سے تھا لیکن میری بدنصیبی ہے کہ میں کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ وہ میری کون ہے یا کیا تعلق تھا اس کا مجھ سے۔ وہ احمق تھی اور اپنی حماقت سے ایک ایسا کام کرنا چاہتی تھی جو میری عزت کے درپے تھا۔ میں نے اسے روکنا چاہا تو وہ مجھ سے برگشتہ ہو گئی' باغی ہو گئی اور میرے خلاف عمل کرنے پر تیار ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اس فلیٹ تک کس طرح پہنچی تھی کیا کیا گل کھلائے اس نے' لیکن بہر طور وہ میری بدنصیبی پر مہر ثبت کر گئی اور اپنی جان دے بیٹھی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا میرے دوست کہ وہ کیا کہہ گئی تھی تم سے۔ کیا چاہتی تھی۔ مجھے کم از کم معلوم تو ہو جائے کہ اس کا مقصد کیا تھا؟'' چودھری ارشاد علی کی آواز بھرا گئی۔ پھر سعدی نے پوچھا۔

''اس لڑکی کا آپ سے کیا تعلق تھا چودھری صاحب؟''

''کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کچھ نہیں بتاؤں گا۔ بس اپنی تسلی کے لیے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''اور صرف یہ معلوم کرنے کے لیے آپ نے ہمیں ایک لاکھ روپے پیش کیے ہیں

چودھری صاحب؟'' سعدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ چودھری ارشاد کی آنکھوں میں نمی تھی وہ گردن جھکائے بیٹھا جوتے کی نوک سے قالین کریدتا رہا۔ پھر اسی طرح بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھ پر طنز کر رہے ہو؟''

''یورپ میں چودھری صاحب' جہاں کا آپ نے حوالہ دیا ہے' اگر پرائیویٹ جاسوسوں سے کوئی کام لیا جاتا ہے تو میرے خیال میں ان پر اعتماد بھی کیا جاتا ہے۔'' سعدی بولا۔

''یہ میری بدنصیبی کی داستان ہے بیٹے۔ جو کچھ بتا چکا ہوں اس پر اکتفا کرو۔''

''آپ کا جو بھی حکم ہو۔ لیکن ابھی تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ آپ نے ہمیں یہ ایک لاکھ روپے کیوں پیش کیے ہیں؟''

''تم مجھے سمجھانے کا موقعہ تو دو۔''

''جی۔ جی فرمایئے۔''

''میں یہاں اس شہر میں تنہا ہوں۔ کچھ لوگ میری دولت کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ مجھے ذلیل و خوار کر کے میری پوزیشن خراب کرنا چاہتے ہیں۔ کسی طرح انہیں میری ایک کمزوری معلوم ہوگئی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔''

''جی۔'' سعدی نے کہا۔

''میں ان کے خلاف تمہاری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے اب وہ دوسری چال چلیں گے۔''

''بات جوں کی توں ہے۔ ہم کچھ نہیں سمجھے۔ کیوں ظفری تم کچھ سمجھ سکے؟''

''نہیں۔'' ظفری نے گردن ہلادی۔

''پہلے تم اس بات کا جواب دو کہ میرا کیس لے رہے ہو؟''

''لے لیا۔ آپ ہمیں چار گنا معاوضہ دے چکے ہیں۔''

''حالات کچھ بھی ہوں میرے معاملات کو راز میں رکھو گے۔''

''سو فیصدی۔''

''تو پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ لڑکی نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''ایک لفظ بھی نہیں۔ میں جب وہاں داخل ہوا تو وہ دم توڑ رہی تھی۔ اور پھر اپنی جان بچانے کی فکر میں مصروف ہوگیا۔ کوئی موقعہ ہی نہ مل سکا۔''

''اوہ!'' چودھری ارشاد کے چہرے پر سکون کے آثار پھیل گئے۔ جنہیں ان دونوں نے محسوس کیا تھا۔ پھر اس نے اسی طرح بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''وہ میری ایک غلطی کا نتیجہ تھی۔ میں نے اس کی ماں سے شادی نہیں کی تھی۔ طویل عرصے تک یہ بات اسے نہ معلوم ہوسکی۔ میں یورپ میں تھا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ یہاں۔ میں انہیں ہر ماہ خرچ بھیجتا تھا۔ لیکن پھر حالات بدل گئے۔ مجھے واپس آنا پڑا۔ اور یہاں آ کر مجھے علم ہوا کہ اس کی ماں کب کی مر چکی ہے اور اس کا تعلق کچھ غلط لوگوں سے ہے اور پھر۔ انہوں نے میرے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ وہ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ ان کی ساتھی تھی۔ میں نے اسے لاکھ سمجھایا۔ لیکن ۔۔۔۔ لیکن وہ ان کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا ۔۔۔ نہ جانے کیا ہوا ۔۔۔۔'' چودھری صاحب کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

''وہ قتل کر دی گئی؟'' ظفری بولا۔

''ہاں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے آپ کی مدد کیوں حاصل کی تھی۔ وہ آپ سے کیا کہنا چاہتی تھی؟''

''معاف کیجئے گا چودھری صاحب۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے ہم سے رابطہ قائم کیا ہے؟''

''بس میں اس پر نگاہ رکھ رہا تھا۔ اس نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اشتہار پر سرخ پنسل پر نشان لگایا تھا۔'' چودھری صاحب نے جواب دیا۔

''اوہ۔ اس سے آپ نے یہ اندازہ لگالیا۔''

"ہاں۔ پہلے میں نے اس ادارے کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور میں پریشان ہو گیا تھا۔ پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ براہ راست تم سے مل لوں اور تمہیں اپنی مدد پر آمادہ کروں۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا چودھری صاحب! آپ مطمئن رہیں ہم نے آپ کا کیس لے لیا ہے۔ اگر آپ کے وہ دشمن آئندہ آپ کو پریشان کریں تو آپ ہم سے رابطہ قائم کریں۔ اب وہ آپ کے نہیں ہمارے دشمن ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ اب آپ کافی پی ہی لیں۔ ماحول میں ذرا سی تبدیلی ہو جائے گی۔ میں کافی کے لیے کہتا ہوں۔"

"چودھری صاحب نے اعتراض نہ کیا۔ سعدی خود اٹھ کر نکل آیا۔ اس نے مضطرب صاحب سے عمدہ سی کافی کے لیے کہا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "ٹیٹو کو اس شخص کے پیچھے بھیجیے۔ اور اسے موٹر سائیکل کی چابی دے دیجیے۔"

"بہتر میں سمجھ گیا۔" مضطرب صاحب بولے۔

کافی پینے کے بعد چودھری ارشاد علی اٹھ گئے۔ سب لوگ انہیں بڑے احترام سے باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ چودھری صاحب نے انہیں اپنا فون نمبر اور پتا دے دیا تھا۔

جب وہ سیڑھیوں پر اترے تو سب انہیں خدا حافظ کہہ کر واپس آ گئے۔ سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"ایک لاکھ؟" ظفری گھگھیائے انداز میں بولا۔

"خدا کی دین ہے۔ اگر یہ نوٹ اصلی ہیں تو یوں سمجھو کہ چھپر پھاڑ کے ملے ہیں۔"

"مگر یہ سب کچھ۔ خدا کی قسم۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہ چودھری ارشاد کیا بلا تھا۔" شکیلہ بولی۔

"جھوٹا، فریبی، فراڈ۔ جس نے اب تک جھوٹ کے پلندے باندھے ہیں۔ جرم کیا ہے اس نے لیکن بالکل احمق مجرم ہے۔ یہ صرف یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ لڑکی نے ظفری کو کیا بتایا۔ اس کے لیے اس نے اتنی بکواس کی اور ایک لاکھ روپے خرچ کیے۔ ایک لاکھ کے نوٹ خرچ کرنے کا ایک

مقصد اور بھی تھا اور وہ یہ کہ صورت حال کچھ بھی ہو ہم مجرمانہ طور اپنی زبان بند رکھیں۔" سعدی بولا۔

"کیا اس کا تعلق لڑکی کے قاتلوں سے ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"امکانات اسی بات کے ہیں۔" سعدی بولا۔

"اور ہم نے اسے نکل جانے دیا؟" ظفری اچھل کر بولا۔

"ہاں۔ ہاں جوش میں نہ آؤ عزیزم۔ وہ چھیمو کا للوا بڑے کام کی چیز ہے۔ مجھے اگر اس پر اعتماد نہ ہوتا تو میں چودھری صاحب کو اتنے آرام سے نہ جانے دیتا۔"

"یہ نام اور پتا غلط ہے کیا؟"

"فون نمبر بھی تو ہے۔" سعدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔"

"فون کر کے دیکھ لو۔" سعدی بولا اور ظفری جلدی سے فون پر چودھری ارشاد کے دیے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"دھونی بھائی چونی بھائی۔ بولو بیا۔ کون ہے۔" دوسری طرف آواز آئی۔

"چودھری صاحب ارشاد صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"ارے کون ارساد۔ چھوکرا۔ اور کوئی ارساد ہے کیا؟" کسی نے آواز لگائی۔ پھر بولا۔ "نہیں بیا اور کوئی ارساد مرساد نہیں ہے۔ رانگ نمبر۔" فون بند کر دیا گیا۔ ظفری ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

جاسوس اعظم ٹیٹو نے بڑی جامع رپورٹ پیش کی تھی۔ "اس نے نیچے جا کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر کوئن پارک گیا۔ وہاں اس نے ایک گوشے میں جا کر اپنی مونچھیں اتار کر جیب میں رکھ لیں اور پھر دوسری ٹیکسی کر کے پیراماؤنٹ سینما پہنچا۔ وہاں پارکنگ میں سے ایک کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر چل پڑا۔ پھر اس کی کار شہر سے باہر سرور آباد والی سڑک پر چل پڑی۔ سرور آباد کی ایک کوٹھی میں وہ رہتا ہے۔ نام شیخ صادق حسین ہے اور کوٹھی بہت خوبصورت ہے۔ تیرہ روپے دس پیسے۔"

"وہ لوگ چونک پڑے۔" "کیا مطلب؟ یہ تیرہ روپے دس پیسے کیا؟" سعدی نے پوچھا۔

"واپسی میں دو لیٹر پٹرول ڈلوایا تھا۔" ٹیٹو نے جواب دیا اور سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"تم نے یہ رقم بھی رپورٹ میں جوڑ دی؟" سعدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور جیب سے سو کا نوٹ نکال کر ٹیٹو کو دیتے ہوئے کہا۔

"باقی تمہاری بہتر کارکردگی کا انعام۔" اور ٹیٹو سلام کر کے چلا گیا۔ سب اس انکشاف پر حیران تھے۔

"بہر حال میں تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اصلیت کچھ اور ہی تھی۔"

"ممکن ہے اس کی گفتگو کا کچھ حصہ سچ پر مبنی ہو۔" ظفری بولا۔ "مثلاً وہ ناجائز لڑکی والی بات۔ کوئی ایسی ہی سچویشن ہے سعدی۔ کیا خیال ہے کہاں سے کام کا آغاز کرو گے؟"

"کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب لوگ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ظفری تین دن سے شیخ صادق حسین کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے اس کوٹھی کے حالات جاننے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ تھوڑی بہت معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں جو صرف یہ تھیں کہ یہ کوٹھی کچھ عرصے پہلے خالی پڑی ہوئی تھی۔ یہاں صرف ایک ملازم رہتا تھا جو اس کوٹھی کا چوکیدار، مالی وغیرہ سب کچھ تھا۔

شیخ صادق حسین بہت عرصے قبل یورپ چلے گئے تھے اور وہیں آباد تھے۔ یہاں ان کی وسیع و عریض جائیداد پھیلی ہوئی تھی جس کے لیے انہوں نے ایک دفتر قائم کر دیا تھا اور اسی دفتر میں شیخ صادق حسین کی جائیداد کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ چند افراد اسی کام کے لیے مخصوص تھے۔ اب شاید شیخ صادق حسین یہاں مستقل قیام کے لیے آ گئے تھے۔ کوٹھی کی از سر نو صفائی ہوئی تھی کچھ اور ملازم بھی رکھ لیے گئے تھے لیکن باہر یہاں آنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ان تین

دنوں میں ظفری نے نہ تو شیخ صادق حسین کو گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا اور نہ ہی باہر سے کوئی شخص یہاں آیا تھا۔ ٹیلی فون لائن البتہ موجود تھی اگر کسی سے رابطہ قائم کرنا ہوتا ہوگا تو اس کا ذریعہ ٹیلی فون کو ہی بنایا جاتا ہوگا۔

ظفری کو اس دوران یہ نگرانی جاری رکھنے میں خاصی مشکلات پیش آئی تھیں۔ ایک بار وہ کوٹھی میں اندر بھی داخل ہو گیا تھا' لیکن یہ داخلہ بے کار ہی رہا تھا۔ کوئی بھی خاص بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ ایک دو ملازموں پر نگاہ پڑی تھی۔ بس' جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ سچویشن ایسی تھی کہ ظفری کوٹھی کے اندرونی حصوں کا جائزہ نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے وہ اس چہار دیواری سے کود کر واپس نکل آیا۔

سعدی بھی اس سلسلے میں کوئی مؤثر راستہ اختیار نہیں کر سکا تھا۔ ویسے وہ منتظر رہا تھا اس بات کا کہ شاید شیخ صادق حسین چودھری ارشاد علی کی حیثیت سے ان سے رابطہ قائم کرے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

چودھری ارشاد علی خاموشی اختیار کر گیا تھا۔ غالباً وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا ہوگا کہ لڑکی ظفری کو کچھ بتانے سے پہلے ہی مر چکی ہے ویسے جب بھی وہ لوگ اس بارے میں سوچتے تو انہیں ایک عجیب سا احساس ہوتا۔ یہ بات تو تسلیم شدہ تھی کہ شیخ صادق حسین جرائم پیشہ آدمی نہیں تھا۔ لیکن بہر طور وہ کسی نہ کسی طرح لڑکی کے قتل میں ملوث ضرور تھا اور اس کا کوئی نہ کوئی راز یقیناً تھا۔ اگر وہ کوئی صحیح جرائم پیشہ آدمی ہوتا تو اس طرح اپنی کہانی لیے ان لوگوں کے پاس نہ دوڑا چلا آتا۔ ایک لاکھ روپے سے کچھ اجنبیوں کا منہ تو بند کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بھی اس شکل میں جبکہ وہ ان لوگوں سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کا یہ سوچ کر مطمئن ہو جانا کہ اب وہ لڑکی کے بارے میں یا شیخ صادق حسین کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے ایک احمقانہ بات تھی۔

تین دن تک تو ظفری صبر و سکون سے یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا لیکن پھر اس کے دماغ میں کھلبلی ہونے لگی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اس عمارت کی چوکیداری کرتے رہا جائے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہیے۔ لیکن یہ ہونا کیا ہو۔

اس وقت بھی وہ شیخ صادق حسین کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں پوشیدہ تھا۔ ابھی تک یہاں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شیخ صادق حسین اندر ہی ہیں۔ وہ کار اب بھی اسی پورٹیکو میں کھڑی ہوئی تھی جسے وہ کئی بار دیکھ چکا تھا۔

ظفری سوچتا رہا اور پھر اس نے آخری فیصلہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ موٹر سائیکل گیٹ کے سامنے رکی تو ذیلی کھڑکی کھول کر چوکیدار نے سر باہر نکالا۔

''کس سے ملنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''شیخ صاحب سے ملنا ہے دروازہ کھولو!''

''آپ اپنا نام بتادو صاحب۔ شیخ صاحب اجازت دیں گا تو ہم آپ کو اندر جانے دے گا۔''

''ارے انہوں نے مجھے ٹیلی فون کر کے ابھی ابھی بلوایا ہے۔ تم دروازہ تو کھولو۔''

ظفری نے ایسے انداز میں کہا کہ چوکیدار کو یقین آ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور ظفری موٹر سائیکل سمیت اندر داخل ہو گیا۔ اب یہ شیخ صادق حسین کی شامت ہی تھی کہ وہ موٹر سائیکل کی آواز سن کر صدر دروازے پر نکل آئے تھے۔ پھر ظفری کو دیکھ کر اس طرح اچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو' لیکن ظفری کی نگاہیں ان سے مل چکی تھیں۔

''آہا چودھری صاحب' آپ یہاں خیریت۔۔۔۔'' ظفری نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ شیخ صادق حسین گہری نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ ظفری نے موٹر سائیکل کھڑی کی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے تو اس دن سے ہماری طرف کا رخ بھی نہ کیا۔'' وہ ان کے قریب پہنچتا ہوا بولا۔ لیکن شیخ صادق حسین اسے بدستور گھور رہے تھے۔

''آؤ۔'' انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور واپس جانے کے لیے مڑ گئے۔

''شیخ صاحب اندر موجود ہیں کیا۔ میں ایک ذاتی سلسلے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

ظفری نے کہا لیکن چودھری صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے بھاری آواز میں کہا۔

''وہ شیخ صاحب۔۔۔۔''

''فضول باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں آ گئے ہو۔ کیا زبان بندی کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم کافی نہیں تھی جو تمہیں ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر مل گئی۔''

''نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں چودھری صاحب۔'' ظفری بولا۔

''کیا چاہتے ہو۔ صرف یہ بتاؤ۔ میری بدنصیبی نے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے۔ تو تم بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ میں نے جو کیا ہے اِس کا پھل بھگتوں گا۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ کیوں مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو۔''

''میں شیخ صادق حسین سے ملنا چاہتا ہوں۔ چودھری صاحب آپ فرمایئے آپ یہاں کیسے موجود ہیں؟''

''میں ہی شیخ صادق حسین ہوں۔ میں نے اس دن اپنا نام تمہیں غلط بتایا تھا۔ سمجھے تم۔ اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ دیکھو میں تمہیں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں خود پولیس اسٹیشن جا کر تمام تفصیلات بتا دوں گا اور اس وقت نوجوان تمہارا نام بھی لوں گا' سمجھے تم۔ میں تمہارے خلاف بھی کوئی کہانی گھڑ سکتا ہوں۔ میں کہہ دوں گا کہ اس شخص کے میری بیٹی سے تعلقات تھے' اور یہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کی دولت پر اپنا حق ثابت کرے اور جب میری بیٹی نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا سمجھے تم۔ میں بھی کوئی بیوقوف آدمی نہیں ہوں' میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا میری بیٹی تمہیں میرے بارے میں بتا چکی ہے اگر وہ تمہیں بتا چکی ہے تو میں صرف تمہاری زبان بند کرنے کا خواہاں تھا۔ سمجھے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ میں اس پر خاک ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یہاں آنے کا مقصد بتاؤ۔''

''ہوں' ظفری اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''تو آپ چودھری ارشاد علی نہیں

بلکہ شیخ صادق حسین ہیں۔"

"ہاں ہاں، ہوں میں شیخ صادق حسین، بس تم نکل جاؤ یہاں سے۔"

"شیخ صاحب میرے خیال میں ابھی کچھ اور معاملات باقی رہ جاتے ہیں۔"

"کیا؟"

"آپ جانتے ہیں میں نے لڑکی کو قتل نہیں کیا۔ آپ نے بھی اسے قتل نہیں کیا۔ پھر اس کے قاتل کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ وہ میرے خلاف صف آراء تھی۔ اس نے کچھ بڑے لوگوں سے امداد حاصل کی تھی۔ وہی بڑے لوگ کسی نہ کسی طرح اس کی زندگی کے خواہاں ہو گئے ہوں گے۔ مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اپنی ذات کے لیے تحفظ چاہتا تھا، لیکن اب میرے ذہن میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں اب کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ سمجھے تم؟ بس اب تم جا سکتے ہو۔ میں اس سے زیادہ تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے جاؤ کر لو۔" شیخ صاحب ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔

ظفری چند لمحات ان کی شکل دیکھتا رہا اور پھر وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

"بہتر شیخ صاحب پھر کسی مناسب موقعہ پر ملاقات ہو گی۔" اس نے کہا۔ اور شیخ صادق حسین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور ظفری باہر نکل آیا۔

اس نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔ شیخ صادق حسین کھل گیا تھا۔ اس نے ظفری کو جو دھمکی دی تھی وہ بہر صورت ایک حیثیت تو رکھتی تھی لیکن ظفری اس سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے سعدی اور شکیلہ کے سامنے اس وقت کی تمام تفصیل پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور دفتر کی جانب چل پڑا۔ یہاں سے اسے ایک سنسان سڑک سے گزرنا تھا۔ یہ سڑک خاصی طویل تھی اور ایک چورنگی پر جا ملتی تھی۔ اس سے بائیں طرف مڑ کر ظفری اپنے آفس پہنچ سکتا تھا لیکن چوراہے پر پہنچا ہی تھا کہ عقب سے ایک کار اس کی موٹر سائیکل کے سامنے آ کر رک گئی۔ ایک نسوانی سفید ہاتھ اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ظفری نے متحیرانہ انداز میں موٹر سائیکل روک دی اور آگے والی کار کو دیکھنے لگا۔ کار ریورس ہوئی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر ایک لڑکی نے اس سے گردن نکال کر کہا۔

"ہیلو۔۔۔۔!" اور ظفری کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ "آپ کا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے نا؟"

ظفری نے کوئی جواب نہ دیا اور لڑکی کو گھورتا رہا۔ "آپ کی حیرت بجا ہے کیونکہ آپ یقیناً میری لاش دیکھ چکے ہیں لیکن میں مقتولہ نہیں ہوں۔ البتہ میں وہی ہوں جس نے آپ کو فون کیا تھا اور آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" بمشکل تمام ظفری نے کہا۔

"میں آپ لوگوں سے جلد ہی ملاقات کرنے والی تھی۔ صرف اس خیال سے خاموش تھی کہ شیخ صادق حسین آپ سے ملاقات کر چکے تھے اور میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کے اور ان کے مابین کیا گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن اس وقت میں نے آپ کو کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تو باز نہ رہ سکی۔ میں کہیں باہر سے آ رہی تھی۔ دور ہی سے آپ کو دیکھ کر میں نے کار باہر روک لی۔ اور پھر آپ کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے بعد آپ کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔"

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ایک درخواست ہے آپ سے۔ اس وقت میں زیادہ دیر گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔ کل شام سات بجے مجھے اپنی ایک دوست کے ہاں ایک پارٹی میں شریک ہونا ہے۔ میں وہاں سے وقت نکال لوں گی اور ساڑھے سات بجے آپ سے ملوں گی۔ آپ جگہ کا تعین کر لیں۔"

"آپ کیوں ہم سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟"

"تعجب ہے۔ آپ کو تجسس نہیں ہے۔ میں آپ کو انتہائی اہم واقعات بتاؤں گی۔ میں اب بھی آپ سے مدد چاہتی ہوں۔ آپ کا معاوضہ ادا کروں گی۔"

"بہتر۔ تو پھر جگہ کا تعین فرما دیں۔"

"ساڑھے سات بجے آپ کوئنہ ہاؤس آ جایئے۔ وہاں سے ہم کسی مناسب جگہ کا تعین

کرلیں گے۔کوئنہ ہاؤس ایرڈزاسکوائر کے نزدیک ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"پھر خدا حافظ۔کل ساڑھے سات بجے کوئنہ ہاؤس۔" اس نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ظفری احمقوں کی طرح سر کھجاتا رہ گیا۔پھر اس نے دو تین راہگیروں کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو سنبھل گیا اور موٹر سائیکل آگے بڑھادی۔

سعدی اور شکیلہ دفتر میں موجود تھے۔ٹیٹو کا انٹرویو ہو رہا تھا۔ظفری اندر داخل ہوا تو وہ چونک پڑا۔سعدی غور سے ظفری کو دیکھنے لگا۔پھر اس نے کہا۔"ٹھہریئے مارشل۔آپ باہر تشریف رکھیے باقی گفتگو پھر ہوگی۔"

"او کے چیف۔" ٹیٹو نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور باہر نکل گیا۔

"میں اسے تمہاری مدد کے لیے روانہ کرنے والا تھا۔لیکن تمہاری واپسی حیرت انگیز ہے۔" سعدی بولا۔

"کاف بغیر دودھ کے۔" ظفری بولا۔

"اوہ۔اس کا مطلب ہے کہ کوئی تیر مار کر آئے ہو؟"

"مار کر نہیں۔تیر پہ تیر کھا کر آیا ہوں۔چھلنی ہو رہا ہوں۔" ظفری کراہ کر بولا۔

"تیر نظر وغیرہ؟" سعدی نے پوچھا۔

"گفتگو کی سکت نہیں۔تھوڑی دیر خاموش رہنے دو۔" ظفری نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"کوئی بڑی واردات کر کے آیا ہے۔تم ذرا مضطرب صاحب سے کہہ کر کافی منگوالو۔" سعدی بولا۔

"کافی کے ساتھ ہی واپس آنا۔اس سے قبل میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔" ظفری بولا اور شکیلہ اٹھتے اٹھتے رک گئی۔

"نوکر نہیں ہوں تمہاری۔خود ہی جا کر لے آؤ کافی۔" اس نے تنگ مزاجی سے کہا۔

"ارے ارے شکیلہ سمجھا کرو۔ایک بے وقوف آدمی اگر کوئی عقلمندی کا کام کر لیتا ہے تو اتنا ہی اکڑتا ہے۔اس وقت اس کی حالت درست نہیں ہے۔کافی پلا دو بے چارے کو۔" سعدی نے کہا۔اور شکیلہ ظفری کو گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ظفری اس وقت تک کچھ نہیں بولا۔جب تک بلیک کافی کی دو پیالیاں نہ ڈکار لیں۔سعدی اور شکیلہ بے چینی محسوس کر رہے تھے۔اس کے بعد بھی ظفری نخرے کرنے لگا تو سعدی بول پڑا۔

"میر تمہیں کان پکڑ کر دفتر سے باہر نکال دوں گا کیوں سسپنس پیدا کر رہے ہو؟"

"جب تک خاموش ہوں۔" تمہارا فائدہ ہے بول پڑوں گا تو تم بھی میرے مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟"

"ہوں۔ٹھیک ہے۔یہ بات ہے تو سنو۔" ظفری نے کہا۔اور پھر وہ ان لوگوں کو شیخ صادق حسین سے ملاقات اور گفتگو اور اس کے بعد اس لڑکی سے ملاقات کا قصہ سنانے لگا۔اور جب اس نے بتایا کہ یہ وہ لڑکی تھی جس کی لاش اس نے دیکھی تھی تو وہ دونوں اچھل پڑے۔

"مذاق کر رہے ہو ظفری۔"

"اور یہ لاش کل شام ساڑھے سات بجے مجھ سے کوئنہ ہاؤس پر ملے گی اور اپنی کہانی سنائے گی۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔اب تم لوگ مل کر انتظار کرو میرے ساتھ کل ساڑھے سات بجے تک۔" ظفری نے جواب دیا۔

"یہ۔۔۔۔یہ کیسے ممکن ہے؟" سعدی بولا۔

"لاش کے بارے میں مکمل کارروائی ہوئی ہے۔اسے لاوارث قرار دے کر سرکاری طور پر دفن کیا گیا ہے۔" شکیلہ بولی۔

"یہ کیسے معلوم ہوا؟" ظفری نے پوچھا۔

"شکیلہ آج اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے گئی تھی۔ ابھی تک ہم کوئی خاص کام نہیں کر سکے۔ لیکن میرا خیال ہے اب جمود ٹوٹ چکا ہے لیکن ساری باتیں ہی دل چسپ ہیں۔ چودھری جی کھل گئے۔ ویسے انہوں نے کہانی عمدہ گھڑی تمہارے بارے میں۔ اس کی ایک حیثیت تو ہے۔" سعدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

"ارے میں اس کی شکل بگاڑ دوں گا وہ سمجھتا کیا ہے خود کو' لیکن وہ لڑکی۔ دل تو چاہا تھا کہ اس کا تعاقب کروں لیکن پھر سوچا بدک جائے گی۔"

"بہرحال اس کے سوا چارۂ کار نہیں ہے کہ کل ساڑھے سات بجے تک انتظار کیا جائے۔"

"کوئٹہ ہاؤس سے اسے کہاں لے جاؤ گے؟" سعدی نے پوچھا۔

"اس سلسلے میں مشورہ دو۔"

"اسے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی مدد درکار ہے۔ اگر ہم لوگ بھی ساتھ ہوں تو کیا حرج ہے؟" شکیلہ بولی۔

"ہاں میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس سے پوچھ بھی لیا جائے گا۔"

"تب پھر یوں کرتے ہیں۔ کسی عمدہ سے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا جائے۔ ہم دونوں وہاں پہنچیں اور تم اس سے گفتگو کرنے کے بعد اسے لے کر واپس آ جاؤ۔ یہ عمدہ ترکیب رہے گی۔"

"او کے۔ تم آج ہی کمرہ بک کرا لو۔ میرے خیال میں ہوٹل فلیسکو ٹرائی کر لو۔" ظفری نے کہا۔

ظفری ٹھیک وقت پر کوئٹہ ہاؤس پہنچ گیا تھا۔ وہاں لان میں شامیانے لگے ہوئے تھے۔ لاتعداد کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ اور ان میں وہ کار بھی موجود تھی جسے اس نے لڑکی کے پاس دیکھا تھا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے لڑکی باہر نظر آئی۔ اس نے دور سے ہی ظفری کو دیکھ لیا اور خاموشی سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"چلو۔" اس نے کہا۔ اور ظفری چونک پڑا۔ "جلدی کرو کوئی دیکھ نہ لے۔"

"م۔ موٹر سائیکل پر؟" ظفری نے حیرت سے کہا۔

"مجبوری ہے۔ میں کسی کو بتائے بغیر چل رہی ہوں۔ میری کار دیکھ کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں یہیں کہیں موجود ہوں۔" لڑکی نے کہا اور ظفری نے شانے ہلا دیے۔ چند لمحات کے بعد لڑکی اس کے ساتھ موٹر سائیکل پر جا رہی تھی۔

"کہاں چلو گے؟" اس نے پوچھا۔

"ہوٹل فلیسکو" ظفری نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گئی اس سلسلے میں اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ پھر ظفری ہی نے کہا۔ "وہاں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کچھ اور نمائندے بھی ہوں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں۔ لیکن یہ لوگ قابل اعتماد تو ہوں گے نا؟"

"سو فیصدی۔" ظفری نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ مکمل طور پر خاموش ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ظفری نے ہوٹل فلیسکو کے باہر موٹر سائیکل پارک کی۔ اور وہ دونوں اتر کر اندر داخل ہو گئے۔

فلیسکو کے کمرہ نمبر دس میں سعدی اور شکیلہ موجود تھے۔ دونوں نے ان کا استقبال کیا۔ اور لڑکی بے جھجک مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"ہیلو" اس نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور شکیلہ سے ہاتھ ملایا۔ "میرا نام نائلہ صادق ہے۔" اس نے کہا۔

"مسرت ہوئی آپ سے مل کر مس صادق۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ شدید حیرت بھی۔ کیونکہ جیسا کہ ظفری نے کہا کہ وہ آپ کی لاش دیکھ چکا ہے؟" سعدی نے کہا۔

"اوہ میں آپ کی آواز پہچان رہی ہوں۔ غالباً ٹیلی فون پر میری گفتگو آپ ہی سے ہوئی تھی۔" لڑکی بولی۔

"کیا مطلب؟" سعدی چونک کر بولا۔

"مطلب یہ کہ میں نے ہی آپ سے سی گل اپارٹمنٹ کے روم نمبر اکیاون میں پہنچنے

کے لیے کہا تھا۔" وہ بولی۔ "لیکن بعد میں حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ میں ۔۔۔۔۔"

"اور اس کے بعد آپ وہاں قتل ہو گئی تھیں؟" سعدی نے کہا۔

"میں اپنے قتل کی کہانی ہی آپ کو سنانے آئی ہوں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ان صاحب کو اس دن خاصی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن جو کہانی میں آپ کو سناؤں گی وہ بڑی سنسنی خیز ہے اور آپ یقین کریں مجھے آپ سے جھوٹ بولنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود جس قدر خطرات میں گھری ہوئی ہوں' آپ تصور نہیں کر سکتے۔ میری زندگی ہر وقت پستول کی گولی پر ہے۔ میں کسی بھی وقت موت کا شکار ہو سکتی ہوں۔ اس لیے میں نے ہمت کر کے یہ کھیل کھیل لیا ہے۔ میں ذہنی طور پر کسی بھی تقریب میں شامل ہونے کے قابل نہیں تھی۔ لیکن بس اپنی تگ و دو میں لگی ہوئی ہوں۔ کاش میری زندگی بچنے کا سامان ہو جائے۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔

سعدی نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ بیٹھ گئی۔

"کیا پئیں گی آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"کافی منگوا لیجئے میرے لیے۔ میں ایک دم سے تھکن سی محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"بہتر ہے۔ میں ابھی منگواتا ہوں۔" سعدی نے کہا اور روم سروس کو ٹیلی فون کر کے کافی کے لیے کہہ دیا۔ لڑکی اس دوران کرسی پر بیٹھی طویل سانسیں لیتی رہی تھی جیسے وہ خیالات کو مجتمع کر رہی ہو۔

"سب سے پہلے تو میں آپ سے یہ سوال کروں گا خاتون کہ آپ قتل ہوئی بھی تھیں یا نہیں؟" ظفری نے مضحکہ خیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ۔۔۔۔۔ میں قتل نہیں ہوئی تھی بلکہ مقتولہ ایک اور لڑکی تھی۔"

"گڈ۔ لیکن اس کی صورت؟"

"ہاں۔ وہ پلاسٹک میک اپ میں تھی۔ نائلہ صادق نے جواب دیا۔

"گڈ۔ گڈ۔ انکشاف در انکشاف۔ کمال ہے؟" سعدی بولا۔

"دیکھیے۔ میں نے آپ سے مدد کی درخواست کی ہے اور میں آپ کو آپ کا معاوضہ

دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ رقم اس وقت بھی میرے پاس ہے۔ لیکن کسی بھی شکل میں آپ کو اپنا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دوں گی۔" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"سوری۔ براہ کرم آپ اس بات کو طنز نہ سمجھیں۔ ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کر رہے ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔" سعدی نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"میں آپ سے عاجزانہ درخواست کرتی ہوں کہ میری باتوں کو سچ سمجھا جائے۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"جی۔ فرمائیے؟"

"شیخ صادق حسین نے آپ سے ملاقات کی تھی نا؟"

"جی ہاں۔"

"کیا چاہتے تھے وہ؟"

"یہ معلوم کرنا کہ مرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا؟" ظفری نے کہا اور جلدی سے زبان دبالی۔

"ہوں۔ ظاہر ہے اسے تشویش ہوگی۔ بہرحال میں زیادہ وقت نہیں دے سکی۔ میری کہانی سن لیں۔ یہ شخص جو شیخ صادق حسین بنا ہوا ہے۔ درحقیقت شیخ صادق نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ایک ساتھی علی جواد ہے۔ جو شیخ صادق حسین یعنی میرے والد کا سیکرٹری بھی تھا۔ میں اسے چچا کہتی تھی میرے والد بھی اسے نوکر سے زیادہ دوست تصور کرتے تھے لیکن اس بدبخت کے دل میں لالچ تھا۔ یہ میرے والد کا کاروبار اور دولت ہڑپ کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ درپردہ یہ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ اس نے میرے والد کے کاروبار کے بارے میں ان کی دولت اور جائیداد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں۔ ان کے دستخطوں کی نقل سیکھی اور پھر اس نے میرے والد کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے سے قبل اس نے یورپ کے ایک پلاسٹک سرجری کے ماہر سے اپنے چہرے میں تبدیلی کرائی اور میرے والد کا ہم شکل بن گیا۔ لندن میں اس کی ایک محبوبہ راشدہ نامی لڑکی تھی جو مقامی تھی لیکن لندن میں رہتی تھی یہ لڑکی اس کی سازش میں شریک تھی۔ اس نے بڑی کامیابی سے

میرے والد کو قتل کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور مجھے شبہ بھی نہ ہو سکا۔ آواز کے سلسلے میں اس نے گلے کی تکلیف کا بہانہ کیا اور ایک مصنوعی آپریشن کرایا جس کے بعد اس کی آواز بدل گئی اور مجھے والد کی آواز پر شبہ نہ ہو سکا۔ یورپ میں ہمارا کاروبار خسارے میں چل رہا تھا اور اسے بحال کرنے کے لیے بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تا کہ یہاں کی جائیداد وغیرہ فروخت کر کے وہاں کاروبار کو سنبھالا دے سکے۔ میں اب بھی اس مردود کے بارے میں نہیں جان سکی تھی۔ لیکن ایک شام اس نے اپنی محبوبہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے اسے اپنا پروگرام پوری تفصیل کے ساتھ بتایا۔ اس وقت مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں اپنے باپ کو کھو چکی ہوں۔ جناب میں حوصلہ مند ہوں اور خود کو سنبھالنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ اس جرائم پیشہ شخص کے یورپ میں بہت سے مددگار تھے۔ اس لیے میں وہاں اس کے خلاف کچھ نہ کر سکی۔ میں نے خاموشی سے حالات کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ یہاں آ کر اس کے خلاف عمل کروں گی۔ بہر حال یہ میرے ساتھ یہاں آ گیا۔ اس کی محبوبہ بھی دوسرے طیارے میں یہاں آ گئی تھی اور اس کے چہرے کو بھی اس نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کرا لیا تھا اور اسے میرا ہم شکل بنا دیا تھا تا کہ یہاں اسے میری جگہ دی جا سکے اور اس کے لیے مشکل نہ ہو۔"

میں خوف کی پھانسی پر چڑھی ہوئی تھی۔ ہر لمحہ میری زندگی خطرے میں تھی لیکن اس نے اس لیے مجھے زندہ رکھا تھا کہ کوئی خاندانی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔ جائیداد فروخت کرنے کے بعد یہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں اس کے سارے پروگرام سے واقف تھی اور اپنے لیے راستے تلاش کر رہی تھی لیکن مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ آپ لوگوں کا اشتہار اخبار میں تھا۔ میں نے اسے پڑھا اور اس کے گرد سرخ نشان بنا دیا۔ اسی اخبار میں ایک خالی فلیٹ کا بھی اشتہار تھا جو سی گل اپارٹمنٹس کا فلیٹ نمبر اکیاون تھا۔ میں نے اس فلیٹ کے پتے پر آپ سے رابطہ قائم کیا اور آپ کو یہاں ملنے کا وقت دے دیا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اسی عمارت کی دوسری منزل میں اس کی محبوبہ راشدہ میری شکل میں موجود ہے۔ راشدہ خاموشی سے عمارت میں رہتی تھی۔ پڑوسی بھی اس کی شکل سے ناواقف تھے۔ میں اس خالی فلیٹ کا تالا کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی کہ راشدہ کسی کام سے

نیچے اتری۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ فلیٹ کا دروازہ سیڑھیوں کے برابر ہے۔ ہم اس طرح آمنے سامنے ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے سے کسی طور نہ چھپ سکتے۔ میں دروازہ کھول چکی تھی۔ ایک لمحے میں میں نے فیصلہ کر لیا۔ اور راشدہ کی گردن دبوچ کر اسے اندر دھکیل دیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو میں نے اس کی گدی پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔ اور وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ میں اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لائی اور مسہری پر دھکیل دیا۔"

"دوسری طرف علی جواد بروقت میرے اس پروگرام سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اور اس کا سبب وہ سرخ نشان تھا جو میں نے آپ کے اشتہار اور اس فلیٹ کے اشتہار کے گرد لگایا تھا۔ وہ فوراً چل پڑا۔ اور عین وقت پر فلیٹ پر پہنچ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب میں راشدہ کو مسہری پر دھکیل چکی تھی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا کسی کے قدموں کی چاپ سن کر میں جلدی سے اس مسہری کے نیچے گھس گئی جس پر راشدہ پڑی تھی۔"

"راشدہ اٹھ کر بیٹھی ہی تھی کہ علی جواد اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس قدر بد حواس تھا کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ راشدہ کے پہلو میں خنجر بھونک دیا اس نے راشدہ کا منہ بھی دبا لیا تھا مقصد یہ تھا کہ وہ چیخ نہ سکے لیکن اس طرح راشدہ اسے اپنے بارے میں نہ بتا سکی۔ ابھی یہ ڈرامہ مکمل ہوا ہی تھا کہ یہ صاحب پہنچ گئے۔ اس وقت علی جواد اندر ہی تھا وہ جلدی سے کمرے سے نکل گیا اور کہیں چھپ گیا۔ پھر جب ظفری صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دم توڑتی ہوئی راشدہ کو دیکھا۔ اس دوران علی جواد چھپاک سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور اس نے خون خون کی صدا لگا کر لوگوں کو فلیٹ کے دروازے پر جمع کر دیا اس کے ساتھ ہی اس نے پولیس کو بھی اس قتل کی اطلاع دے دی۔ فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا۔ ظفری صاحب نے میری نادانستہ راہنمائی کی۔ جس سوراخ سے یہ باہر نکلے تھے اسی میں بھی باہر نکل آئی۔ اور پھر میں نے ایک ریستوران میں داخل ہو کر اپنا حلیہ سنوارا۔ فوراً ہی ایک پروگرام میرے ذہن میں آ گیا تھا چنانچہ میں کوٹھی واپس آ گئی اور پھر جب علی جواد واپس آیا تو میں راشدہ کی حیثیت سے اس سے ملی۔ علی جواد اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں عقلمندی سے کام لے کر کوٹھی واپس آ گئی ہوں۔ اس کے خیال میں وہ فلیٹ

میرے لیے مخدوش ہوگیا تھا۔ اسی کی زبانی مجھے سارے حالات معلوم ہوئے وہ مجھے سو فیصدی راشدہ سمجھ رہا تھا۔ بہرحال اس کی حالت خراب تھی اور وہ بعد کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ مجھے وہ ایک ایک بات سے آگاہ رکھتا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں نائلہ نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے کو مرتے ہوئے کچھ بتا نہ دیا ہو۔ اس کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ اسے یہ بھی حیرت تھی کہ نائلہ کو اس پر شبہ کس طرح ہوگیا۔ بہرحال وہ ایک کہانی لے کر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کا منہ بند کرنے کے لیے اس نے ایک لاکھ روپے خرچ کیے۔ لیکن وہ بے حد غیر مطمئن ہے اور جلد از جلد جائیداد اونے پونے بیچ کر یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ اسے خوف ہے کہ پولیس کہیں اس قتل کا سراغ نہ پالے۔ میں موقعے کی منتظر تھی کسی طور آپ سے رابطہ قائم کر سکوں۔ ظفری صاحب کو میں نے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا اس لیے کل میں انہیں پہچان گئی تھی۔"

نائلہ خاموش ہوگئی اور سب کی زبانیں گنگ تھیں۔ انوکھی داستان تھی۔ وہ تو کبھی اس کی گہرائی تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سعدی بولا۔

"اب تک وہ آپ کو راشدہ سمجھ رہا ہے؟"

"سو فی صدی۔ میں نے اسے شبہ نہیں ہونے دیا۔ لیکن آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کس قدر خطرناک پوزیشن میں ہوں۔ خدا کے لیے میری فوری مدد کیجیے۔ یہ انسانی مسئلہ بھی ہے اور میں آپ کی کلائنٹ بھی ہوں۔" اس نے پچیس ہزار روپے پرس سے نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے۔ "یہ رقم میں ساتھ لائی تھی۔"

سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچ کر بولا۔ "آپ مطمئن رہیں علی جواد کا کھیل ختم ہوجائے گا۔ میرے خیال میں آپ اب وقت ضائع نہ کریں۔ اس نے آپ پر پابندی بھی لگائی ہوگی۔"

"نہیں۔ بلکہ مجھے ہدایت ہے کہ میں نہایت ہوشیاری سے نائلہ کا کردار ادا کروں اور کسی کو شبہ نہ ہونے دوں۔ اس لیے مجھے اتنی آزادی ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ تھوڑا سا وقت اور اسی انداز میں گزاریں ہم بہت جلد کھیل ختم کر دیں

گے۔ ظفری ان خاتون کو نہایت ہوشیاری سے کوئنٹ ہاؤس چھوڑ دو۔" سعدی نے کہا۔ اور ظفری کھڑا ہوگیا۔

آفتاب احمد صاحب نے اپنی کوٹھی میں ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ لوگ ان کے ممنون تھے کہ وہ اتنی اہم شخصیت ہونے کے باوجود ان جیسے بے حقیقت لوگوں پر اتنے مہربان تھے۔

بہرحال ظفری نے اپنی کوٹھی میں ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ لوگ ان کے ممنون تھے کہ وہ اتنی اہم شخصیت ہونے کے باوجود ان جیسے بے حقیقت لوگوں پر اتنے مہربان تھے۔

بہرحال ظفری نے تمام صورت حال ان کے سامنے پیش کر دی۔ اور آفتاب احمد صاحب بھی اس کیس مین پوری پوری دل چسپی لیے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اس تفصیل کے ایک ایک پوائنٹ پر گفتگو کرتے رہے پھر بولے۔ "اب سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی کو کس طرح اس شخص سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے خلاف لندن سے تحقیقات کرانی ہوگی۔ ثبوت حاصل کرنے ہوں گے اور اس میں اچھا خاصا وقت لگ جائے گا۔ اس دوران کہیں اسے لڑکی پر شبہ نہ ہوجائے۔"

"ہاں۔ لڑکی کو تحفظ کی ضرورت ہے۔" ظفری نے کہا۔

ڈی آئی جی صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر انہوں نے گردن اٹھا کر کہا۔

"بس ایک ہی ترکیب ہے۔" اور پھر وہ اس کی تفصیل بتانے لگے۔

موٹر سائیکل پھاٹک میں مڑ گئی تھی اس لیے پوری بریکیں لگانے کے باوجود وہ کار سے ٹکرا گئی۔ سوار اس سے اچھلا' بونٹ پر گرا اور وہاں سے کسی ماہر جمناسٹ کی طرح کار کی چھت سے گزرتا ہوا پیچھے جا پڑا۔

بھری پری سڑک پر حادثہ ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں بھیڑ جمع ہوگئی۔ پھر بھلا شیخ صادق حسین کی مجال تھی کہ وہاں سے نکل جاتے۔ وہ ہکلا ہکلا کر لوگوں کو بتا رہے تھے کہ غلطی ان کی نہیں تھی لیکن پولیس بھی شاید کہیں قریب ہی موجود تھی' فوراً آپہنچ گئی۔ موٹر سائیکل سوار بے ہوش پڑا تھا۔ بظاہر اس کے بدن پر کوئی چوٹ نہیں تھی کوئی اندرونی چوٹ لگی تھی۔ شیخ صادق حسین کو دھر لیا گیا اور پولیس انسپکٹر نے اس کی ایک نہ سنی۔ زخمی ایک پرائیویٹ ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ زخمی جمناسٹر ٹیٹو

کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ پولیس انسپکٹر شیخ صاحب کو لاک اپ میں بند کر کے بھول گیا تھا شاید۔ شیخ صاحب چیختے چلاتے رہے' اپنی حیثیت کے حوالے دیتے رہے لیکن انہیں کسی سے رابطہ قائم نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ پورے دس دن وہ لاک اپ میں رہے۔ گیارہویں دن انہیں رہا کر دیا گیا لیکن پولیس اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکلے ہی تھے کہ اسپیشل برانچ کے ایک آفیسر اعلیٰ نے انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ لوگ؟ اس ملک میں میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں گرفتار کیا گیا ہے مجھے؟ شیخ صادق حسین دہاڑ رہے تھے۔

"بس کچھ چھوٹی چھوٹی سی باتیں جناب' مثلاً آپ ایک غلط پاسپورٹ سے یہاں تشریف لائے ہیں مسٹر علی جواد فروخت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ راشدہ خلد نامی ایک لڑکی کو بھی قتل کر دیا ہے آپ نے لندن پولیس کی اسپیشل برانچ کے کچھ لوگ بھی ایک آدھ دن میں یہاں پہنچ جائیں گے ان کا خیال ہے کہ لندن میں آپ نے اپنے باس شیخ صادق حسین کو قتل کر دیا ہے۔ بس یہی چند معمولی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم آپ کو یہ زحمت دے رہے ہیں۔" اسپیشل برانچ کے افسر اعلیٰ نے جواب دیا۔ اور علی جواد کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

☆......☆......☆